شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
کا نظریۂ اجتہاد و تقلید
ڈاکٹر نجم الدین سراج

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

کا نظریۂ اجتہاد و تقلید

ڈاکٹر نجم الدین سراج

شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ اجتہاد و تقلید

از ڈاکٹر نجم الدین سراج

اشاعت اول، 2015ء

ISBN 978-969-9368-11-0

یو ایم ٹی پریس

یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی

یو ایم ٹی روڈ C-II جوہر ٹاؤن لاہور

فون : 10 - 042-35212801

فیکس : 042 - 35212819

umtpress@umt.edu.pk

طابع : بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

والد محترم

شیخ التفسیر والحدیث

مولانا سراج الدین

اور

والدہ محترمہ

(رحمہما اللہ تعالیٰ)

کے نام

فہرست مضامین

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔امابعد!

حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ’’فتنوں کا اس قدر زور ہوگا گویا کوئی ہار ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں، عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں گی جیسے بھوکے جانور کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں‘‘۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ’’میں فتنوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ تمہارے گھروں پر اس طرح گر رہے ہیں جیسے بارش برستی ہے‘‘۔(جامع صحیح بخاری)

آج واضح طور پر یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ امت تاریخ کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی۔ان حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں امت محمدیہ ﷺ کی صورت حال کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے۔موجودہ حالات کی تبدیلی کو صحیح زاویہ سے دیکھا جائے اور آئندہ کے لئے خطوط کار کی نشاندہی کی جائے تاکہ امت اپنے فرائض منصبی کو کما حقہ سرانجام دے کر پوری انسانیت کی فلاح کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکے۔

اسلام حتمی ضابطہء حیات ہے۔اسے تا قیامت امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ”وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡ فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا“ جو لوگ ہماری خاطر مشقت اٹھائیں گے ہم انہیں اپنی راہیں حتماً اور لازماً دکھائیں گے۔حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے یحمل ھذا العلم مِنۡ کُلِ خلقٍ عُدُو وَلَہٗ یُنۡفُوۡنَ عَنۡہُ تَحۡرِیۡفُ الۡعَالِیۡنَ وَانۡتَحَالِ المبطلین وَ تَاوِیلَ الۡجَاھِلِیۡن.

اسی طرح فرمان نبویؐ ہے ان اللہ یبعث لِھذا الامۃِ سنۃِ مَن تجدِدلھا دینھا. دین کا لب لباب ایمان و عقائد اور اعلائے کلمتہ اللہ ہے۔اس لئے ہر دور میں مفکر و مبصر علما پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے وقت کے تقاضوں کو پورا کیا اور امت کی رہنمائی فرمائی۔ ہر دور میں علماء حقہ نے اپنی حتی المقدور خدمات سرانجام دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اجتہاد کے سلسلہ میں عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ علماء اسلام نے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔ گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران میں ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد واستنباط کا عمل جاری رہا۔ علماء اسلام نے مشکل حالات کے باوجود نئے دور کے تقاضوں کے مطابق مسائل کے حل کے لئے شرعی استنباط اور فتویٰ کا منصب سنبھالے رکھا اور ہر حال میں اپنا فریضہ سرانجام دیا۔ اسلام بنی نوع انسان کو جدید سائنسی علوم حاصل کرنے اور سیکھنے اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کی پُر زور دعوت و تلقین کرتا ہے۔ وہ انسانی فکر و تہذیب کو ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی عملی دعوت دیتا ہے۔ عہد نبوت ﷺ سے لے کر بعد کے تمام ادوار میں سائنسی علوم کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ اسلام امت کو تفکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے، فکرو بصیرت سے اعراض کرنے والوں سے ''افلا یتدبرون افلا یتفکرون'' کہہ کر جھنجھوڑتا ہے۔ اجتہاد کتاب وسنت کی واضح نصوص کی بنیاد پر انتہائی کوشش کے ذریعے مآخذ شرعیہ کی روشنی میں استنباط کا فریضہ سرانجام دینے کا نام ہے۔

اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ موجودہ مادر پدر آزاد اور روشن خیال ملحد طبقہ کسی مسئلہ پر مآخذ شریعت اور نظائر وامثال پر غور وفکر اور دینی علوم پر دُور کا واسطہ نہ ہونے کے باوجود اپنی آزادانہ رائے کو اجتہاد کا نام دے۔ اجتہاد کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ محض اپنی رائے سے نصوص شرعیہ سے ثابت شدہ احکام کو بدلا جائے اور ان میں من مانی تاویل کی جائے۔ یہ روش تحریف اور ہوس پرستی تو کہلا سکتی ہے مگر شرعی اجتہاد کہنا سخت غلط فہمی اور مسلمات شرعیہ کو منہدم کرنے کی مذموم حرکت اور تحریف ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ چاروں مذاہب میں باہم پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوں۔ آپ نے ان کے باہمی اختلافات مٹانے اور ان کے متضاد اقوال میں موافقت پیدا کرنے کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر کردار ادا کیا۔ آپؒ زیر بحث مسائل کو پہلے قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اس کے بعد فقہاء کے اقوال وآرا کو کتاب وسنت کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ فقہی اقوال جو ان دونوں سے موافقت رکھتے ہیں، ان کو قبول فرماتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہوتے ہیں، ان کو رد کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

آپؒ کا علمی کارنامہ یہ ہے کہ وہ آئمہ اسلام کے مختلف اقوال کو جمع کر کے ان میں تطبیق پیدا کرتے ہیں۔ اس کا برملا اظہار اپنی مشہور تصنیف ''الجزء اللطیف'' میں یوں فرماتے ہیں۔ مجھے وہ حکمت عملی عطا کی گئی جس میں اس دور کی کامیابی مضمر ہے۔ اسے آثار صحابہؓ سے مستحکم کرنے کی توفیق بھی مجھے دی گئی۔ مجھے وہ علم بھی دیا گیا جو دین ہے اور منقول بھی ہے۔ مجھے یہ تمیز بھی عطا کی گئی کہ اصل دین، سنتِ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کیا ہے اور تحریف شدہ اور فرقہ بدعت کیا ہے۔ پھر از راہ آں زواں بھی زبان ان جاتے تب بھی میں اس عطاء رب جلیل پر اس کی حمد ادا نہیں کر سکتا۔ والحمد اللہ

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریہ اجتہاد و تقلید کے تمام پہلوؤں کا ناظر غور جائزہ پیش کیا گیا ہے اور بڑی تحقیق کے ساتھ ہر بات کو نہایت جامعیت سے قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح آپ کا نظریہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ جس پر مصنف کتاب مولانا ڈاکٹر نجم الدین صاحب بجا طور پر داد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے بفضلہ تعالیٰ اپنی سعی جمیلہ سے اس موضوع پر لکھنے کی جرأت کی ہے۔ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے علمی سمندر میں غوطہ زن ہو کر نظریہ اجتہاد و تقلید کو قرآن و سنت کی روشنی میں آسان فہم اور سہل انداز میں پیش کیا ہے اس سعی جمیلہ پر ڈاکٹر نجم الدین مبارک باد کے مستحق ہیں۔ آمین یارب العالمین

ڈاکٹر مولانا احمد علی سراج
سیکریٹری جنرل ورلڈ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ
خطیب اعلیٰ مسجد الغانم (وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، کویت)
و چیئرمین اسلامک سنٹر (لاہور)

مقدمہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ۔امابعد!

بلاشبہ دین اسلام نوع انسانی کے لئے ایک زندہ اور متحرک حقیقت ہے۔اسے اپنی صحیح شکل و صورت میں اپنانے سے انسان اپنے وجود، اپنے نفس سے آگاہ ہوتا ہے اور اسے کائنات کی مرئی اور غیر مرئی اشیاء کا شعور اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ وہ کائنات اور اپنے مابین روابط سے کما حقہٗ آشنا ہو کر خلیفۃ الکائنات ہونے کے فرائض خالقِ کائنات کی منشاء کے مطابق ادا کر سکتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ہدایت کی شکل میں بنی نوع انسان کے لئے ایک اہم ضرورت ہے۔اس کی تدوین میں خالقِ کائنات کے تمام کمالات شامل ہیں۔ یہ ہدایت اس عظیم ترین انسانؐ کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچی، جس نے فکر و عمل کی دنیا میں کمال درجہ کی مطابقت سے یہ ثابت کیا کہ اگر دنیا میں انسانیت کے لئے فلاح کا کوئی راستہ ہے تو وہ صرف راہ اسلام ہی ہے۔ یہ بھی واضح کیا کہ یہ وہ قانون اور ضابطہ ہے جو اصلی درجہ کے اعتدال و توازن کے ساتھ انسان کو اس کے مقام و حیثیت سے آگاہ کرتا ہے اور کائنات میں اس کے حقوق و فرائض کی نشان دہی کرتا ہے۔

قانون اور حقوق و فرائض کی بات جب بھی ہمارے سامنے آتی ہے تو لامحالہ اسلام کے عمل و عروج کی تاریخ تدریجاً دھرانی پڑتی ہے۔اس تدریج میں ان تمام اکابرین کی خدمات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد نظامِ اسلام کے لئے عملی، علمی، تحقیقی اور فکری کاوشیں کیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ کے عروج و زوال اور وسعت کے ساتھ زندگی کے مسائل میں بھی گوناں گوں اضافہ ہوا۔اسلامی نظام کے اثرات عرب سے نکل کر عجم کی متعدد تہذیبوں میں سرایت کرنے لگے تو اِسے نئے حالات اور نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔اسی لیے اکابرینِ اسلام کو قانونِ اسلامیہ کی تدوین کے سلسلے میں نئے حالات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق بے پناہ تشریحاتی کام کرنے پڑے تاکہ دینِ اسلام کی فکری اور عملی بنیادیں بدستور قائم رہیں، اور دینِ اسلام کی سیاسی وسعتوں کے ساتھ اس کی عملی تدبیر میں کوئی

رخنہ واقع نہ ہو۔ ارض دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں پر اسلام نے ایسے اشخاص پیدا نہ کیے ہوں جنہوں نے مشکل اور متنوع حالات میں دینِ اسلام کی تدوین و ترویج کے لئے کار ہائے نمایاں انجام نہ دیئے ہوں۔

ان شخصیات میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نام سر فہرست ہے۔ جو تاریخ کے ایسے موڑ پر پیدا ہوئے جہاں پر اسلام نہ صرف عجم بلکہ خود عرب میں بھی نئی تشریحات کا متقاضی تھا۔ امتِ اسلامیہ عروج کی تمام بلندیوں کو چھونے کے باوجود جس سیاسی اور تمدنی انتشار کا ہمہ پہلو شکار ہو چکی تھی، وہ اس بات کی شہادت تھی کہ امت مسلمہ اپنے فکری اور تخلیقی محور سے ہٹ چکی ہے۔ غیر اسلامی افکار کی یلغار نے پوری امت کو ذہنی غلامی اور مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کا دور بالخصوص ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا نازک ترین دور تھا۔ جہاں متعدد تہذیبوں کے ٹکراؤ اور مسلمانوں کے سیاسی زوال نے اسلام کے احیاء کی راہ میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔

دنیائے اسلام کے اکثر ممالک پر فکری جمود کی کیفیت طاری تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ قانونِ اسلام کی روشنی میں اس فکری جمود کو یکسر مسترد کرتے ہوئے از سر نو تجدید و تشریح کی جائے تاکہ فکری صداقتوں کی وہ شمع روشن کی جا سکے جسے سرورِ کائنات ﷺ نے بڑی محنت اور گراں قدر قربانیوں کے بعد فروزاں کیا تھا۔

اجتہاد و تقلید کی ضرورت:

آج عالمِ اسلام ایک طرف شدید ترین قسم کے حالات سے دوچار ہے۔ بعض حلقوں کا دعوٰی ہے کہ یہ دور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا دور ہے۔ فکر اور نظامِ اسلام کی ترقی اور احیاء کا بڑا دارومدار ان محققین پر ہوتا ہے جو اجتہاد یا تقلید کے جدید تقاضوں پر آگے بڑھتے ہوں۔

ماضی قریب کی تاریخ پر شاہ ولی اللہؒ کے فکری اثرات بڑے گہرے ہیں۔ اجتہادی تنگ دامنی کے لحاظ سے شاہ ولی اللہؒ کا زمانہ آج سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔

☆ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دورِ جدید کے تقاضوں کے پیشِ نظر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اجتہاد و تقلید کے متعلق افکار و نظریات پیش کیے جائیں تاکہ دین متین کے اصل

---

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ التفہیمات الہیہ، ج۱، ص۲۸۵، ۲۸۶۔ مجلس علمی ڈابھیل ۱۹۳۴ء

(۲) تفہیمات الہیہ۔ ج۱۔ ص۲۸۷۔ ۲۸۸

(۳) تفہیمات الہیہ۔ ج۱۔ ص۲۸۷۔ ۲۸۸ (۴) التفہیمات الہیہ۔ ج۱ص۔ ۲۷۹

مفہوم کے عین مطابق اصول وضوابط وضع کرنے میں سہولت ہو۔

☆ دوسرا بڑا مقصد ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہے جو آپؒ کے متاءخرین نے ان سے اجتہاد یا تقلید کے ضمن میں منسوب کردی ہیں۔ آپؒ اپنی ذات میں علم وفکر کا ایک ادارہ تھے اور ایک بہت بڑی تاریخی تبدیلی کے نقیب تھے۔ ان سے منسوب افکار کا نکھر کر سامنے آنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

☆ اس کتاب کا تیسرا بڑا مقصد ان خطوط کا واضع تعین ہے جو اسلام ہمیں اجتہاد یا تقلید کے سلسلے میں فراہم کرتا ہے۔ اس راہِ اعتدال میں آپؒ کا مقام ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ان کے فلسفہ کو واضح طور پر پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تحقیق و تجزیہ کے سلسلہ میں جن امور کو مدِ نظر رکھا گیا ہے ان کی نشاندہی قارئین کے لئے باعثِ استفادہ ہوگی جو کہ درج ذیل ہیں:۔

ا۔ روایت کے ضمن میں کوشش یہ کی گئی ہے کہ ہر مکتب فکر کو بلا کم وکاست پیش کر دیا جائے اور پھر ان کے متعلق آپؒ کا مئوقف پیش کیا جائے تا کہ ساتھ ساتھ ان محرکات کا بھی ذکر ہو جو آپؒ کے لئے فکر انگیز رہے ہیں۔

۲۔ تاریخی طور پر آپؒ کا اندازِ فکر جن مدارج سے گذر کر نصف النہار تک پہنچا' اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے، تا کہ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کو حل کرنے کی راہ استوار ہو سکے۔

۳۔ کوشش کی گئی ہے کہ عصری تقاضوں کو سامنے رکھا جائے تا کہ دینِ فطرت کے اصول وضوابط کے اطلاق میں کوئی اِشکال و اِشتباہ باقی نہ رہے۔

۴۔ کتاب کو ایک مقررہ احاطہ تک محدود رکھا گیا ہے اور کتب وحوالہ جات وحواشی بھی پیش کئے گئے ہیں تا کہ اس موضوع پر مزید تحقیق و تجسس کا جذبہ پیدا ہو اور آنے والی نسل کے لئے مشعلِ راہ بن سکے۔

ہمہ گیر مصلح کی ضرورت

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا زمانہ بڑا پر آشوب اور پُر از واقعات پر مشتمل ہے۔ سیاسی، اجتماعی، اخلاقی، عملی اور دینی حیثیت سے یہ دور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آپؒ کی اصلاحی جدوجہد اور ان کے علمی اور اصلاحی مزاج کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ اور ماحول کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جس میں آپ کی نشوونما ہوئی اور جس میں آپ نے اپنا تجدیدی واصلاحی کام سرانجام دیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت کا انحطاط اور ہندوستان

کی سیاسی اور معاشی تباہ حالی کا آغاز ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عمر مبارک صرف چار سال تھی۔

اورنگ زیب اور شاہ عالم ثانی کے درمیان جتنے بادشاہ گزرے ان میں سے پورے اختیارات کے ساتھ اطمینان سے حکومت کا موقع کسی کو بھی میسر نہ ہوا۔ بیشتر حکمران قید ہوئے یا انہیں قتل کیا گیا۔ اس تیزی کے ساتھ بادشاہوں کی تبدیلی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ تھا کہ یہ سلطنتِ مغلیہ کی جانکنی کا دور تھا۔ مرکز کی کمزوری اور اندرونی انتشار ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ مرکز دہلی کی کمزوری سے اندرون ملک صوبیداروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ بنگال اور بہار پر علی وردی خان قابض ہوا۔ اودھ پر برھان الملک اور صفدر جنگ نے قبضہ کر لیا۔ دوآب میں روہیلے اور بنگش متصرف ہو گئے۔ نظام الملک نے دکن میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے بھی نہ صرف سر اٹھایا بلکہ ان کو حکومت کرنے کے مواقع بھی میسر آ گئے۔

یہ ساری خرابیاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی آنکھوں کے سامنے برپا ہوئیں، جن سے تنگ آ کر آپؒ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ یہ دعوت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اعلیٰ سیاسی تدبر کی ترجمانی کرتی ہے۔ اسی خط میں آپؒ نے یہ نصیحت بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو نہ لوٹا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے احمد شاہ ابدالی نے اس پر عمل نہ کیا۔ یہ لوٹ مار اُس کے جانشین تیمور شاہ ابدالی کے دور تک جاری رہی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا پہلا اصلاحی کارنامہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا دور سیاسی اعتبار سے بھی انحطاط کا دور تھا۔ آپؒ کے دور میں سیاسی انتشار کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار بھی روبہ زوال ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں ایک ایسے مسیحا اور نباضِ وقت کی ضرورت تھی جو امتِ مسلمہ کی اخلاقی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے۔ خالقِ کائنات نے آپؒ کو اس منصبِ جلیلہ پر فائز فرمایا۔ آپؒ نے حالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں اسلام سے کوسوں دور ہو گئے ہیں۔ آپ کا کام انتہائی مشکل، کٹھن اور صبر آزما تھا۔ آپ کو تنِ تنہا بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنا تھا۔ ایک طرف علماء سوء کی اصلاح کرنی تھی تو دوسری طرف نام نہاد مشائخ و سجادہ نشینوں کو راہ راست پر لانا تھا۔ حکمرانوں اور سربرآوردہ شخصیتوں کی اصلاح بھی آپ کا فرضِ منصبی تھا۔ ان

آپ نے علماء و مشائخ اور حکمرانوں کی اصلاح کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ عوام الناس کی اصلاح بلواسطہ طور پر ہو جاتی۔ آپ نے علماء سوء کے ساتھ ساتھ واعظوں اور گوشہ نشین زاہدوں کو یہ تبلیغ کی کہ تم وارث انبیاء ہو۔ تمہارا کام حق کہنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ یہودی علماء کی طرح احکام خداوندی کو سیم و زر اور اقتدار کے لیے بدلنا اور ان میں تحریف کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ مختلف فرقے اور نظریے پیدا کر کے اپنا اقتدار قائم کرنا اور عوام الناس کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کرنا تم نے اپنا شعار بنایا ہوا ہے۔ نام نہاد اور غلط کار سجادہ نشینوں اور زاہدوں کو دعوت دی کہ یہ وقت حجروں اور خانقاہوں میں آرام کرنے کا نہیں بلکہ مشرکانہ رسوم اور رواجوں کے خلاف جہاد کرنے کا ہے۔ (۱)

دوسرا اصلاحی کارنامہ

آپ کا دوسرا اصلاحی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حکمرانوں اور اہل اقتدار کو یہ ذہن نشین کرایا کہ حکمرانی دراصل ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ حاکم وقت رعایا کی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ ہے۔ حکومت کا کام غیر اسلامی قدروں کے خلاف جہاد کرنا، اسلامی اور غیر اسلامی رسومات اور رواجوں اور شعائر کے درمیان حد فاصل قائم کرنا ہے۔

اس وقت ہندو مسلم میل ملاپ سے شعائر اسلامی پر ہندوانہ چھاپ پڑ چکی تھی۔ آپ نے حکمرانوں اور ان کے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ ان کا کام اپنے عشرت کدوں کو آباد کرنا، بدکاری اور شراب خوری نہیں بلکہ ملک و دین کی خدمت ہے۔ جب تک حکمران عملاً اچھے مسلمان نہیں ہوں گے اس وقت تک عوام کی اصلاح ناممکن ہے۔ (۲)

آپؒ نے حکمرانوں کو اندرونی اور بیرونی محاذوں پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ آپ نے علماء اور حکمرانوں کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس کی اصلاح کا فریضہ بھی بخوبی سرانجام دیا۔ عوام کو باور کرایا کہ ان کی عبادات، ان کی اخلاقی قدریں، معاشرت اور تہذیب و تمدن پر ہندو اثرات بری طرح مرتب ہو چکے ہیں۔ ہندو اور مسلم دو الگ قوموں کا تصور پیش کر کے آپ نے مسلمانوں کو الگ تشخص دیا۔ (۳)

آپ کی ان مساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو اپنی نشاۃ ثانیہ کا موقع نصیب ہوا۔

الغرض آپ کی حیثیت پورے پاک و ہند میں حجۃ اللہ کی ہے۔ اگر آج بھی ملت اسلامیہ اپنے منتشر راستوں سے واپس لوٹنے کا قصد کرے تو ان کا نقطۂ اتصال آپ کی ذات گرامی ہو

گی۔ فی الحقیقت آپ درجہ اجتہاد پر تھے۔ آپ کا زیادہ تر زور مذاہب اربعہ میں وحدت کا درس اور تبلیغ ہے۔ (۴)

عالم اسلام میں آپ کا مقام و مرتبہ

آپ کا عمل فقہ حنفیؒ پر تھا' تاہم شافعیؒ، مالکیؒ، حنبلیؒ اور حنفیؒ مسلّمات کو آپ نے اپنی تعلیمات میں خاص مقام دیا۔ یہ آپ کی وسعتِ علمی اور روحانی بصیرت کی بے مثال دلیل ہے۔ اس لئے وہ آج بھی ملتِ اسلامیہ کے مجتہد ہیں اور آنے والے وقتوں میں بھی متفق علیہ شخصیت ہونگے۔

﴿ڈاکٹر نجم الدین سراج﴾
(سرپرست اعلیٰ مرکز فکر اسلامی اسلام آباد)
سابق چیئرمین
ڈیپارٹمنٹ آف عربیک، اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ
گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا شمار دنیائے اسلام کے ممتاز ترین جید علماء میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر اور متفقہ طور پر اپنے عہد کے مجتہد اور امام مانے جاتے ہیں۔ حکیم الامت احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہؒ شوال المکرّم ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۷۰۳ء بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب دہلی کے قریب ایک قصبہ پھلت میں پیدا ہوئے۔ اس وقت اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت تھی اور آپ کی پیدائش کے چار سال بعد اورنگزیب نے وفات پائی۔

آپؒ اپنی خودنوشت سوانح میں ایک رسالہ "الجزء اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف" میں اپنی ولادت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ ولادت ایں فقیر چہار شنبہ چہارم شوال مقارن طلوع شمس سنہ اربع عشرقرن دوازدھم واقع شد" (۱)

"اس فقیر کی پیدائش بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ء بوقت طلوع آفتاب ہوئی۔"

ولی اللہؒ کے علاوہ آپؒ کے نام قطب الدین، احمد اور عبداللہ بھی ہیں۔ قطب الدین، بختیار کاکیؒ کی بشارت کی وجہ سے رکھا ہوا نام ہے۔ جس کے متعلق آپؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ درخواب بشارت پسر فرمودند و گفتند کہ اورابنام گردانی بہمیں جہت یہ قطب الدین موسوم گردیدند" (۲)

"حضرت بختیار کاکیؒ نے خواب میں والد محترم کو لڑکے کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام قطب الدین رکھنا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے خود اپنا نام عبداللہ رکھا۔ آپ فرماتے ہیں:

"قال الفقیر ولی اللّٰہ و قد سمی نفسہ عبداللّٰہ۔" (۳)

آپ کا تاریخی نام عظیم الدین نکالا گیا۔

" بعض یاران عظیم الدین تاریخ یافتند۔" (۴)

بعض حضرات نے عظیم الدین تاریخ ولادت نکالی، لیکن آپ کو اسلامی دنیا شاہ ولی اللہؒ کے نام سے جانتی ہے اور پہچانتی ہے۔ اور آپ کے بقیہ نام صرف کتابوں تک ہی محدود ہیں۔

آپؒ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمر بن خطابؓ اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظمؒ تک پہنچتا ہے۔ (۵)

آپ کے ایک بزرگ شیخ شمس الدین مفتی اسلامی حکومت کے آغاز میں ہندوستان آئے۔ اور رہتک میں مقیم ہوئے۔ پہلے آپ کا خاندان علم وفضل میں ممتاز تھا لیکن ایک بزرگ شیخ محمود نے منصب قضا کو ترک کر کے سپاہیانہ زندگی شروع کردی۔ اس کے بعد یہ خاندان عرصہ تک بہادری اور دلیری کے لئے ہندوستان بھر میں مشہور رہا۔

آپؒ کے دادا شیخ وجیہہ الدین صاحب سیف وقلم تھے۔ آپؒ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم نے قرآن مجید انہی سے پڑھا۔ شیخ وجیہہ الدین کی اصل شہرت بطور ایک بہادر تیغ آزما کے تھی۔ شاہ ولی اللہؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم نے تلوار چھوڑ کر کتاب سنبھالی۔ (۶)

آپ کا شجرہ نسب تینتیس واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطابؓ تک اس طرح پہنچتا ہے:

ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم ابن الشہید وجیہہ الدین بن معظم بن منصور بن محمد بن قوام الدین عرف قاضی قازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر فلک بن محمد عطاء ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر والحاکم ملک بن عادل بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریشی بن سلیمان بن عفان محمد بن عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنھم اجمعین۔ (۷)

تعلیم وتربیت

آپؒ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں والد ماجد نے آپ کو مکتب میں داخل کیا۔ دوسال میں قرآن مجید پڑھا۔ سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید مکمل کیا، اور نماز وروزہ کی پابندی شروع کی۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی۔ معقولات ختم کر کے

منقولات کی طرف متوجہ ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو تمام علوم متعارفہ سے فراغت پائی۔
جیسا کہ ''انفاس العارفین'' میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

درسال ہفتم حضرت والد بزرگوار پرنماز ایستادہ کردند۔

عمر کے ساتویں سال میں والد بزرگوار نے مجھے نماز پر کھڑا کیا۔

وبروز داشتن فرمودند وتطہیر نیز در ہمیں سال واقع شد۔

اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ختنہ بھی اس سال میں واقع ہوئی۔

فیضان در خاطر ماندہ کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم۔

خیال ایسا ہوتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں قرآن مجید بھی میں نے مکمل کیا۔

سال دہم شرح ملا جامی خواندم وراہ مطالعہ فی الجملہ کشادہ شد۔(۸)

میں دسویں سال شرح ملا جامی پڑھ چکا تھا۔ فی الجملہ اسی وقت سے مطالعہ کی راہ مجھ پر کھلی۔
درسی کتب کا بیشتر حصہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار صاحب سے پڑھا۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

"واما العلوم الظاهرة من التفسير والحديث والفقه والعقائد والنحو والصرف والكلام والاصول والمنطق فقد تعلمنا من سيدى الوالد رضى الله عنه"۔ (۹)

تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف کلام، اصول اور منطق جیسے فنون میں نے اپنے والد (اللہ ان سے راضی ہو) سے سیکھے۔

حدیث کی کتاب مشکوٰۃ اور صحاح ستہ کا درس آپ نے مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے لیا۔ حجاز کے قیام کے دوران آپ نے حدیث کی مزید تعلیم حضرت شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنی (م ۱۱۴۵ھ) سے حاصل کی۔ آپؒ اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''با اجازت عامہ روایت حدیث از مولینا محمد افضل معروف بحاجی سیالکوٹی گرفتند۔ وبریں ہم قانع نگر دیدہ در مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تشریف بردند۔ و تحدید اجازت از محمد شیوخ خود ابوطاہر بن ابراہیم الکروی المدنی نمودند"۔ (۱۰)

عمر کے ٹھیک پندرہویں سال باضابطہ دستار فضیلت باندھی گئی۔ ان علوم متداولہ میں صرف

موجودہ درس نظامیہ کی کتابیں ہی داخل نہیں ہیں بلکہ اس وقت کے تمام مروجہ علوم وفنون عقلی ونقلی شامل تھے۔

جن علوم متعارفہ کو پندرہ سال کی عمر میں مکمل کر کے فراغت حاصل کی، ان کی تفصیل آپ نے اپنی خودنوشت ''الجزء الطیف'' میں یوں ارشاد فرمائی:

''بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم ایں دیار پانزدہم فراغ حاصل شد، از علم حدیث مشکوٰۃ تمام آں خواندہ شد الافوقی یسیر از کتاب البیع تا کتاب الاداب وآں بااجازت متدارک گشت وطرفی از صحیح بخاری تا کتاب الطہارۃ کم و بیش و تمام شمائل النبی ﷺ بر حضرت الیشان سماع کردم۔ بقراء ت بعض اصحاب وازعلم تفسیر طرفی از تفسیر بیضاوی و طرفی از تفسیر مدارک خواندم واز جملہ منن عظمی بریں ضعیف ورجوع آں بود کہ چند باردر مدرسہ قرآن عظیم با تدبر و معانی وشان نزول در جوع بتفاسیر بخدمت الیشان حاضر شدم وایں معنی سبب فتح عظیم افتادہ والحمدللہ و از علم فقہ شرح وقایہ و ہدایہ بتمامہا الاطرفی لیسیر از ہر دو خواندہ شد و از اصول فقہ حسامی آں و طرفی صالح از توضیح و تلویح و از منطق شرح شمسیہ ہمہ اش و طرفی از شرح مطالع و از کلام شرح عقائد ہمہ اش باطرفی از خیالی وشرح مواقف طرفی ازاں و از سلوک طرفی ازعوارف ویارہ از رسائل نقشبندیہ وغیرہ آں واز حقائق شرح رباعیات مولانا جامی ولوائح و مقدمہ شرح لمعات و مقدمہ نقد النصوص و از خواص اسما و آیات مجموعہ خاصہ حضرت الیشاں چند نوبت اجازت داد واز طب موجزالقانون و از حکمت شرح ہدایہ الحکمت وغیرہ آں و از نحو کافیہ و شرح ملا برآں و از معانی عظیم از مطول و از مختصر معانی آقدر کہ حاشیہ ملا زادہ بر آنست و از ہندسہ و حساب بعض رسائل مختصرہ''۔ (۱۱)

علوم متعارفہ سے اس ملک کے دستور کے مطابق پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ علم حدیث کتاب البیع سے کتاب الآداب تک تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر تمام ''مشکوٰۃ'' پڑھ لی۔ ''صحیح بخاری'' کم وبیش کتاب الطہارۃ تک کامکمل اور شمائل النبی ﷺ حضرت والد صاحب کے سامنے بعض اصحاب کے پڑھنے پر میں نے سنی۔ اور علم تفسیر سے ''بیضاوی'' کا کچھ حصہ اور کچھ ''تفسیر مدارک'' پڑھی۔ اس ضعیف پر احسانات عظمٰی میں سے ایک یہ تھا کہ چند مرتبہ مدرسہ میں قرآن مجید معانی اور شانِ نزول سے متعلق تفاسیر کے ساتھ والد صاحب کی خدمت میں پڑھا۔ علم فقہ میں ''شرح وقایہ'' اور ''ہدایہ'' تھوڑا سا چھوڑ کر مکمل پڑھایا گیا۔ اصول فقہ میں سے ''حسامی'' اور ''توضیح وتلویح'' کا کچھ حصہ منطق میں سے ''شرح مواقف'' کے کچھ حصے سلوک میں ''عوارف المعارف'' کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ کے کچھ حصے وغیرہ۔ عقائد میں شرح رباعیات مولانا جامی ''لوائح'' اور ''مقدمہ شرح لمعات'' اور مقدمہ نقد النصوص اور خواص اسماء وآیات میں حضرت والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی آپ نے کئی بار مجھے اجازت عطا فرمائی۔ طب سے ''موجز القانون'' اور حکمت میں سے ''شرح ہدایۃ الحکمت'' وغیرہ۔ نحو میں ''کافیہ'' اور اس پر ''شرح ملا جامی'' اور معانی سے ''مطول'' کا اکثر حصہ اور ''مختصر معانی'' کا وہ حصہ جس پر ملازادہ کا حاشیہ ہے۔ ہندسہ اور حساب میں بعض رسائل مختصر پڑھے۔''

شادی اور اولاد

عمر کے چودھویں سال آپ کی شادی اپنی ماموں زاد بہن شیخ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی اور شاہ محمد عاشق کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ (۱۲)

کچھ عرصہ بعد آپ کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں، ان کے بطن سے ایک بیٹا شیخ محمد اور بیٹی آمنۃ العزیز بھی پیدا ہوئی۔ جس کی شادی شاہ محمد عاشق کے صاحبزادے محمد فائق سے ہوئی۔ (۱۳)

آپؒ نے دوسرا عقد ۱۱۵۷ء میں مولوی حامد علی سونی پتی کی صاحبزادی سے کیا۔ جن کے بطن سے چار نامور بیٹے پیدا ہوئے۔ جو اپنے والد بزرگوار کی طرح علم وفضل میں بے نظیر تھے۔ جو حسب ذیل ہیں:

شاہ عبدالعزیزؒ آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔ وہ ۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے اور سترہ (۱۷) برس کی عمر میں اپنے والد کی وفات پر ان کے جانشین بنائے گئے۔ ساٹھ سال تک درس وتدریس اور تصنیف کا فریضہ سرانجام دے کر ۷۹ سال کی عمر

میں ۷ شوال ۱۲۳۸ھ بمطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء میں اس دارِفانی سے داعی اجل کو لبیک کہا۔(۱۴)

شاہ رفیع الدینؒ آپ کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدینؒ تھے۔ آپ ۱۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے۔آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔آپ کی کئی اہم تصنیفات ہیں۔لیکن آپ کا سب سے اہم کام قرآن مجید کا تحت اللفظ اردو ترجمہ ہے۔جس کو شہرت دوام حاصل ہے۔آپ نے ستر(۷۰) سال کی عمر میں ۱۲۳۳ھ بمطابق ۱۸۱۴ء میں وفات پائی۔(۱۵)

شاہ عبدالقادرؒ آپؒ کے تیسرے نامور فرزند ارجمند مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ تھے۔ آپ ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور ترپن (۵۳) سال تک دین متین کی خدمت سرانجام دی۔آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن حکیم کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔جو''موضح القرآن'' کے نام سے موسوم ہے۔آپ نے ۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۱۴ء میں تریسٹھ(۶۳) سال کی عمر میں اس دارِفانی سے رحلت فرمائی۔(۱۶)

شاہ عبدالغنیؒ آپؒ کے چوتھے صاحبزادے شاہ عبدالغنیؒ صاحب تھے۔آپ ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔اپنے دیگر بھائیوں کی طرح اشاعت اسلام میں اپنی زندگی وقف کردی۔اور ۲۹ محرم ۱۲۰۲ھ میں وفات پائی۔(۱۷)

جلد شادی کرنے کا راز اس چھوٹی عمر میں یعنی عمر کے چودھویں سال جلد شادی کرنے کے بارے میں آپؒ اپنی خودنوشت سوانح ''جزاللطیف'' میں فرماتے ہیں:

''وسال چہار دہم تزوج صورت گرفت و دوران معنی حضرت والد بزرگوار غایت استعجال کردند۔ وجوه اظہار عذر فقدان اسباب پیش آوردند۔ حضرت ایشان بآں جماعتہ نوشتند کہ در تعجیل سری ہست و سرآں من بعدروشن شد کہ بعدتزوج عنقریب ام زوجہ فقیر وفات یافت و بعد ازاں عنقریب شیخ فخرالعالم خلف الصدق عم بزرگوار ایں فقیر شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ بگذشتند۔ و بعد ازاں عنقریب والدہ برادر کلاں ایں فقیر شیخ صلاح الدین قضا کردند۔ و بعد ازاں عنقریب حضرت ایشان ضعیف شدند و امراض شتیٰ

برایشاں غالب آمدند۔ وبعدازاں واقعہ وفات ایشاں پیش آمد بالجملہ ایں جمیعت از ہم پاشیدومعلوم خاص و عام شد کہ اگر درہماں نزدیکی تزوج واقعی نمی شد بعدازاں سالہا امکان نداشت کہ از قوۃ بفعل آید"۔ (۱۸)

''چودھویں سال شادی عمل میں آئی۔ والد صاحب نے میری شادی میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ سسرال والوں نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو حضرت والد نے انہیں لکھا کہ اس عجلت میں راز ہے۔ یہ راز اس کے بعد واضح ہوگیا کہ شادی کے فوراً بعد میری بیوی کی والدہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد میری بیوی کے نانا اور اس کے بعد اس فقیر کے عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الصدق شیخ فخر العالم فوت ہوگئے۔ جلد ہی اس فقیر کے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی وفات ہوگئی۔ پھر والد بزرگوار کمزور ہوگئے۔ مختلف امراض نے آپ پر غلبہ کیا۔ پھر آپ کی وفات کا واقعہ پیش آگیا۔ غرضیکہ یہ جمعیت منتشر ہوگئی ہر خاص و عام کو معلوم ہوگیا کہ اگر اس وقت شادی نہ ہوتی تو اس کے بعد سالہا سال تک ممکن نہ تھا کہ وقوع پذیر ہوتی۔''

بیعت وخلافت

علوم وفنون ظاہری سے فراغت کے بعد پندرہ سال کی عمر میں آپ اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ اور ان ہی سے علوم ظاہرہ اور آداب طریقت سیکھے اور ان سے کرامات دیکھیں اور مشکلات پوچھیں اور ان سے اکثر فوائد طریقت سنے۔

"ومنها سلاسل اخرىٰ الاتصال فی طریقها لبیعة او الخرقة۔" (۱۹)

آپ کے والد ماجد کو کئی سلسلوں سے اجازت حاصل تھی۔ اس کے متعلق آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

''ہمارے اور بھی سلسلے ہیں۔ جن کے بعض کے درمیان بنابر صحبت کے اتصال ہے اور بعض میں بنابر بیعت یا خرقہ پوشی کے''۔ لیکن آپ کا اصلی سلسلہ نقشبند یہ ہے۔''

آپ رسالہ ''الجزء اللطیف'' میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وپانزدہم سال بود کہ باوالد بزرگوار بیعت کردم و با شغال صوفیہ خصوصاً نقشبندیہ مشائخ مشغول شدم و از حیثیت توجہ و تلقین و تعلیم آداب طریقت و بس خرقہ صوفیہ ارتباط درست نمودم۔ (۲۰)

''پندرہویں سال میں تھا کہ والد بزرگوار سے بیعت ہوا۔ اشغال صوفیا خصوصاً مشائخ نقشبندیہ میں مشغول ہوا، تلقین و تعلیم، آداب طریقت اور خرقہ صوفیا سے اپنی نسبت کو درست کیا۔''

بیعت ہونے کے دوسال بعد آپ کو والد صاحب بزرگوار نے خلافت عطا فرمائی۔ آپ کو ارشادات اور بیعت کی اجازت دے کر اپنا خلیفہ بنایا۔ آپ نے حضرت شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے بھی خرقہ پایا۔ یہ خرقہ جمیع خرقاہائے صوفیہ کا ''حاوی'' کہلاتا ہے۔ جس کو آپ ''الجزء اللطیف'' میں بھی تحریر فرماتے ہیں:

''وبامتوطنان حرمین از علماء وغیرایشان صحبتہائی رنگین اتفاق افتادوخرقہ جامعہ شیخ ابوطاہرؒ کہ حاوی جمیع خرقہ صوفیہ تواں گفت پوشید۔ (۲۱)

''علماء حرمین سے دلچسپ صحبتوں کا موقع ملا۔ شیخ ابوطاہرؒ سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو تمام خرقوں کا جامع کہا جاسکتا ہے۔''

آپ کو زیادہ تعلق طریقہ نقشبندیہ باقویہ سے تھا۔ لیکن بیعت کے وقت آپ چاروں خانوادوں کے نام لیتے تھے۔ تذکرہ الرشید میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا ارشاد درج ہے:
''ہمارے حضرات بیعت کے وقت چاروں مشائخ کا نام لیتے ہیں تاکہ سب سے برابر عقیدت رہے۔ سب بزرگوں کے فیض سے مستفیض ہوں۔ چاروں خانوادوں کے نام لینے کا طریقہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے سے نکلا ہے۔'' (۲۲)

حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات

حضرت شاہ صاحبؒ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۲ء بوقت ظہر اکسٹھ سال چار ماہ کی عمر میں وفات پاگئے۔ وفات کا فوری سبب چند روزہ علالت تھا۔ دہلی کی شہر پناہ سے باہر بجانب جنوب ترکمانی دروازہ کی طرف آپ کا مزار مبارک ہے۔

''مدفن در شہر کہنہ جانب جنوب شاہجان آباد است'' (۲۴)

ملفوظات کے جامع نے آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز کے حوالہ سے یہ قول نقل فرمایا ہے:

عمر شریف شصت ویک سال و چہار ماہ شد، و چہارم شوال تولد گشت و دربست و نہم محرم وفات یافت

تاریخ تولد۔ چہارم ماہ شوال چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود۔

تاریخ وفات۔ "اوبود امام اعظم دین"
ودیگر تاریخ۔ ہائے دل روز گار رفت
بست نہم محرم وقت ظہر۔ (۲۵)

"آپ کی کل عمر اکسٹھ سال چار ماہ ہے۔ چار شوال ۱۱۱۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔"

تصنیفات

حضرت مجددؒ کی تصنیفات کا باقاعدہ سلسلہ آپ کے سفر حرمین شریفین کے بعد شروع ہوا۔ سفر حرمین سے قبل آپ نے قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ لکھنے کا آغاز کیا۔ لیکن اس کی تکمیل حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ہوئی۔ خود شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فارسی ترجمے "فتح الرحمٰن" میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ پورے قرآن کا فارسی ترجمہ سفر حرمین کے بعد کیا گیا۔ (۲۶)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی زندگی میں تالیف وتصنیف کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ قرآن وعلوم قرآن	۲۔ حدیث ومتعلقات حدیث
۳۔ فقہ واصول فقہ	۴۔ علم کلام
۵۔ تصوف	۶۔ سیر وسوانح
۷۔ مکتوبات	۸۔ مناظرہ اور متفرقات

تصنیفات کا مختصر تعارف

قرآن اور علوم قرآن پر تصنیفات

(۱) "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" فارسی مطبوعہ ایک مستند ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ سے آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر کے تعلیم یافتہ طبقے کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ مقدمہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں "کہ صبیان اھل حرفہ وسپاہیاں" جو عربی کی تعلیم پوری نہیں کر سکتے، اس سے مستفید ہوں گے۔ جمہور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کے ایک بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دی۔ گو اس وقت آپ کو اس سلسلہ میں بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ نے اس کی

بالکل پروانہ کی۔ اس بات کی وضاحت شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے جس کو آپ نے "فتح الرحمٰن" کے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ میں نے فارسی میں قرآن کریم کے ایسے ترجمے کی ضرورت محسوس کی، جس کی زبان سلیس اور متداول ہو اور اس میں تکلف و تصنع اور قصص اور توجیہات نہ ہوں۔ میں نے تراجم کی تحقیق شروع کی، تاکہ اگر اس معیار کے مطابق کوئی ترجمہ مل جائے تو اس کو رائج کروں۔

"لیکن دربعض تطویل عمل یافت و دربعض تقصیر مخل و ہیچ یک موافق آں میزان نیفتاد ولاجرم عزم تالیف دیگر معظم شد۔(٢٧)

رمضان ١١٥١ھ میں اس ترجمہ کی تکمیل ہوئی۔ مولانا رحیم بخش دہلویؒ "فتح الرحمٰن" کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"حقیقت میں اگر قرآن مجید کا ترجمہ حادثات کے اس زمانہ میں نہ ہوتا تو مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں جو اصلاح ہوئی ہے کبھی نہ ہوتی اور معلوم نہیں کہ مسلمانوں کو کن کن سختیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان پر مصائب و آفات کے کس قدر لشکر ٹوٹتے اور کیا کیا عذاب الٰہی نازل ہوتے۔ اس وقت ہندوستان (پاک و ہند) جہاں سے آج صحیح اسلام کی روشنی نظر آتی ہے اور شرک و بدعت سے صاف اور ستھرا مذہب دکھائی دیتا ہے، سب اسی ترجمہ کا صدقہ ہے"(٢٨)

(٢) المقدمہ فی قوانین الترجمہ (فارسی مطبوعہ) اس مقدمہ میں قرآن مجید کے مترجمین کے لئے کارآمد ہدایات درج ہیں۔ یہ مقدمہ اس مقدمہ سے مختلف ہے جو "فتح الرحمٰن" کے شروع میں ہے۔ اس مقدمہ کا اردو ترجمہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے قلم سے ماہنامہ "برہان دہلوی" اکتوبر نومبر ١٩٤٥ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(٣) الفوز الکبیر (فارسی مطبوعہ) اصول تفسیر سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں چار ابواب ہیں۔ جن میں علوم قرآنی کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔ الفوز الکبیر کا اردو ترجمہ ١٨٩٨ء میں مطبع مجتبائی نے شائع کیا۔ ١٩١٣ء میں مولانا رشید احمد انصاری نے اردو ترجمہ مطبع احمدی علی گڑھ سے شائع کیا۔ اس کے سبب تالیف کے متعلق شاہ صاحبؒ دیباچہ میں فرماتے ہیں:

"چوں بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ کشادند و خواست کہ بعض نکات نافعہ کہ درتدبر کلام اللہ یاران بکار آید۔ در رسالہ مختصری مضبوط نماید۔"(٢٩)

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید کے فہم کا دروازہ مجھ پر کھولا تو میں نے چاہا کہ بعض نکات مفیدہ کو ایک مختصر رسالہ میں جمع کروں، اور ضبط تحریر میں لے آؤں۔''

(۴) فتح الخبیر (فارسی مطبوعہ) اس رسالہ کو اگرچہ شاہ صاحبؒ نے ایک مستقل حیثیت سے شائع کیا ہے لیکن درحقیقت یہ الفوز الکبیر کا باب پنجم ہے جو قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تسہیل اور غرائب کی تشریح پر مشتمل ہے۔

''فتح الخبیر'' کے مقدمہ میں آپ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے نادر و عجیب الفاظ کی تشریح اور اس کے اسباب نزول کے بارے میں یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے۔ (۳۰)

حدیث و اصول حدیث پر تصنیفات

(۱) ''المسویٰ فی احادیث الموطا'' ''المسویٰ فی احادیث الموطا'' عربی مطبوعہ۔ موطا امام مالکؒ کی ایک مختصر عربی شرح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ امام مالک کی مرتب کردہ مجموعہ حدیث ''مئوطا'' کو بہت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے۔

''جب عربی زبان میں قدرت حاصل ہو جائے تو مئوطا بروایت یحییٰ اصمھودی پڑھا دیں۔ اسے ہرگز نہ چھوڑیں کیونکہ علم حدیث کی اصل ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت فیض ہے۔''

دہلی سے دوبار ۱۲۹۳ھ اور ۱۳۴۷ھ میں اس کی اشاعت ہوئی۔

(۲) المصفیٰ فی الحدیث المؤطا (مطبوعہ فارسی) ''مئوطا امام مالک'' کی فارسی شرح ہے۔ اور ''المسویٰ'' سے طویل ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مئوطا کی شرح فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں لکھی۔ عربی شرح کا نام ''المسویٰ'' اور فارسی کا ''المصفیٰ'' ہے۔ مئوطا کی شرح لکھنے سے دراصل آپؒ کا مقصود یہ تھا کہ اس وقت دنیا میں حنفی اور شافعی مذہب کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو ملا کر ایک کر دینا چاہیے۔ اس مآخذ کو پیشِ نظر رکھ کر یہ دونوں شرحیں ترتیب دیں۔'' (۳۲)

مصفیٰ کی جلد اول مطبع فاروقی دہلی اور دوسری جلد مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوئی۔

(۳) چہل حدیث یہ چالیس صحیح احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ کئی بار مع ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مولانا ہادی علیؒ نے اس کا مع منظوم ترجمہ مطبع قاسمی سے شائع کیا ہے۔

(۴) ''الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ'' (مطبوعہ عربی) یہ مجموعہ ان چالیس

احادیث پر مشتمل ہے جو آپ کو نبی کریم ﷺ سے بطریق خواب یا اپنے بزرگوں سے جو مبشرات حاصل ہوئے ان پر مشتمل ہے۔

(۵) ''افضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین ﷺ۔'' (عربی مطبوعہ)

(۶) ''النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر۔'' (عربی مطبوعہ)

(۷) ''تراجم ابواب البخاری وشرح تراجم بعض ابواب البخاری۔'' عربی مطبوعہ

(۸) ''الارشاد الٰہی فی مہمات علم الاسناد۔'' عربی مطبوعہ

یہ چاروں مذکورہ کتابیں فن حدیث کے متعلق ہیں۔ (۳۴)

فقہ اور اصول فقہ پر تصنیفات

(۱) ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' (عربی مطبوعہ) یہ اجتہاد و تقلید کے مسئلے پر امام المجتہدین حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک مایہ ناز محققانہ تصنیف ہے۔ اس کتاب میں حقیقت اجتہاد اور اس کی اقسام اور مجتہد کی خصوصیات اور تقلید پر آپؒ نے اپنے علمی نقطہ نظر سے بڑی عمدگی اور وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ کسی تعصب کے بغیر نہایت وضاحت کے ساتھ ان سب بنیادی مسائل کا ذکر کیا ہے جو علماء میں اختلاف کا باعث بنے ہوئے تھے۔ پھر ان میں ایک ایسا درمیانی راستہ نکالا گیا ہے جس پر تمام علماء نے اطمینان اور اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مذاہب اربعہ یعنی حنفیؒ، مالکیؒ، شافعیؒ اور حنبلیؒ طریقوں کی خصوصیات، ان کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کے چھوڑنے میں شدید ممانعت اور تقلید میں میانہ روی جیسے اہم مسائل پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس رسالہ کی ابتداء آپؒ نے اجتہاد کی تعریف سے کی۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد اسی کتاب کے اسلوب پر یہ رسالہ ان کی تصانیف میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے جس میں آپؒ نے اجتہاد و تقلید پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ اس کے اردو تراجم بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔

(۲) ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' (عربی مطبوعہ) اس کتاب میں مسلمان فرقوں کے اختلاف کی حقیقت کا کھوج لگایا گیا ہے۔ نہایت وضاحت کے ساتھ مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی طریقوں کی خصوصیات اور معلومات افزاء تاریخ اور علم فقہ کی تدوین عہد نبویؐ سے لے کر اپنے دور تک محدثین کے مختلف ادوار میں جمع حدیث کے طریقے اور مختلف زبانوں میں پیدا ہونے والے مسائل پر عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حال ہی میں اس کا ترجمہ

"فقہی اختلافات کی اصلیت" کے نام سے محمد عبید اللہ بن خوشی محمد نے کیا۔ جس کو علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب نے شائع کیا ہے۔ (۳۵)

(۳) حجۃ اللہ البالغۃ: (عربی مطبوعہ) آپ کی تصانیف میں سب سے مشہور اور اسرار دین پر معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق، فلسفہ، تمدنی ترقی اور سیاست ملی پر نہایت مستند کتاب ہے۔ اس کتاب کے بارے میں مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشیروی لکھتے ہیں:

"حجۃ اللہ شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کی اول الکتب موطا امام مالکؒ کی دو شرحیں عربی و فارسی میں بنام "المسوی" اور "المصفی" لکھیں۔ اس مجتہدانہ شان کے ساتھ بارہویں صدی ہجری کے مجدد کا فرض تھا۔ ان دونوں کا گویا ضمیمہ "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" کے نام سے لکھا۔ تکملہ "عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید" سے کیا۔ اور تتمہ حجۃ اللہ البالغۃ جیسی غیر مسبوق کتاب سے۔" (۳۶)

اس کے اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ "حجۃ اللہ البالغۃ" پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں آپؒ نے شریعت کے حقائق و اسرار بیان فرمائے ہیں، یہ درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے۔ علم کلام اس کا نام ہے کہ مذہب اسلام کی نسبت ثابت کیا جائے کہ وہ منزل من اللہ ہے۔ مذہب دو چیزوں سے مرکب ہے۔ عقائد و احکام پر آپؒ کے زمانے تک جس قدر تصنیفات لکھی جا چکی تھیں۔ صرف پہلے حصے کے متعلق تھیں۔ دوسرے حصے کو کسی نے مَس تک نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔" (۳۸)

(۴) العقیدۃ الحسنہ (حسن العقیدہ) عربی مطبوعہ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کو نہایت سلیس اور واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڑھ اور مطبع احمدی سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

تصوف پر تصنیفات

(۱) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی مطبوعہ) پاک و ہند میں صوفیاء کے جو سلسلے رائج ہیں، ان تمام کا ذکر ہے۔ ۱۲۹۱ھ میں یہ کتاب مولوی خرم علی نے مطبع نظامی کانپور سے مع اردو ترجمہ حاشیہ عبد العزیز دہلویؒ شائع کی تھی۔ اس کا نام شفاء العلیل رکھا۔ آپؒ نے اس کے حواشی بھی تحریر فرمائے۔ جنہیں مترجم "القول الجمیل" نے "حاشیہ منہیہ" کا نام دیا ہے۔

(۲) ''الطاف القدس'' فارسی مطبوعہ اس میں تصوف کے بنیادی تصورات سے بحث کی گئی ہے۔(۳۹)

(۳) فیوض الحرمین (عربی مطبوعہ) اس میں قیام حرمین شریفین کے زمانے کے روحانی فیوض اور تاثرات کو بیان کیا گیا ہے آپ کو جو خاص تعلیم و تلقین کی گئی اور جو بشارتیں منجانب اللہ القاء ہوئیں، دین حق کے اسرار و رموز سے آپ کو آگاہ کیا گیا یہ فیوض و برکات تقریباً ۴۷ مشاہد پر مشتمل ہیں اور ساتھ ہی علم تصوف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

(۴) الخیر الکثیر (عربی مطبوعہ) کشف و حقائق اور تصوف کے رموز پر ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔ مجلس علمی ڈھابیل سے شائع ہو چکی ہے۔ شاہ محمد عاشق نے ''تقریر خیر کثیر'' کے نام سے اس کی شرح بھی لکھی ہے۔ جو کتب خانہ رامپور میں موجود ہے۔(۴۰)

(۵) البدور البازغہ (عربی مطبوعہ) مجلس علمی ڈھابیل سے شائع ہوئی ہے۔

(۶) التفہیمات الٰہیہ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس میں عربی اور فارسی دونوں میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس میں مصنف نے اپنی ذاتی کیفیات اور مشاہدات کو بیان کیا ہے۔ اس میں تصوف پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپؒ کے ذہن میں جو وقتاً فوقتاً اچھوتے خیالات آتے تھے اور مختلف حالات و کوائف پر جو نادر تاثرات وارد ہوتے وہ انہیں قلمبند فرماتے رہتے۔ ''تفہیمات'' ان کے ان نادر خیالات و تاثرات کا مجموعہ ہے۔

(۷) جوامع شرح حزب البحر (فارسی مطبوعہ) تصوف کے اعمال پر مشتمل حزب البحر کی شرح ہے۔

(۸) کشف العین عن شرح الرباعیتین (فارسی مطبوعہ)

(۹) شفاء القلوب (فارسی مطبوعہ)

(۱۰) سطعات (فارسی مطبوعہ) انسان کی روحانی تکمیل و ترقی کے لئے آپؒ نے جو طریق سلوک متعین فرمائے ہیں، ان رسائل میں اُن تمام جزئیات کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۱۱) ہمعات (فارسی مطبوعہ) صوفیائے کرام کے مختلف طریقوں کی تاریخ تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ ''ہمعات'' کا موضوع ہے۔ اس میں آپؒ نے تاریخ تصوف کے ارتقاء پر بحث فرمائی ہے۔ نفس انسانی تربیت و تزکیہ سے جن بلند منازل پر فائز ہوتا ہے، اس میں ان کا بیان ہے۔

(۱۲) لمعات (عربی مطبوعہ) آپؒ کے فلسفہ تصوف کی یہ بنیادی کتاب ہے۔ اس میں وجود،

وجود سے کائنات کے ظہور اور تجلیات پر بحث ہے۔ یہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی۔ اب شاہ ولی اللہؒ اکیڈمی حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔

(۱۳) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارث رسول اللہ (فارسی مطبوعہ) اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں صوفیاء کے مختلف سلسلوں کی تاریخ اور ان کی تعلیمات کا ذکر ہے۔ دوسرے حصے میں کتب حدیث وفقہ کی اسانید اور فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۳۱۱ھ میں سید ظہیر الدین نے اردو ترجمہ مطبع احمدی سے شائع کیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے اس کا ایک قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دیکھا تھا۔ (۴۱)

(۱۴) ''انفاس العارفین'' (فارسی مطبوعہ) اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ خود شاہ صاحب کے حالات زندگی کے واقعات بھی درج ہیں، اور یہ سات رسالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۵) ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' (فارسی مطبوعہ) اس کتاب میں آپؒ نے خلفائے راشدین کے حالات وواقعات اور ان کی خلافت کے اثبات میں دلائل و براہین سے نہایت محققانہ انداز سے بحث کی ہے۔ آپؒ خلافت راشدہ کو اصل دین قرار دیتے ہیں۔ اس میں نظریہ سیاست اسلامی کے ارتقاء وحقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس بلند پایہ کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو حدیث، تفسیر اور تاریخ پر کس قدر عبور حاصل ہے۔ بقول مولانا منظور صاحب نعمانی اسلامی لٹریچر میں اس پایہ کی کوئی کتاب موجود نہیں۔ (۴۲)

''مکتوبات شاہ ولی اللہؒ'' پر علمی تحقیقی اور تعارفی جائزہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شخصیت اور افکار کو سمجھنے کے لئے آپ کے مکتوبات ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مکتوبات دیکھنے سے آپ کے سیاسی کارناموں اور آپ کی فکری بلندیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خطوط بہترین علمی نکات اور تحقیقی مسائل پر مشتمل ہیں۔ یہ مکاتیب اب کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ مکتوبات فی مناقب امام بخاریؒ وفضیلت ابن تیمیہؒ۔ فارسی مطبوعہ۔ از مولوی عبدالروف ناظم کتب ناشر المکتبہ السلفیہ لاہور سے شائع ہوئے ہیں۔

۲۔ مکتوبات المعارف مع مکاتیب ثلاثہ۔ فارسی مطبوعہ

۳۔ مکتوبات مشمولہ کلمات طیبات۔ فارسی مطبوعہ

۴۔سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد نظامی۔فارسی مطبوعہ

۵۔مکتوبات مشمولہ حیات ولی۔عربی مطبوعہ

ان مکتوبات کے اردو تراجم ہو چکے ہیں۔ان شہرہ آفاق کتب کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو مختلف موضوعات پر آپ نے تصنیف فرمائی ہیں۔

دیوان اشعار (عربی غیر مطبوعہ)

آپؒ نے اپنے والد کے دیوان کو جمع کیا اور شاہ رفیع الدین نے مرتب کیا ہے۔(۴۳)

قصائد، اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم (عربی مطبوعہ)

قصائد کا یہ مجموعہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔

عام رسائل مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی تفصیل

(۱) رسالہ دانشمندی (فارسی مطبوعہ) "الرحیم" حیدرآباد سندھ، ستمبر ۱۹۶۴ء میں مولانا سرور نے شائع کیا۔

(۲) فتح الودود بمعرفۃ الجنود۔(عربی مطبوعہ)

(۳) الاعتصام: (عربی مطبوعہ)

(۴) المقدمۃ السنیۃ الانتصار الفرقۃ السنیۃ۔(غیر مطبوعہ) اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں ہے۔(۴۷)

(۵) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ (عربی مطبوعہ)(۴۸)

(۶) حاشیہ رسالہ دریس احمر (عربی غیر مطبوعہ)

۷) رسالہ فی تحقیق مسائل شیخ عبدالباقی الدہلوی (عربی غیر مطبوعہ) تصوف کے متعلق ہے۔(۵۰)

(۸) القالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ یہ رسالہ وصیت نامہ کے عنوان سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

(۹) عوارف (فارسی غیر مطبوعہ) مولانا رحیم بخش نے "عوارف" کو حضرت شاہ صاحب کی تصنیف لکھا ہے۔(۵۱)

(۱۰) نہایت الاصول (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۱) انوار المحمدیہ (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۲) فتح الاسلام (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۳) کشف الانوار (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۴) رسالہ در، رد روافض در گوہر مراد (فارسی کلام) اس رسالہ میں اصحاب ثلاثہ پر روافض کے سب وشتم اور فرسودہ من گھڑت الزامات کے مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔

اصول فقہ میں (۱۰ تا ۱۴) تک کی ان پانچ کتب کو حضرت شاہ صاحبؒ کی تصانیف کہا ہے۔(۵۲)

(۱۵) التنبیہ علیٰ مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ (عربی مطبوعہ)

(۱۶) الذکر المیمون (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۷) اعراب القرآن (عربی غیر مطبوعہ) ان دونوں تصانیف کو معراج محمد باق نے ''مقدمہ بلاغ المبین'' میں شاہ صاحب کی تصنیف ظاہر کیا ہے۔(۵۳)

(۱۸) آثار المحدثین (فارسی غیر مطبوعہ)

(۱۹) اجوبہ عن ثلاثہ مسائل (عربی غیر مطبوعہ)

(۲۰) رسالہ فی مسئلہ علم الواجب (عربی)

(۲۱) رسالۃ الدہلوی (فارسی)

ان کتب کو ڈاکٹر جمال الدین سیال نے شاہ صاحب کی تصنیف لکھا ہے۔(۵۴)

(۲۲) منصور فارسی (غیر مطبوعہ)

(۲۳) اسرار فقہ (فارسی غیر مطبوعہ) یہ رسالہ فقہ کے اسرار اور اصول فقہ کے بارے میں ہے۔ نسیم احمد فریدی نے اپنے مضمون ''حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی کے روابط حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے ساتھ حضرت سید ابوسعید حسنی کے نام سید محمد نعمانی حسنی کا ایک مکتوب ذکر کیا ہے۔

(۲۴) الانفاس المحمدیہ (مطبع الرحمٰن۔ مطبع مسیحی کانپور ۱۲۷۳ء) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس کی شرح لکھی تھی۔ ۱۳۹۸ھ میں شائع ہوئی۔ مولانا نوشہروی نے اسے شاہ صاحبؒ کی تصنیف لکھا ہے۔(۵۶)

رسائل مطبوعہ وغیر مطبوعہ کا تفصیلی جائزہ

۱) فکر اسلامی کے احیاء اور فاسد عقیدوں کی اصلاح آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے

لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے ان اثرات کو نکالنا شروع کیا جو عرصہ دراز سے جاہل حکمرانوں کے سبب اجتماعی زندگی میں پھیل چکے تھے۔ آپ نے ان فاسد عقیدوں کی اشاعت کو روکا۔ عوام کو قرآن وحدیث کی حقیقی اور سچی تعلیمات کی طرف راغب کیا۔ اتباع شریعت کی روح کو تازہ کیا۔ بہت قلیل مدت میں عوام میں صحیح اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کی۔ قرآن وحدیث کے علوم میں تحقیقی اجتہاد اور تدوین کا عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ دین کی روح کو اس کے اصولوں اور اسلامی احکامات وتعلیمات کی روشنی میں اپنی تصانیف کے ذریعے اجاگر کیا۔ مسلمانوں کو اسلامی مملکت کے لئے جس قدر ضابطوں اور اصولوں کی ضرورت تھی، کے بارے میں پورا اسلامی ضابطہ پیش کر دیا۔ اپنی تصانیف کے ذریعے ان تمام باطل اور جاہلانہ رسومات کی اصلاح کی، جنہوں نے ایک مدت سے عوام کو اپنے اوہام وخرافات میں گھیر رکھا تھا۔ آپ نے اسلام کا اعلیٰ اور صحیح تصور پیش کیا، اور اتباع شریعت کی دعوت دی۔ تعلیم وترغیب اور تحریروں کے ذریعے تحریک اسلامی کا آغاز کیا۔ آپ کا پُر تاثیر اسلوب، دل نشین طرز بیان، خیالات ونظریات کی عمدگی ایسی شاندار ہے جس سے مصنفؒ کی علمی وعملی وفکری فضیلت عیاں ہو جاتی ہے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ''حضرت شاہ ولی اللہؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر صاحب جوامع الکلم النبی الخاتم ﷺ کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور محاوروں میں کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور اس میں خدا نے ان کو ایک خاص مہارت عطا فرمائی۔'' (۵۷)

(۲) ملت اسلامیہ کو احکام دین کی حکمت اور اسرار ورموز سے روشناس کرانا آپؒ کی تصانیف کی ایک بڑی خوبی یہ ہے، کہ آپ نے مسلمانوں کو اسرار دین کا علم دیا۔ آپ نے ملت اسلامیہ کو احکام دین کی حکمت اور مصلحتوں سے لبریز ایک ایک عمل کے اسرار ورموز بیان کئے۔ اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بہترین دلائل وبراہین سے ثابت کر کے اس زمانے کے جدید ذہنوں کو مطمئن کیا۔ مخالفین اسلام کو بہترین استدلال کے ساتھ مدلل جوابات دیئے۔

(۳) روح دین اور مقاصد شریعت کی کامیاب ترجمانی آپؒ کی تصانیف کی نمایاں خصوصیت روح دین اور مقاصد شریعت کی واقفیت اور ان کی کامیاب ترجمانی ہے۔ وہ جزئیات کی بجائے اصول پر زور دیتے ہیں۔ پڑھنے والے کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہی دین کا مزاج اور شریعت محمدی کا تقاضا ہے۔

(۴) زندگی سے گہرا ربط نیز غیر اسلامی خرابیوں کا بغور جائزہ لے کر مختلف طبقوں کا احتساب آپ کی تصانیف کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ پڑھنے والا واضح طور پر محسوس کرتا ہے کہ مصنف کس قدر روشن دل و دماغ اور ارفع انسانی احساسات و جذبات رکھنے والا انسان ہے۔ اس مصلح نے بجا طور پر اس وقت کی سوسائٹی کے اخلاق و کردار کا ایسا نقشہ کھینچا ہے، جسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا زندگی سے کس قدر ربط تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے عقائد، اخلاق، تمدن، غرض زندگی کے ہر شعبے میں غیر اسلامی خرابیوں کا بغور جائزہ لے کر امت کے مختلف طبقوں کا احتساب کیا۔ آپ بتلاتے ہیں کہ ان آیات وحقائق سے زندگی میں کہاں انحراف ہو رہا ہے۔ اس کے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

(۵) عدل واعتدال بقول شیخ محمد اکرام ''شاہ صاحبؒ کی سب سے نمایاں خوبی عدل و اعتدال ہے۔ جو کوئی ان کے فلسفہ اور رجحانات پر تبصرہ کرتا ہے، اسے متوازن دل و دماغ ''معتدل مزاج'' ہمہ گیر فطرت، ''جامعیت'' ''توازن صادق'' ''اعتدال صحیح'' یا اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ حضرت امام الہند ہر امر میں طبعی توازن برقرار رکھنے کی ضرورت خوب سمجھتے تھے''۔ آپ نے اس صفت کو عدل یا عدالت کا نام دیا ہے۔ حجتہ اللہ البالغہ، ہمعات اور دوسری تصانیف میں اس پر بڑا زور دیا ہے۔ اجتماعی نظام برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے عدالت کو اصل معیار مانا ہے۔ اس کی بہت سی شاخیں گنوائی ہیں۔ (۵۸)

آپؒ نے اس کی توضیح یوں فرمائی ہے ''عدالت ہی ایک ایسی اساس ہے کہ جب انسانی اطوار زندگی مثلاً نشست و برخاست، خواب و بیداری، رفتار و گفتگو اور شکل ولباس وغیرہ میں اس کا لحاظ کیا جائے، تو اس کو آداب کہتے ہیں۔ جب مالی حیثیت یعنی جمع خرچ سے متعلق امور میں اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا نام کفایت ہے۔ اگر تدبیر منزل میں اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہ آزادی کہلاتی ہے۔ اگر تدبیر مملکت میں اس کو بنیاد بنایا جائے تو اس کو سیاست کہتے ہیں۔ اگر اس کو باہمی اخوت اور محبت اور تعلقات میں اساس بنایا جائے تو اس عدل کو حسن معاشرت کا نام دیا جاتا ہے۔''

(۶) تبحر علمی اور سند فضل وکمال آپؒ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس میں اس قدر جامعیت، بلاغت، فصاحت اور روانی ہوتی ہے کہ قارئین کے اذہان پر انمٹ نقوش ثبت ہو جاتے ہیں۔ آپ کی جاوداں تصنیفات کی اثر انگیزی تا زندگی قائم رہتی ہے۔ مواد کے لحاظ

سے آپ کی نگارشات قارئین کو مالا مال کردیتی ہیں۔ یہ کتب جو طالبان علم کے لئے بیش بہا خزانہ کا درجہ رکھتی ہیں یہ ایسا خزانہ ہے جو سینکڑوں کتب کے مطالعہ سے بھی نہ ملے۔ باالفاظ دیگر اُن کی ایک کتاب میں اچھا خاصا کتب خانہ سمٹ آتا ہے جو طلباء کو بہت ساری کتب سے بے نیاز کردیتا ہے۔ یہ کمال فن کی ارفع ترین منزل ہے۔ یہ منزل بغیر عشق کے نصیب نہیں ہوتی۔ امام الہند اس مسند فضل وکمال پر متمکن نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرمؒ لکھتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ ہم شاہ صاحب کو محض اپنی کم ہمتی اور تقلید پسندی سے امام نہیں کہتے ورنہ جہاں تک علمی تبحر اور دماغی قابلیت (مجتہدانہ نظر) سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے، آپ نے بیسیوں کتابیں لکھیں۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، تاریخ، علم الکلام غرضیکہ علوم اسلامی کی کوئی شاخ نہیں جسے آپ نے سیراب نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ایسا شامل تھا کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے کندن ہوجاتی''۔ (۶۰)

(۷) مخصوص طرز انشاء اور فیض نبوت کی جھلک بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''حضرت شاہ صاحبؒ پہلے ہندوستانی مصنف ہیں جن کی عربی تصانیف ادبی اغلاط سے پاک ہیں۔ ان میں اہل زبان کی سی روانی وقدرت اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے۔ اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں۔'' (۶۱)

علامہ مناظر احسن گیلانی آپ کے مخصوص اسلوب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی عربی تصانیف میں ایک خاص قسم کی انشاء کی پابندی کی ہے جو ان کا مخصوص اسلوب ہے۔ شاہ صاحب نے عربی انشاء ادب کا نیا قالب تیار کیا ہے۔ یہی نہیں کہ ہندوستانی مصنفین میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ جہاں تک میری محدود رسائی کا تعلق ہے، میں نہیں جانتا کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک کسی اسلامی علاقہ کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر صاحب جوامع الکلم النبی الخاتم ﷺ کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاوروں میں کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے۔'' (۶۲)

آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ آپ کی تصنیفی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعد مراقبہ ہرچہ بکشف می رسیدی نگادرشتند" (۶۳)

"مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی، اسے رقم فرماتے تھے۔"

حضرت شاہ صاحب کا تصنیفی ڈھنگ، طور وطریقہ جس میں جوامع الکلم اور نبی خاتم کی جھلک پائی جاتی ہے۔ درحقیقت ان مدنی فیوضات کا کرشمہ تھا جسے خود حضرت شاہ صاحبؒ فیوض الحرمین میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"سلکنی رسول اللہ ﷺ و ربانی بیدہ فانا اویسۃ و تلمیذہ بلا واسطۃ بینی وبینہ" (٦٤)

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا۔ اپنے دستِ مبارک سے میری تربیت فرمائی۔ اس لئے میں آپ کا اویس ہوں۔ اور حضور ﷺ کا بلاواسطہ شاگرد ہوں۔"

شاہ صاحب کا علمی وروحانی مقام مشاہیر کی نظر میں

اس خاندان کا ہر ایک فرد اپنے اسلاف اور اعمال کی طرح عالم دین، صاحب مرتبت اور حکیم وفقیہہ تھا۔ یہ حضرات علم وعمل میں یکتائے زمانہ کے ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ نسب کے بھی حامل تھے۔ اتحاف النبلاء میں نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

"ہریکے از ایشیان بے نظیر وقت و فریددھر ووحید عصر درعلم و عمل وفہم و قوت تقریروفصاحت تحریرو تقویٰ و دیانت و امانت و مراتب ولایت بود وہم چنیں اولاد اولاد ایں سلسلہ از طلائے ناب است" (٦٦)

حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق شیخ محمد اکرام اپنی مشہور تصنیف رودکوثر میں فرماتے ہیں۔

"حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی کارنامے ایک معجزہ ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک مختصر مدت حیات میں انہوں نے یہ سب کچھ کیسے پایہ تکمیل کو پہنچادیا۔" (٦٧)

مولانا رحیم بخش دہلوی آپ کے علمی مقام کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

"شاہ صاحبؒ نہ صرف ہندوستانی علماء کے صدرنشین ہیں بلکہ اسلامی دنیا کی ممتاز ترین ہستیوں مثلاً امام غزالی یا امام ابن تیمیہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کے مستحق ہیں۔ اور کئی باتوں میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔" (٦٨)

مولانا مودودیؒ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام اپنی کتاب "تجدید واحیائے دین" میں یوں

بیان فرماتے ہیں:

''انہوں نے اسلام کے پورے فکری اخلاقی شرعی اور تمدنی نظام کو مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے۔ جس میں وہ اپنے تمام پیشرؤوں سے بازی لے گئے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے آئمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں، اور اس طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محقق ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہؒ ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔''

دوسری جگہ مولانا مودودیؒ حضرت شاہ صاحب کے علمی مقام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انہوں نے کیا ہے وہ اس نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا۔ اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔'' (۶۹)

مولانا رحیم بخش دہلویؒ مرحوم نے اپنی کتاب حیات ولی میں سیر الاخیار کے مئولف کا حضرت شاہ صاحب مرحوم ومغفور کے بارے میں ایک تبصرہ نقل کیا ہے۔ مئولف سیر الاخیار لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے زمانہ کے تمام علماء پر کھلی اور واضح فضیلت رکھتے تھے۔ دنیا کے اس کونے سے لے کر اُس کونے تک ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو علمی کمالات اور اخلاقی فضائل میں آپ کا مقابل ہوتا۔ بفرض محال اگر کسی صفت میں کوئی شریک ہو بھی تو دعوٰی ہرگز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ باطنی تصرف میں بھی آپ سے افضل ہو۔ حقیقت میں آپ جامع معقول ومنقول اور ہادی فروع واصول تھے۔ حقائق ومعارف سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ تصوفانہ تحقیقات میں بھی آپ کو کمال دستگاہ حاصل تھی۔ مریدوں کی پُر نور اور عقیدتمندانہ بصارت سے لبریز آنکھیں آپ کے جمال کی تابانی ودرخشانی سے ہر وقت روشن اور منور رہتی تھیں۔ عقیدت کیش علماء اور سلیم الطبع فضلاء کا جمگھٹا ہمیشہ آپ کی درس گاہ میں رہتا تھا۔ آپ حدیث وتفسیر وفقہ کے علوم کے درس و تدریس میں ہمیشہ مستغرق رہتے تھے۔ اور اس میں نہایت عزت و وقعت کے ساتھ شہرت

و ناموری پیدا کر لی تھی۔ آپ نہ صرف علم و عمل کے لحاظ سے فرید عصر اور یگانہ روزگار تھے بلکہ مجتہدین فن اور ماہرین کمال کے زمرہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ ایک انتہا درجہ کے جید محدث تھے۔ معمولی تعلیم کے بعد آپ کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی نے صرف اپنے وقت کے علماء پر قناعت کرنا پسند نہیں کیا بلکہ ہمت و استقلال کے شائق بلند پرواز نے سفر کے لئے بال و پر کھولے اور صرف احادیث کی سند حاصل کرنے کے لئے عربستان تشریف لے گئے۔ حرمین محترمین کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور ایک معتدبہ زمانہ تک وہاں قیام کیا۔ حضرت شیخ ابوطاہر مدنی وغیرہ مشائخ حرمین محترمین سے سند حدیث حاصل کی اور خرقۂ صوفیاء زیب تن فرمایا۔ نئے نئے خیالات کے لوگوں سے مباحثے کیے اور مختلف عقائد کے اصول و فروع کے اصلی پہلوؤں کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا۔ عالم عرب اس وقت مختلف عقائد و مذاہب کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس تمام صورت حال کو سمجھنے کے بعد آپ نے وطن مالوف ہندوستان کو مراجعت کا قصد کیا۔ عربستان میں آپ کا قیام قریباً اڑھائی سال پر محیط ہے۔ یہاں آ کر پرانی دہلی میں اپنے قدیم مکان میں سکونت اختیار کی۔ علمی اشغال میں مصروف ہوئے۔ شہر کے باشندے خاص کر اطراف و جوانب کے نامی گرامی فضلاء خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سند حدیث حاصل کرتے اور آپ کے پُر اثر وعظ و عبرت انگیز نصائح کی دولت سے اپنے دامن بھر کر لے جاتے۔ (۷۰)

مفتی عنایت اللہ کاکوروی آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''شاہ صاحبؒ ایک ایسا شجر طوبیٰ ہیں جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں، اور اس کی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا کوئی ٹھکانہ ایسا نہیں جہاں اس درخت کی شاخیں سایہ فگن نہ ہوں۔ اس کے باوجود اکثر لوگ بے خبر ہیں کہ اس درخت کی جڑیں کہاں ہیں۔'' (۷۱)

مولانا شبلی نعمانیؒ حضرت شاہ صاحبؒ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود ان ہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ آخر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس باز پسین تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔'' (۷۲)

نواب صدیق الحسن آپ کی عظمت ومقام کا اعتراف کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر وجود او در صدر اول و در زمانہ ماضی می بود۔ امام الائمہ وتاج المجتہدین شمار می شود۔" (۷۳)

"اگر آپ پہلے زمانے میں پیدا ہوتے تو آپ کا شمار اماموں کے امام اور مجتہدوں کے سرداروں میں کیا جاتا"

فیوض سفر الحرمین

سفر حرمین سے قبل اور مابعد آپ کے علمی افکار کا جائزہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی زندگی میں سفر حرمین ایک اہم ترین موڑ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے آپ کے افکار ونظریات میں حیرت انگیز تغیر رونما ہوا۔ سفر حرمین سے قبل آپؒ کا اصل کام درس وتدریس تھا۔ آغاز حیات سے ۲۱ سال تک آپ تحصیل علم اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے دو سال بعد والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ ۱۷ سال کی عمر میں آپ کو مسند تدریس سنبھالنی پڑی اور تقریباً بارہ سال تک آپ نے اپنے والد ماجد کے مدرسہ میں علوم دینی وعقلی کی تعلیم دی۔ جس کو آپ اپنی خودنوشت حالات زندگی ''الجزء اللطیف'' میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"بعد از وفات حضرت ایشان دوازده سال کم و بیش بدرس کتب دینیه و عقلیه مواظبت نمود در ہر علمے خوض واقع شد۔" (۱)

''والد محترم کے انتقال کے بعد کم وبیش بارہ سال تک دینی وعقلی علوم کی کتابوں کا درس دیتا رہا اور ہر علم میں غور وفکر کا مذاق پیدا ہوا۔''

آپؒ ایک طویل عرصہ تک تعلیم وتلقین اور وعظ ونصیحت سے امت مسلمہ کی اصلاح کرتے رہے، اور انہیں تحریک اسلامی کے لئے تیار کیا۔ لیکن اس عرصہ میں باقاعدہ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا دینی انحطاط اور سیاسی زوال، قتل وغارت، جبر وظلم اور کفر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ اگر یہی حالات رہے تو دین کا بس خدا ہی حافظ ہے۔ آپ نے درس وتدریس کے اس کام کو ناکافی سمجھا اور حالات کی نزاکت کو بنظرِ غائر محسوس کیا کہ مسلمان صرف سیاسی زوال کا ہی شکار نہیں ہیں، بلکہ دینی واخلاقی اور روحانی انحطاط بھی ان میں رونما ہو چکا ہے۔ اور ہر لحاظ سے زوال کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں۔ جس کو دیکھتے ہوئے

آپ نے اچانک سفر حج کی تیاری کر لی۔ جس کو مولانا مناظر احسن گیلانی یوں بیان فرماتے ہیں
''۱۱۴۳ھ میں جب آپ کی عمر تقریباً ۳۰ برس تھی تو اچانک آپ سفر حجاز کیلئے روانہ
ہو گئے۔ اُس زمانے میں سفری حالات نہایت خطرناک تھے۔ بحیرۂ عرب اور بحر ہند و بحیرۂ احمر
کے تمام سواحل پرتگیزی، ولندیزی اور فرانسیسی و انگریزی قزاقوں کی جولاں گاہ بنے ہوئے
تھے۔ حاجیوں کے جہاز لوٹ لئے جاتے تھے۔ سمندروں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔
شمالی ہند سے جنوبی ہند کے علاقوں کو طے کر کے سورت کی بندرگاہ تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ خشکی
میں ہر جگہ خصوصاً صوبہ جات متوسط اور مالوہ گجرات جو بندرگاہ کے راستہ پر واقع تھے، مرہٹوں کی
شورشوں کی خصوصی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ تاہم شاہ صاحب راستے کی ان تمام دشواریوں کے
باوجود عزم حجاز کو پورا کر کے رہے۔ راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی
میں پیچھے رہ جاتا تو شاہ صاحب ''یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع'' کا وظیفہ شروع
کر دیتے تھے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ گویا آدمی کا بچ کر خطرہ سے نکل آنا ایک عجوبہ تھا۔ بہر حال
آپ کے نزدیک علاوہ حج و زیارات اور دوسرے مقاصد کے ایک مقصد اولیٰ مسلمانانِ ہند کی
زوال پذیری تھی جس کا مداوا ڈھونڈنے کے لئے آپ کو شہنشاہ دو عالم کے پاس جانا تھا۔ فریاد
کناں ہونا تھا۔ طاغوتی چیرہ دستیوں کے خلاف استغاثہ پیش کرنا تھا۔ مدد کیلئے دامن پھیلانا تھا۔
اشک فشانی کرنی تھی۔'' (۲)

اے خاصہ خاصان رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تری آج عجب وقت پڑا ہے

حرمین شریفین کے قیام کے دوران آپ نے دو مرتبہ حج کیا اور حدیث شریف کی سند شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنیؒ سے لی۔ جیسا کہ آپ اپنی خود نوشت سوانح ''انفاس العارفین'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''بعد ازاں دو از دہ سال شوق زیارت حرمین محترمین درسر افتاد و
درسنہ ثلث و اربعین بہ حج مشرف شد۔ و سال اربع و اربعین
بمجاورت مکہ معظمہ وزیارت مدینہ منورہ وروایت حدیث از شیخ
ابوطاہر قدس سرہ وغیرہ مشائخ حرمین محترمین موفق گشت درآن
میان بہ روضہ منورہ حضرت سیدالبشر علیہ افضل الصلواتہ واتم

التحيات متوجه شد و فیضها یافت و با متوطنان حرمین از علماء و غیر ایشان صحبتهائے رنگین اتفاق افتاد و خرقه جامع شیخ ابوطاہر که حاوی جمیع خرقه صوفیاء تواں گفت پوشیدو۔ و آخر ایں سال حج گذارده و اوائل اسال خمس واربعین متوجه وطن مالوف شد بروز جمعه چہار دہم رجب در کنف صحت و سلامت بوطن رسید۔"(۴)

''بارہ سال کی عمر کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حج کا شرف حاصل ہوا۔۱۱۴۴ھ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت ہوئی۔شیخ ابوطاہر قدس سرہ سے حرمین شریفین میں روایت حدیث کی توفیق ملی۔اس اثنا میں حضرت سید البشر علیہ افضل الصلواۃ واتم التحیات کے روضہ منورہ پر توجہ مرکوز کی اور فیوض حاصل کئے۔علماء حرمین سے دلچسپ صحبتوں کا اتفاق ہوا،اور شیخ ابوطاہر سے خرقہ جامعہ حاصل کیا۔جو تمام صوفیاء کے خرقوں کا جامع کہا جاسکتا ہے۔

اس سال کے آخر میں حج گذار کر ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں وطن روانہ ہوا۔اور اس سال بروز جمعہ چودہ رجب صحیح وسالم وطن پہنچ گیا۔''

استاد اور شاگرد کے درمیان محبت والفت کا علمی رشتہ

استاد محترم شیخ ابوطاہر،آپؒ کے بڑے مداح تھے۔ان کے علم وذہانت وذکاوت کی بہت تعریف فرماتے تھے۔وہ کہا کرتے تھے کہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معانی کی۔آپ کو بھی اپنے مشفق ومہربان استاد سے بڑی محبت تھی۔جب آپ نے حرمین شریف سے واپسی کا ارادہ فرمایا اور اپنے استاد محترم شیخ ابوطاہر سے اجازت طلب فرمائی تو رخصت کے وقت استاد اور شاگرد کی جو کیفیت تھی اس کو آپؒ نے اپنے ایک خط میں یوں بیان فرمایا:۔

''میں اس وقت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا جب میرے کوچ کا زمانہ قریب ہوا اور جدائی کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی،اور الوداعی ملاقات کے دوران میں نے مزاج پرسی کے بعد یہ شعر پڑھا:

"نسیت کل طریق کنت اعرفه الاطریقاً یو دینی الیٰ ربعکم"(۵)

''میں بجز اس ایک راستہ کے جو مجھے تمہاری زمین تک پہنچادے ان تمام راستوں کو بھول گیا جن سے میں اس سے پیشتر واقف تھا۔''

شیخ کی پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہنے لگیں اور دونوں رخسار سرخ ہوگئے۔یہاں

تک کہ وفور گریہ سے آپ کا گلا رندھ گیا۔ ازاں بعد آپ نے نہایت خلوص کے ساتھ اس عاجز کے حق میں دعا کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا اپنے استاد محترم سے محبت والفت کا اندازہ ایک دوسرے خط سے بھی با آسانی لگایا جاسکتا ہے، جو حیات ولی میں مکمل شائع ہو چکا ہے۔ جس کا ایک مختصر سا حصہ ہدیہ ناظرین ہے۔ آپ اپنے محترم استاد شیخ ابو طاہرؒ کو لکھتے ہیں:

اخذتمونی منی فی ملاطفته
فلست اعرفی غیرها قد عرفتکم

جب سے تم نے مجھے سایہ عاطفت میں لیا ہے، اور میں نے تمہیں پہچانا ہے اس وقت سے میں نے بجز عنایت و مہربانی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ یہ عریضہ اس شخص کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جس کے وصف کمال سے زبانیں اور تعبیریں قاصر اور نعت و جمال سے اسلوب وتحیرات کا دائرہ تنگ ہے۔ اس کی مدح میں نہایت مبالغہ سے تعریف کرنے والا محض عاجز اور گونگا ہے۔ افراط کے ساتھ مدحت سرائی میں مشغول ہونے والا تھک جانے والا ہے۔(٦)

آپ اپنے حج کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطن اور معرفت حقائق کا ذریعہ بنایا۔ اسے حجاب اور بے علمی کا حج نہیں رہنے دیا۔''

"من اعظم نعم الله تعالیٰ علی ان وفقنی لحج بیته و زیارة نبیه علیه افضل الصلواة والسلام سنة ثلث و اربعین والتی تلیها من القرن الثانی عشر و اعظم من هذا النعمته بکثیر ان جعل الحج حج الشهود و المعرفة لاحج الحجب والنکرة و زیارة مبصرة لا زیارة عمیاء فتلك نعمة اعظم عندی من جمیع النعم۔" (٧)

''اللہ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے حج بیت اللہ اور زیارت رسول کریمؐ کی ۱۱۴۳ھ میں توفیق عطا فرمائی۔ یعنی ایک ہزار ایک سو تینتالیس میں توفیق عطا فرمائی۔ اس سے اعلیٰ نعمت یہ حاصل ہوئی کہ میرا حج مشاہدہ اور معرفت الٰہی کے ساتھ ہوا۔ کوئی حجاب اور کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ اسی طرح زیارت مبصرہ ہوئی، اندھیروں والی زیارت نہ ہوئی، سو یہ زیارت شریف میرے نزدیک تمام نعمتوں سے فائق ہے۔''

فیوض الحرمین میں دوسری جگہ اپنے تاثرات حج کو یوں بیان فرماتے ہیں، کہ اس قیام حرمین میں آپ کو مجددیت اور قطبیت کے مقام پر سرفراز فرمایا گیا اور آپ کو شرعی احکامات کے

اخذ کرنے کا علم عطا کیا گیا۔ جس کو آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"من علی الھمنا ان اخبرنی بانہ شیء قل ما منح بہ لاولیاء و اعطانی برد العیش و جعلنی لی من کل سعادۃ نصیباً معتدبہ و کسانی خلعۃ خلافۃ الباطنۃ۔" (۸)

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان چیزوں کا احسان کیا اور مجھے بتا دیا کہ وہ ایک ایسی شے ہے جو اولیاء کو کم ملتی ہے، مجھے بہترین زندگانی عطا کی۔ ہر ایک سعادت سے مجھے حصہ ملا' مجھے خلافت باطنیہ کا خلعت پہنایا۔"

آپؒ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ کو دہلی سے روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۴۵ھ کو واپس دہلی پہنچے۔ کم و بیش ۱۴ ماہ تک حجاز میں قیام کیا۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ "ملفوظات" میں فرماتے ہیں:

"والد ماجد چہاردہ ماہ در حرمین بودہ۔"

"اور بقیہ وقت آمد و رفت میں صرف ہوا، یوں یہ سفر آپ کا ۲۸ مہینوں پر محیط رہا۔"

حجاز مقدس میں علماء سے استفادہ

حجاز شریف میں آپ نے حنفی اساتذہ کے علاوہ مالکی، شافعی اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ جس میں قابل ذکر اساتذہ شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ تھے۔ شیخ وفداللہ ابن شیخ محمد بن سلیمان المغربی سے حدیث کی سند حاصل کی، جو مالکی مکتب فکر رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور محدث تھے۔ ساتھ ہی انہیں فقہ، ادب اور تفسیر میں بھی بصیرت حاصل تھی۔ بعدازاں آپ نے شیخ ابوطاہر جو شیخ ابراہیم کردی کے صاحبزادے تھے اور شافعی مسلک رکھتے تھے۔ شیخ کردی ابن تیمیہؒ کے قدردان بلکہ زبردست حامی تھے۔ (۱۰)

انہیں کی فیض صحبت نے آپ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی کتابوں کی طرف متوجہ کیا جس کی وجہ سے آپ کو امام ابن تیمیہؒ سے بڑی عقیدت و محبت پیدا ہوئی۔ آپؒ کو ابن تیمیہؒ سے عقیدت کا اندازہ اس مکتوب سے با آسانی کیا جا سکتا ہے، جو فضیلت ابن تیمیہؒ پر مشتمل ہے۔ مکتوب در مناقب و دفاع از تقی الدین ابن تیمیہؒ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"وعلی ھذا الاصل اعتقدنا فی شیخ الاسلام تیمیہؒ فانا قد تحقیقنا من حالہ انہ عالم بکتاب اللہ و معانیہ اللغویۃ والشرعیہ و حافظ لسنتہ رسول اللہ ﷺ و اثار السلف عارف لمعانیھا اللغویۃ والشرعیہ استاذ فی النحو واللغتہ محرر لمذھب الحنابلۃ

فروعه و اصوله، فائق فی الذکاء ذولسان و بلاغته فی الذب عن عقیدة اهل السنة یئوثر عنه فسق ولا بدعة اللهم الاهذه الامور التی ضیق علیه لاجلها ولیس شئی منها الاو معه دلیله من الکتاب والسنة و آثار السلف فمثل هذا الشیخ عزیز الوجود فی العالم و من یطق ان یلحق شاوره فی تحریره و تقریره والذین ضیقوا علیه ما بلغو معشار ما اتاه الله تعالیٰ و ان کان تضیقه ذلک ناشیاًمن اجتهاد و مشاجرة العلماء فی مثل ذلک ماهی الا کمشاجرة الصحابة فیها بینهم والواجب فی ذلک کفی اللسان الابخیر" (۱۱)

''اس اصل پر ہم نے ابن تیمیہؒ کے بارے میں اعتقاد کیا۔ ہم نے ان کے حال کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وسنت کے عالم اس کے معانی سے واقف اور سنتِ رسولؐ کے حافظ ہیں۔ نحو اور لغت کے امام ہیں، حنابلہ کے اصول وفروع کے مبلغ ہیں۔ اہل سنت کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ ان سے کسی قسم کا فسق یا بدعت ہم نے سرزد ہوتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ امور جن کے متعلق اعتراض کیا گیا ہے، تو ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق ان کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو۔ ایسا عالم زمانہ میں مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ کون ہے جو ان کی تحریر وتقریر کا مقابلہ کر سکے۔ جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے، ان کو ان کے علم کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا ہے۔ ہاں ان کے بارے میں علماء کا مشاجرہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ضروری ہے، کہ ان کے متعلق خیر کے سوا اپنی زبان بند رکھی جائے۔''

شاہ صاحبؒ کی تصانیف میں جابجا ابن تیمیہؒ کے خیالات ملتے ہیں۔ حجۃ اللہ اور الفوز الکبیر میں ابن تیمیہؒ کے بعینہ عبارتیں موجود ہیں، جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ امام ابن تیمیہؒ سے کس قدر متاثر تھے۔ عدم تقلید کا جو رجحان ان میں پہلے سے موجود تھا، اسے ابن تیمیہؒ کے افکار سے کس قدر تقویت ملی ہے۔ مثال کے طور پر حجۃ اللہ البالغہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"وقد کان فی الصحابة و من بعد هم من یقرء بسم الله من لا یقروء ها و منهم من یجهر بها و منهم من لا یجهر بها و کان منهم من یقنت فی فجر و منهم من یتوضأ من الحجامة والرعاف والقی ومنهم من لا یتوضامن ذالك و منهم من یتوضامن مس الذکر و مس النساء بشهوة و منهم من لا یتوضئا من ذالك و منهم من یتوضاء

مما مسته النار و منهم من لایتوضاء من ذالك من یتوضاء من اکل لحم الابل و منهم من لا یتوضاء من ذالك ومع هذا مکان بعضهم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفةؒ و اصحابه والشافعیؒ و غیر هم یصلون خلف ائمة اهل المدینة من المالکیة و ان کانوا لایقروء ن البسملة لا سراً ولا جهراً وصلی الرشید اماماً وقد احتجم فصلی الامام ابو یوسفؒ خلیفه ولم یعد وکان افتاه الامام مالك بانه لا وضوء علیه و کان الامام احمد بن حنبلؒ یری الوضوء من الرعاف والحجا مة فقیل له فان کان الامام قد خرج منه الدم ولم یتوضاء هل خلفه فقال کیف لا أصلی خلفه الامام مالك و سعید بن المسیب۔" (۱۲)

''صحابہ اوران کے بعد ایسے لوگ تھے کہ بعض بسم اللہ پڑھتے تھے بعض نہیں، بعض قے اور رعاف (نکسیر) سے وضوکرتے تھے، بعض نہیں، بعض مس ذکر (آلہ تناسل کومس کرنے) اور عورتوں کوشہوت کے ساتھ چھونے سے وضوکرتے تھے بعض نہیں، بعض مس النار اور اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوکرتے تھے، بعض نہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ اظصو ران کے اصحاب اور امام شافعیؒ وغیرہ۔ آئمہ مدینہ مالکیہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اگر چہ وہ لوگ سرأ یا جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ رشید نے نماز پڑھائی، درآں حالیکہ اس نے پچھنے لگائے تھے۔ امام ابویوسفؒ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی۔ لوٹائی نہیں۔ امام مالکؒ نے فتوی دیا کہ ان پر وضو نہیں ہے اور امام احمدؒ پچھنے اور رعاف کے باوجود وضوکا کہتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر امام کے خون نکلے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ فرمایا میں امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے نماز کیسے نہ پڑھوں گا۔''

بعینہ یہی عبارت امام ابن تیمیہؒ کے فتاوی جلد دوئم صفحہ ۳۸۰ میں پائی جاتی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ امام ابن تیمیہؒ سے کس قدر متاثر تھے۔ ساتھ ہی آپؒ کی وسعت نظری اور اکابر علماء اسلام کے خیالات اور ان کی زندگیوں کا غیر متعصبانہ مطالعہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔ بقول ''ڈاکٹر مظہر بقا'' شاہ صاحبؒ کے ذہن پر حنفیت کی گرفت، مالکی اور شافعی اساتذہ کی صحبت اور ابن تیمیہؒ کے اثرات سے مزید کمزور ہوگئی اور وہ مذاہب اربعہ کو ایک سطح پر سمجھنے لگے۔ خصوصاً اس لئے کہ آپؒ کے بیان کے مطابق چاروں مذاہب رسول اللہ ﷺ کی نظر میں یکساں طور پر پسندیدہ ہیں۔''

فقہی مسالک میں مقام ومرتبہ

آپؒ کا حنفی ہونے کے باوجود بعض مسائل میں حنفی مسلک کی جگہ صحیح حدیث یا حدیث کے مطابق کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا جو رجحان انہیں ورثہ ملا تھا۔ فقہی مسالک میں حنفی مسلک مخصوص مقام رکھتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے۔ حنفیت کے باوجود جن مسائل میں وہ صحیح احادیث یا کسی حنفی امام کے غیر معروف قول کے مقابلے میں دوسرے مذاہب کو ترجیح دیتے تھے۔ مثلاً قرآت فاتحہ خلف الامام (امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے پڑھنے) اور نماز جنازہ میں قرآت فاتحہ کے قائل تھے۔ (۱۴)

لیکن اس تمام وسعت نظری کے باوجود آپؒ مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔ ان کی حنفیت پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا۔ جیسا کہ صاحبینؒ باوجود امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور حنفی ہونے کے اپنے استاد کے ساتھ بہت سے مسائل میں اختلاف رائے رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے حنفی ہونے پر آج تک کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ کے امام صاحب کے ساتھ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کے حنفی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

آپؒ کے نزدیک فقہ حنفی میں صرف شخصی رائے نہیں ہے بلکہ یہاں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی ہیں۔ یہ دونوں اصحاب امام صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان تینوں میں سے جس امام کا قول ارشادِ نبوت کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے، اور اگر کسی مقام پر یہ تینوں خاموش ہوں تو احناف میں سے کسی کے قول کو اپنا لیا جائے، اسی کا نام حنفیت ہے۔

ہندوستان کی طرف واپسی

الغرض سفر حجاز کے بعد آپؒ ایک نیا ولولہ، استدراک، نیا جوش اور نئی امنگیں لے کر عازم ہندوستان ہوئے اور برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور اخلاقی ابتری و پستی کو دیکھ کر حضرت شاہ صاحبؒ نے امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے اپنی زندگی کو قربان اور وقف کر دیا۔ جس کا حکم آپ کو دربار نبوی سے ملا تھا۔ جیسا کہ آپ اپنے بعض متوسلین کو جو ہندوستان کی اس خطرناک صورت حال کو دیکھ کر یہ چاہتے تھے کہ آپ حجاز سے واپس نہ ہوں اور وہیں رہ جائیں۔ خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"واما عزم ترك الرجوع الى الوطن فلاتبتذ وابه حتى يشرح الله صدركم او صدر رجل لاجلكم۔" (۱۶)

یہ ارادہ کہ وطن کی طرف اب واپس نہیں ہونا چاہیے تو اس پر اصرار نہ کرو جب تک خود تمہارا سینہ نہ کھل جائے یا کسی اور شخص (یعنی خود کو) تمہارے لئے شرح صدر نہ ہو جائے۔

دوسری جگہ واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ

"یجمع شملا من شمل الامة المرحومة بك۔" (۱۷)

"امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ سے کی جائے گی۔"

اس میں صاف طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ یعنی ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ آپؒ کے ذریعے کرائی جائے گی۔ جیسا کہ بعد کے حالات نے اس خواب کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔

سفر حرمین کے بعد آپ کی شخصیت بالکل بدل گئی۔ اس تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جامع ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں:

"حالت نسبت و علم تقریر دگر گوں شد۔" (۱۸)

"والد کی نسبت باطنی اور علم و تقریر حتیٰ کہ ساری باتوں کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔"

دوسری جگہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب اپنے ملفوظات میں اپنے والد ماجد کی کیفیت یوں بیان فرماتے ہیں:

"چنانچہ مستفیضیان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔" (۱۹)

"چنانچہ جن لوگوں نے شاہ صاحب سے پہلے فیض پایا تھا وہ پہلی نسبت آپ میں بالکل محسوس نہیں کرتے تھے"۔

والد صاحب کی کیفیت اور جذب و رنگ اس قدر بدل گیا کہ ان کے جو پرانے شاگرد اور مرید تھے آپ کی حالت کو دیکھ کر محسوس کرتے تھے کہ وہ بالکل بدل گئے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اپنی تصنیف "تذکرہ شاہ ولی اللہ" میں آپ کی اس کیفیت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"بے شک شاہ صاحبؒ بچپن ہی سے غیر معمولی طبیعت و فطرت کے بھی مالک تھے۔ لیکن آپ کے ان حکیمانہ و مجتہدانہ کارناموں میں صرف آپ کی طبیعت ہی کو دخل نہیں ہے، اور نہ آپ کے والد ماجد و دیگر اساتذہ کی تعلیم و تربیت ہی کو اس کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ کسی کی نگاہ انتخاب نے اب شاہ صاحب ولی اللہ کو وہ ولی اللہ باقی نہیں رکھا تھا۔ اب شاہ صاحبؒ کی زبان پر کوئی اور بول رہا تھا اور ان کی انگلیوں میں کسی اور کا قلم چل رہا تھا۔" (۲۰)

اصلاحی کارنامے

سفر حرمین شریفین کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی کیفیت پہلے سے بالکل مختلف ہوگئی تھی۔ آپ کے اطوار و انداز بالکل بدل چکے تھے۔ درس و تدریس کا پرانا طریقہ چھوڑ چکے تھے۔ سفر حرمین سے قبل بارہ سالہ تعلیم و تدریس سے جو اساتذہ اور معلم تیار کئے تھے، مدرسہ ان کے سپرد کر دیا۔ خود کو اصلاح مسلمین کی تلقین و تبلیغ اور تحریر و تقریر کے لئے وقف کر دیا۔ آپ تصنیف و تالیف میں اس قدر منہمک ہوئے کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ''اشراق کے بعد بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے اور نہ کھجلاتے، نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے۔'' (۲۱)

آپ کے پاس دور دراز سے طلباء پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ آپ ان کو خود پڑھانے کی بجائے اپنے شاگردوں کے سپرد فرماتے اور خود معارف کے بیان اور لکھنے کے کام میں مصروف رہتے۔ آپ صرف حدیث پڑھاتے جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

"حضرت والد ماجد ازهر یکفن شخصے تیار کرده بودند طالب هرفن باولے می سپردند خود مشغول معارف گوئی نویسی بودند و حدیث می خوانیدند۔" (۲۲)

''حضرت والد بزرگوار نے ہر فن کے لئے ایک شخص تیار کر لیا تھا۔ طالب علم کو اسی فن کے استاد کے سپرد کر دیتے۔ خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے اور صرف حدیث پڑھاتے۔''

معاشرہ کی تعمیر و اصلاح میں بھرپور کردار

معاشرہ کی تعمیر و اصلاح کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ آپ نے انبیاء علیھم والسلام کے طریقہ پر اصلاح معاشرت کے کام کا آغاز کیا۔ آپ نے فرد اور معاشرہ کی خرابیوں پر تنقید کی اور ساتھ ہی اصلاحی اور تعمیری پروگرام بھی لوگوں کے سامنے رکھا۔

بقول مولانا مودودیؒ

''شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کارناموں کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کرتے ہیں۔ ایک عنوان تنقید و تنقیح کا دوسرا عنوان تعمیر کا۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضور اکرم کی خلافت کو دو قسموں میں تقسیم کیا۔''

خلافت ظاہرہ اور خلافت باطنہ آپ تفہیمات الٰہیہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

خلافت ظاہرہ اور باطنہ دونوں کا نام ہے۔ خلافت باطنہ کتاب وحکمت کی تعلیم سے اور باطن کے نور سے یعنی روحانی طور تزکیہ کرنا، ان نصیحت آموز وعظوں کے ساتھ اور نیک لوگوں کی صحبت کے اثر کے ذریعے تنقیح: خلافت ظاہری اور باطنی ہوتی ہے۔

خلافت ظاہرہ جہاد کے قیام، عدالتوں حدود کے نفاذ، صدقات وخیرات کی وصولی اور مستحقین پر ان کی تقسیم اور اس نظام کو قائم کرنے کے لیے عادل اور نیک مسلمان بادشاہوں کو اس بوجھ کے اٹھانے کے لیے مقرر کرنا۔ خلافت باطنہ کتاب وحکمت کی تعلیم اور روحانی طور پر وعظ و نصیحت سے تزکیہ کرنا اور نیک لوگوں کی صحبت کے ذریعے بوجھ اٹھانے کے لیے تیار کرنا۔

خلافت ظاہرہ میں آپؒ حدود کی اقامت، سامان جہاد کی فراہمی، سرحدوں کی حفاظت، وفود کی اجازت، صدقات وخیرات کی وصولی اور مستحقین پر ان کی تقسیم، مقدمات کے فیصلے، یتیموں کی خبر گیری اور اوقاف، راستوں اور مسجدوں کی نگہداشت وغیرہ کا ذکر فرماتے تھے۔

خلافت ظاہرہ سے متعلق فرماتے ہیں:

''شرائع۔ قرآن وسنت وآثار کی تعلیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خواہ وہ مناظرہ اور مباحثہ کے ذریعے سے ہو، جیسے کہ متکلمین اسلام کا حال ہے، یا پند و وعظ کے ذریعے جیسے کہ خطباء یا مقررین کرتے ہیں، یا وہ لوگ جو اپنی صحبت وتوجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مشائخ صوفیاء کا حال ہے۔ اسی طرح جو نمازیں قائم کرواتے ہیں، حج کرواتے ہیں اور جو احسان کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں اور زہد وتقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم خلفاء باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔'' (۲۴)

مسلمانوں کی پستی کی اصل وجوہات

آپؒ کے نزدیک مسلمانوں کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور معاشرتی پستی کی بنیادی وجوہ ان دو اسلامی راہوں سے گریزپا ہوکر جہالت کے راستوں پر نکل جانا ہے۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں پر خلافت ظاہرہ اور باطنہ کے سلسلہ میں بنیادی خرابیوں کی وضاحت کی۔ خلافت سے متعلق صحیح اور اسلامی طریقہ کی طرف راہنمائی فرمائی۔ خلافت ظاہرہ کے سلسلہ میں ان کے سیاسی مکتوبات، مختلف طبقات سے ان کے خطبات اور آپ کی تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' جس میں انہوں نے اسلامی نظام حکومت کو بڑی تفصیل سے سمجھایا ہے، اہمیت کے حامل ہیں۔ خلافت باطنیہ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے سمجھایا کہ مسلمانوں کا اخلاقی انحطاط مذہب سے دوری اور

ناواقفیت کی بناء پر ہے۔آپ نے اپنے گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیا اور پھر ایک ایک خرابی کی کھول کھول کر نشاندہی کی۔تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

۱۔ اماھذا فانه وجدفی زمان شاع فیهم ثلاثه اشیاء البرهان و ذلك لاختلاط علوم الیونانین۔ واشتغال القوم بالکلام حتی لایکاد یوجد کلام فی العقائد الاممزوجا بمناظرات برهانیة۔

۲۔والوجدان و ذالك لاجتماع الناس و عزباعلی قبول الصوفیة وانقیادهم لهم،حتی اقوالهم و احوالهم اعلق بقلوبهم من الکتاب والسنة، و کل شی و حتی دخل رموزهم و اشاراتهم فی الناس فمن انکر رموزهم و اشاراتهم، او کان منهم علی جانب فانه لا یقبل، ولایعدمن الصالحین و ما من واعظ علی روس المنابر الاو کلامهم ممزوج بالاشارات الصوفیه و مامن عالم یعلم الناس الاوهو یعتقد کلام، ویتامل فیه اوهو من اصحاب الطبعیة، کلبهائم و مامن ندوٰی من اندیة الامراء و غیرهم الاوعرضة السنتهم، و بذلة ایدیهم و فکاهة محافلهم اشعار الصوفیة و نکاتهم۔

۳۔ والسمع و ذلك لدخولهم فی الملة الاسلامیة و نشاء فی زمان اتبع فیه کل ذی رای رایة ولن ترفیه احد یقنی علی المتشابهات وما اثکل علیه من العلم، ولن تراحد الاویخوض فی فهم معانی الاحکام واسرارها۔ ویمیل فی ذلك الی المعقول و صارلکل رجل۔ مذهب حسب مافهمه، وتجادلوا و تناظروا وتباحثوا، ولم یملکن الاتفاق والاصطلاح اصلاً واختلفو فی انواع الفقة، منهم الحنفی و منهم الشافعی و کل یتعصب لا صحابه، وینکر علی الآخرین و کثرت التخریجات فی کل مذهب وخفی الحق۔ (۲۵)

یہ وصی ایسے زمانے میں پیدا ہوا ہے جب لوگوں میں تین چیزیں خلط ملط ہوگئی ہیں:

ا۔ دلیل بازی اور یونانی علوم کے اختلاط کی وجہ سے لوگ کلامی مباحث میں مشغول ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ عقائد میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

۲۔ وجدان پرستوں اور بے عمل صوفیوں کی مقبولیت کی وجہ سے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان حضرات کے اقوال واحوال لوگوں کے دلوں پر کتاب و

سنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز وارشادات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز وارشادات کا انکار کرے یا ان سے ٹکرائے وہ نہ تو مقبول عوام وخواص ہوتا ہے اور نہ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ ممبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں جس کی تقریر اشارات صوفیاء سے پاک ہو اور درس کی مسندوں پر کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور عقیدت کا اظہار نہ کرے۔ ورنہ اس کا شمار گدھوں میں ہونے لگتا ہے۔ پھر امراء ورؤساء وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں جن کے ہاں لطف کلام اور بذلہ سنجی اور تفنن کے لئے صوفیاء کے اشعار اور نکات کھلونا بنے ہوئے نہ ہوں۔

۳۔ اطاعت اس بناء پر ہے، کہ لوگ ملتِ اسلامیہ میں داخل ہیں۔ پھر اس زمانے کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور بگٹٹ چلا جا رہا ہے۔ نہ متشابہات پر جا کر رکتا ہے، نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے، جو اس کے علم سے بالاتر ہو۔ احکام کے معنی اور اسرار ہر ایک اپنی عقل سے کر رہا ہے۔ جو کچھ جس نے سمجھ لیا اس پر دوسرے سے مناظرہ ومباحثہ کر رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ حنفی اور شافعی کے مابین سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے، اور دوسروں کے طریقہ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت سے حق اس غبار میں چھپ گیا ہے۔

امراء سلطنت کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واقوال الامراء یا ایھاالامراء اماتخافون اللّٰہ اشتغلتم باللذات الفانیة الدائرة، وترکتم الرعیة تاکل بعضھا بعضاً۔ اماشربت الخمور جھرة و انتم لاتنکرون اما بنیت منازل و دور للزنا و شرب الخمر والقماروانتم لا تغیرون، اماھی البلاد الکبیرة لم تضرب فیھا حد منذ ستمائة او اکثر، من وجدتموہ ضعیفا اکلتموہ، ومن وجدتموہ قویاً ترکتموہ وعتونہ خاضت افکار کم فی لذائز الطعام، ونواعم النساء و محاسن الثیاب والدور و مارفعتم الی اللہ راسا و ما ذکرتموہ الا بالسنتکم فی حکایا تکم کاانکم تریدون باسم اللہ انقلاب الزمان۔" (۲۶)

"اے امراء، اے سردارو: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ فانی دنیا کی لذتوں میں تم اس قدر غرق ہو گئے ہو، کہ جن لوگوں کی نگرانی کا کام تمہارے سپرد تھا، تم نے انہیں کھلا چھوڑ دیا ہے، تاکہ ان میں

سے بعض جو طاقتور ہیں، اپنے درمیان کمزوروں کو کھاتے اور نگلتے رہیں۔ کیا تم علانیہ شراب نہیں پیتے اور اپنے فعل کو برا بھی نہیں سمجھتے۔ تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے تعمیر کر رکھے ہیں کہ ان کے اندر زنا کاری کی جائے۔ جواء کھیلا جائے، شراب کشید کی جائے، لیکن تم یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی ان کاموں کو بند نہیں کراتے، کیا خیال ہے، ان شہروں میں کسی کو خلاف اسلام اعمال وافعال کے کرنے پر شرعی سزا نہیں دی گئی۔ جب تمہیں کوئی بے کس و کمزور شخص مل جائے تو اسے سزا دیتے ہو، لیکن طاقتور کو چھوڑ دیتے ہو۔ تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ قسم کے عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتے رہو۔ نرم وگداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو۔ اچھے ملبوسات اور عمدہ وعظیم الشان مکانات کے سوا تمہاری توجہ کسی دوسری طرف جاتی ہی نہیں۔ کیا تم نے کبھی اپنے سر خدا کے سامنے بھی جھکائے ہیں۔ خدا کا نام تو تمہارے پاس صرف اس لئے ہے کہ اپنے قصے کہانیوں اور تذکروں میں استعمال کرو۔“

فوجی سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

”واقول للعسكرية ايتها العسكرية اخرجكم الله للجهاد، ولتظهرو و كلمة الحق و تكبتوا لشرك واهله فتركتم ما اخرجكم لاجله، واتخذتم رباط الخيل و حمل الصلاح كسب تستكثرون به اموالكم من غيرنية الجهادو قصده شربتم الخمر والبنج، وخلعتم اللحىٰ واعفيتم الشوارب وظللمتم الناس ولم تبالوا مماتاء كلون الحلال او الحرام۔ فوالله اِلی الله سوف ترجعون فَيُنَبِئُكم بِماَ كُنتُم تعمَلُون۔“(۲۷)

”میں ان فوجیوں اور عسکریوں سے کہتا ہوں کہ تم کو اللہ نے جہاد، شرک اور اس کی جڑوں کو دنیا سے نکال پھینکنے، دین حق کا بول بالا کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ تم نے یہ کام چھوڑ کر گھوڑ سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ تم نے ان چیزوں کو صحیح راستے پر استعمال کرنے کی بجائے ان کو دولت اور نمود ونمائش کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اب جہاد کی نیت اور مقصد سے تمہارے دل خالی ہیں۔ سپہ گری کا پیشہ پیسہ کمانے کے لئے تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ تم بھنگ اور شراب پیتے ہو۔ داڑھیاں مونڈتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ بندگان خدا پر ظلم ڈھاتے ہو اور تمہیں اس بات کا کبھی خیال نہیں آیا کہ حرام کمائی سے روٹی کھا رہے ہو، یا حلال کی کمائی سے۔ خدا کی قسم تمہیں ایک دن اس دنیا سے جانا ہے، پھر اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس کرے گا کہ کیا کر کے آئے ہو“۔

پیرزادوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فاقول لاولاد المشائخ المترسمین برسم ابائهم من غیراستحاق۔ یا ایهاالناس مالکم تحزبتم احزابا واتبع کل ذی رایة، وترکتم الطریقة التی انزلها الله علی لسان محمد ﷺ رحمته بالناس ولطفابهم وهدی لهم فانتصب کل واحد منکم اماماودعی الناس الیه، وزعم نفسه هادیاً مهدیاً وهو ضال مضل نحن لا نرضی بهٰولاء الذین بایعون الناس یشتروابه ثمناقلیلا، اولیشربوااغراض الدنیا بتعلم علم اذ لا تحصیل الدنیا الابالتشبه باهل الهدایة ولا بالذین یدعون الی انفسهم، ویاء مرون بحسب انفسهم۔ هولاء قطاع الطریق۔ دجالون کذابون مفتونون فتانون ایاکم وایاهم ولا تتبعوالا من دعی الی کتاب اللّٰه وسنة رسوله، ولم یدع الی نفسه۔" (۲۸)

''اے وہ لوگو جواپنے آباواجداد کے طور طریقوں کو بغیر کسی حق کے اپنائے ہوئے ہو، یعنی بزرگان دین کی اولاد سے تعلق رکھنے والو، آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ مختلف سلسلوں اور گروہوں اور ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ آپ میں سے ہر کوئی اپنی مُنڈلی میں اپنا راگ الاپ رہا ہے۔ جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسولؐ جناب محمد ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا تھا، اسے چھوڑ کر تم میں سے ہر ایک خود راہنما اور پیشوا بن بیٹھا ہے۔ لوگوں کو بجائے رسول پاک ﷺ کے طریقے کی طرف بلانے کے اپنی طرف بلا رہا ہے۔ تم میں سے ہر کوئی راہنما اور رہبر بنا پھرتا ہے۔ حالانکہ تم سب گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی بھٹکا رہے ہو۔ غلط راستے پر لے جا رہے ہو۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو لوگوں کو محض اس لئے مرید کرتے ہیں کہ ان سے پیسے بٹوریں۔ نہ ہم ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو لوگوں کو خدا اور رسولؐ کی طرف رہنمائی کرنے کی بجائے اپنی طرف بلاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہماری نظر میں دھوکے باز اور لٹیرے ہیں۔ ان کا شمار دجالوں، کذابوں اور ایسے اشخاص میں ہے جو خود فتنے کا شکار ہیں۔ خبردار: خبردار: ہرگز ایسے شخص کی مریدی نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی تعلیم دینے کے بجائے اپنے گھڑے ہوئے طور طریقوں کی طرف بلاتا ہو۔"

طالب علموں اور علماء سوء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واقول لطلبة العلم ایها السفهاء المسمون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بعلوم

الیونانیین وبالصرف والنحو والمعانی وظننتم ان هذا هو العلم۔ انما العلم آیة محکمة من کتاب الله ان تتعلموها بتفسیر غریبها و سبب نزولها وتاء ویل معضلها أوبسنة قائمة من رسول الله ﷺ أن تحفظو اکیف صلی الله علیه وسلم و کیف توضاء وکیف کان یذهب لحاجة و کیف یصوم و کیف یحج و کیف یجاهد وکیف کان کلامه و حفظه للسانه و کیف کان اخلاقه فاتبعوا هدیة واعلمو لسنة علی أنه هدی و سنة لا علی أنه فرض ومکتوب علیکم۔" (۲۹)

''میں ان بے عقل لوگوں سے مخاطب ہوں، جنہوں نے اپنا نام عالم رکھ چھوڑا ہے۔ تم لوگ یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو اور معانی میں اتنے مستغرق ہو کہ تمہارے نزدیک علم انہی چیزوں کا نام ہے۔ یاد رکھو علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا ایسی سنت کا جس کا تعلق جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور جس پر امت کا بڑا حصہ عامل ہو۔ تمہیں چاہیے کہ قرآن سیکھو اور اس کے مشکل الفاظ سے معانی سمجھو۔ مختلف آیات یا سورتوں کے نازل ہونے کا سبب تحقیق کرو۔ اس قسم کی تحقیق سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کا حقیقی مفہوم سمجھنا اور احکام الٰہی کی روح کا پالینا آسان ہوگا۔ اس طرح جس حدیث کا تعلق رسول مقبول ﷺ سے ثابت ہو چکا اسے اپنے عمل میں لا کر محفوظ کرو جیسے یہ کہ حضور ﷺ نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ وضو کس طرح فرماتے تھے؟ حج کس طرح کرتے تھے؟ آپ کا جہاد کا کیا طریقہ تھا؟ طرز گفتگو کیا تھا؟ آپ کے اخلاق کے مظاہر کیا اور کیسے تھے؟ غرضیکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ حضور پاک ﷺ کے پورے طرز زندگی کی پیروی کی جائے لیکن اس کا خیال رہے کہ سنت کو سنت ہی سمجھو فرض کا درجہ نہ دو۔ اسی طرح فرائض کو سمجھو۔''

مسلمان عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یا معاشر بنی آدم رقدتم اخلاقکم و غلب علیکم الشح، واستحوذ علیکم الشیطان وزئرت النساء علی الرجال وغمط الرجال علی النساءِ واستطبتم الحرام واستبشعتم الحلال فوالله ان الله ما کلف نفساالاما تطیق۔ عالجوا شهونه فروجکم بالنکاح و ان کثرن، ولا تتکلفوفی نفقتکم وزیکم مما تطیقون۔" (۳۰)

''آدم کے بیٹو! دیکھو! تمہارے اخلاق پست ہو چکے ہیں۔ تم پر بے جا حرص ولالچ کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ شیطان تم پر غالب آچکا ہے۔ عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں۔ مرد عورتوں کے

حقوق ادا نہیں کر رہے۔ حرام تمہیں اچھا لگنے لگا ہے۔ حلال تمہارے لئے بے مزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ حرام کاری چھوڑ کر نیکی و راستی کی راہ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرو۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ تمہیں چاہئے کہ اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعے پورا کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح کرنے پڑیں۔ اپنے اخراجات میں اپنے لباس میں تکلف سے کام نہ لو۔ اتنا خرچ کرو جس کی تم میں ہمت ہو۔ یاد رکھو کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا۔"

عوام کی غلط رسومات پر تنقید کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"یا معاشر بنی آدم اتخذتم رسوما فاسده تغیرالدین اجتمعتم یوم عاشوراء فی الأباطیل فقوم اتخذه ما تمأما تعملون ان لایام ایام الله والحوادث من مشیتة اللّٰہ، وان کان حسینؓ قتل فی هذا الیوم فای یوم لم یمت فیه محبوب من المحبوبین، وقد اتخذوه لعبا بحرأ بهم وسلاحهم، وقوم اتخذ وه منسکااف أوابصنیعکم اجتمعتم یوم البرائة یلعب قوم۔ ویزعم قوم انه یجب اکثار الأطعمة للموتی قل هاتو برهانکم ان کنتم صادقین۔ ورسوما تضیق علیکم کالافراط فی الولائم و کالا متناع من الطلاق و کا مساك المرئة بعد زوجها من النکاح، فضیعتم اموالکم وأ وقاتکم فی الرسوم، وترکتم الهدیٰ صالح و کان المرض ان لاتتخدوا هذه الرسوم وأن تتخذو رسوم سهلة لیس فیها ضیق، اتخذتم الماتم عید اکان اکثار الطعام واجب علیکم وضیعتم الصلوات وقوم اشغلعوا بمکاسبهم فلم یقدرو اعلی الصلوات و منشاء هذا الفساد انهم ما اخذوا دخص الله، وقوم اشغلوا بتزجیة الوقت وتنزیهه بالحکایات والاحادیث فلو انهم اتخذو مجالسهم فی رجب حول المساجد لسهل علیهم الصلوات، وضیعتم الذکواة وما من غنی الاله متعلقون من المحاویج یطعهم ویواسیهم ولوانه نوی الذکواة والعبادة لکفاه، وضیعتم صوم رمضان فضیح قوم لانهم صاروا عسکریة لا یقدرون علی الصوم مع ماهم علیه من المحنة اعلموأنکم أساء تم التدبیرو صرتم عیالا علی السلطان، ولما لم یجدالسلطان مایعطیکم ضیق علی الرعیة۔" (۳۱)

"اے آدم کے بیٹو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر رکھے ہیں، جن سے دین کی اصل صورت بگڑ گئی۔ تم عاشورہ کے دن جھوٹی باتوں پر اکھٹے ہوتے ہو۔ اس طرح شب برات میں

کھیل کود کرتے ہو اور مُردوں کے لئے کھانا پکا پکا کر کھلاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔ اسی طرح اور بھی بُری بُری رسمیں تم میں جاری ہیں۔ جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے۔ مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک بُری رسم یہ ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے۔ یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رکھتے ہو۔ ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو، اور جو صحت بخش روش تھی، اس کو چھوڑ بیٹھے ہو، تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں۔ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے کمانے میں اور اپنی مصروفیات میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو قصہ کہانی سننے میں اپنا وقت گنواتے ہیں۔ خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کرتے، جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں۔ تم نے زکواۃ کو بھی چھوڑ رکھا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقرباء میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ تم میں سے بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں، کہتے ہیں کہ جو محنت انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے، اور تم حکومت کے سینے پر بوجھ بن گئے ہو۔ بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دشوار کر دیتا ہے۔''

عوام کے مشرکانہ اور جہلانہ رسوم پر تنقید کرتے ہوئے تفہیم میں فرماتے ہیں:

''کل من ذهب الى بلدة اجمير أوالى قبر سالار مسعود أوماضاها لأجل حاجة يطلبها فانه أثم اثما اكبر من القتل والزنا، أيس مثله الامثل من كان يعبد الموضوعات، اومثل من كان يعبداللات والعزى الا أنالا نصرح بالتكفير لعدم نص من الشارع فى هذا الأمرِ المخصوص۔ كل من عين حيوان الميت و طلب منه الحوائج فانه آثم۔'' (۳۲)

''جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں، وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کم تر ہے۔ آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں کیا فرق ہے؟ جو لوگ لات وعزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے،

ان کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم ان کے برعکس ان لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں، کیونکہ خاص ان کے معاملے میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر ہر وہ شخص جو کسی مُردے کو زندہ ٹھہرا کر اس سے حاجت طلب کرتا ہے اس کا دل گناہ میں مبتلا ہے۔"

فقہاء اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ومنها اقول لهولاء المسلمين انفسهم بالفقهاء الجامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبى ﷺ با سناد صحيح، وقدذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين، ولا يمنعهم الاالتقليد لمن لم يذهب اليه، ولهولاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم وائمة اهل الدين انهم جميعا عل سفاحة و سخافة راى وضلالة و ان الحق أمر بين بين۔" (۳۳)

"میں ان لوگوں سے کہتا ہوں، جنہوں نے اپنا نام فقہاء رکھ چھوڑا ہے، اور جو تقلید جامد اختیار کئے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ کی اگر کوئی حدیث صحیح اسناد سے ان تک پہنچی ہے اور فقہائے متقدمین کی ایک جماعت اسے اختیار بھی کر چکی ہے۔ لیکن اس حدیث سے انہیں صرف یہ چیز روک دیتی ہے کہ جس کی وہ تقلید کرتے ہیں وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ میں اہل ظاہر سے کہتا ہوں، جو ان فقہاء کے منکر ہیں جو حاملین کا نمونہ اور اہل دین کے امام ہیں کہ یہ سب حماقت، سخافت رائے اور ضلالت میں مبتلا ہیں۔ حق ان دونوں کے بین بین ہے۔"

۳

اصلاح اُمّت کا فریضہ

آپؒ امت مسلمہ کی مذہبی، سیاسی اور اخلاقی پستی اور ذلت کو دیکھ کر بے حد پریشان اور بے چین تھے۔ چنانچہ آپؒ نے مصلحین امت اور محققین کی طرح بروقت دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کو ملحدین کی تحریفات اور جاہل مشائخ کے غلط خیالات وعقائد سے آگاہ کیا، مخالفین اسلام کو مدلل جوابات دیئے۔ عوام میں غلط رسومات کی وجہ سے جو الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے' ان کو درست کیا۔ آپ نے اسلام کے عقائد صحیحہ کی نہایت مؤثر وطاقتور وکالت وتبلیغ کی اور ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا۔ معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت اور اہمیت دل نشین کرائی، ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کی اور سلوک ومعرفت کے اسرار ونکات اور لطیف وبلند علوم کا اظہار فرمایا اور اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک چلائی جس نے عوام کے دلوں میں جاہلی اثرات کو دور کر کے مذہب حقہ کا صحیح اسلامی تصور پیش کیا۔

خامیوں اور خرابیوں کی نشاندہی

آپ نے اپنے زمانے کے مختلف طبقوں کے لوگوں کی خامیوں اور خرابیوں کا مجموعی طور پر بغور جائزہ لیا اور ان پر کھل کر تنقید کی، جو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں گھر کر گئی تھیں اور جن کی وجہ سے امت مسلمہ دن بدن تنزل وپستی کا شکار ہو رہی تھی۔ آپؒ نے ان تمام خامیوں کو پوری طرح بے نقاب کیا اور ہر ایک خامی اور کوتاہی پر فرداً فرداً مکمل تنقید کی۔ اس کے اِزالہ اور تعمیر نو کے لئے ایک ایسا مرتب نظام حیات دیا جس پر عمل پیرا ہو کر امت مسلمہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کامیابی سے سرفراز ہو سکتی ہے۔

فہم قرآن پیدا کرنے میں کردار

آپ نے برصغیر کے متوسط طبقہ کو براہ راست قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے کے

لئے قرآن مجید کا فارسی زبان میں عام فہم ترجمہ فرمایا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی بعض فارسی تراجم ہو چکے تھے (فارسی ترجمہ کی روایت نہایت قدیم ہے۔ صاحب روح المعانی کے بقول حضرت سلمان فارسیؓ نے سورۃ فاتحہ کا اول ترجمہ فارسی میں کیا تھا، اس کے علاوہ برصغیر میں کئی علماء نے یہ کام سرانجام دیا)۔(۱)

یہ ترجمہ اپنی نوعیت کا واحد ترجمہ تھا۔ حضرت عبدالماجد دریا آبادی اس خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے، اور یہ جو اردو اور انگریزی اور دوسری زبانوں میں بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں یا شائع ہو رہے ہیں، یا آئندہ شائع ہوں گے، ان کے اجر کا جزو اعظم یقیناً حضرت شاہ صاحبؒ کی صفات میں لکھا جائے گا۔ یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں۔''(۲)

فقہی جمود اور تقلید جامد کا خاتمہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جس دور ابتلاء میں دین حق کی قندیل کو منور فرمایا وہ دور بھی انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ امت مسلمہ ان دنوں جس ذہنی اور فقہی اختلافات کے بحران سے دوچار تھی اس سے عہدہ براہ ہونے کے لئے آپؒ نے امت مسلمہ کو تقلید جامد وتعصب اور تنگ نظری کے الجھے ہوئے جنگل سے نکال کر فکر ونظر کی صاف و شفاف راہ پر گامزن کیا۔ فقہی اختلافات میں افراط وتفریط کی اصل حقیقت اور آئمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا صحیح مقام واضح فرمایا۔ آئمہ اربعہ کے باہمی اختلافات کے اسباب وعلل پر بحث کی اور ان کے اختلافات کی وجوہ کو نہایت مدلل پیرایہ میں مفصل بیان فرمایا۔

ضرورت اجتہاد

آپ نے امت میں صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا روح اجتہاد کو زندہ فرمایا۔ امت میں تدبر وتفکر کے ذریعے احکام ومسائل کو براہ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا کی۔ کتاب وسنت کو عقائد کا ماخذ بنانے پر زور دیا۔ فقہی اختلافات میں نظریہ عدل پیش کیا۔ آئمہ اربعہ کے اقوال میں باہمی موافقت پیدا کی۔ اجتہاد سے کام لے کر کتاب وسنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں فتویٰ دیا۔ اجتہاد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آپ اپنی تصنیف مصفیٰ کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اجتہاد دریں عصر فرض بالکفایہ است و مراد اجتہاد اینجا معرفت

احکام شرعیه ازادله تفصیلیه وتفریع و ترتیب مجتهدانه راگرچه بارشاد صاحب مذهبے باشد۔ وآنکه گفتیم اجتهاد دریں عصرفرض است بجهت آنست که مسائل کثیره الوقوع غیرمحصور اندومعرفت احکام الٰهی درآنها واجب و آنچه مسطور و مدون رجوع بادله حل اختلاف آن نتوان کرد وطرق آن تا مجتهدین غالباً منقطع و پس عرض بر قوائد اجتهاد راست نیاید۔" (۳)

علماء کرام کی اتباع اور اطاعت کرنے کا حکم

آپؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں آئمہ اربعہ کے اقوال کا جائزہ لیا اور جس امام کا قول صریح اور معروف سنت کے موافق پایا، اسے اختیار کرلیا۔ آپ کی تصانیف میں ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو مسلک آئمہ اربعہ سے ہٹ کر ہو، وہ اپنے آپ کو آئمہ اربعہ تک محدود رکھتے تھے۔ آپؒ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ عوام علماء کی اطاعت واتباع کریں، آپ عامی کو مجتہدین کا مقلد رکھنے کے حق میں تھے۔لیکن وہ باب اجتہاد کے بند ہونے کے قائل نہ تھے۔وہ عوام کو حق اجتہاد نہیں دیتے تھے۔عوام کو علماء کی اطاعت واتباع تک محدود رکھتے تھے۔اسی بناء پر انہوں نے مجتہدین کے مدارج مقرر کئے۔اجتہاد کے لئے کڑی شرائط عائد کیں،اصول وقوائد بیان کئے جو آپ کی مایہ ناز تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۱۹ میں درج ہیں۔

ائمہ اربعہ میں موافقت

آپؒ یہ بالکل ناپسند فرماتے تھے کہ علماء عوام کو صرف اپنی تحقیق پر اپنی بات کا پابند ٹھہرائیں، وہ فقہی جمود کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی فرد واحد کی پابندی کے بغیر ائمہ اربعہ کے متفقہ جماعتوں یعنی مذاہب اربعہ اور آئمہ حدیث کے مسائل پر عمل کیا جائے اور ان میں باہمی موافقت پیدا کی جائے، اور پھر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں فتویٰ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حنفی ہونے کے باوجود محدثین شوافع کے معمولات کو ترجیح دیتے تھے اور پسند فرماتے تھے۔آپؒ اس فقہی جمود کو توڑنے اور آئمہ اربعہ میں باہمی موافقت پیدا کرنے کے لئے تفہیمات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وانشاء فی قلبی داعیة من جهة الملأ الاعلی تفصیلها ان مذهب ابی حنیفة والشافعی هما مشهوران فی الامة المرحومة و هما اکثر المذاهب تبعاً و تصنیفاً

وكان جمهور الفقها والمحدثين والمفسرين والمتكلمين والصوفيه متمذهبين بمذهب الشافعي و جمهور الملوك و عامة اليونان متمذهبين بمذهب ابي حنيفة وان الحق الوافق لعلوم الملاء الأعلى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة في حديث النبي ﷺ من الفريقين فما كان موافقاً بها يبقى و مالم يوجد اصل يسقط۔" (٤)

"ملا اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں آئمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں اور کثرت اتباع وتصنیفات کے لحاظ سے مشہور ہیں اور جمہور فقہا محدث اور مفسر، متکلم اور صوفی شافعی مذہب کے پابند تھے۔ اکثر بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مذہب کے پابند تھے۔ ملا اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کی جزئیات کو مکتب حدیث پر پیش کیا جائے اور معلوم رہے، کہ دونوں مذاہب کے اہل علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں جو مسائل حدیث کے موافق ہوں' قبول کر لئے جائیں اور جن کا اصل حدیث سے نہیں ہے انہیں کلیتہً ساقط کر دیا جائے۔"

دوسری جگہ خواجہ محمد امین کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال سوم آنکه تو در مسائل فقیه بر کرام مذہب است۔ گفتم بقدر امکان جمع مے کنم در مذاہب مشہوره مثلاً صوم و صلواة وضو وغسل و حج بوضعے واقعه مے شود که همه اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر الجمع با قوی مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل می نمایم۔" (۵)

اعتدال پر مبنی مسلک اختیار کرنے کی اصل وجہ

آپ کا مسلک اعتدال اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تقلید جامد سے امت مسلمہ میں بے جا تعصب اور تنگ نظری کی فضا کا خاتمہ ہو جائے، اور وسعت نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلا رہے، امت مسلمہ بڑی خوبی سے تعصب سے ہٹ کر مسلک معتدل پر مجتمع ہو جائے۔ تقلید جامد اور تعصب و تنگ نظری کا خاتمہ ہو جائے اور آزادی رائے کے ساتھ تحقیق و تقلید کا ایک متوازن معتدل اور افراط و تفریط سے پاک مسلک پیش کیا جائے۔

تجدیدی کارناموں کی اصل حقیقت

آپؒ کی ذات میں اس قدر جامعیت اور امتیازی شان کا اصل راز ان کا سرکار مدینہؐ سے براہ راست فیض واستفادہ تھا، جس کا آپ نے اپنی تصانیف میں بڑے دعوئی کے ساتھ جابجا ذکر فرمایا ہے۔ آپ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے دیباچہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"بینا انا جالس ذات یوم بعد صلوٰۃ العصر متوجھا الی اللّٰہ إذ ظھرت روح النبی ﷺ و غشیتنی من فوقی بشی خیل الیٰ انہ ثوب القی علی و نضت فی روعی فی تلک الحالۃ انہ اشارۃ الی نوع بیان للذین، و جدت عند ذلک فی صدری نورالم یزل ینفسح کل حین" (٦)

''ایک دن عصر کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا تھا۔ اچانک نبی کریم ﷺ کی روح ظاہر ہوئی اور مجھے اوپر سے اس نے ڈھانپ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دیا گیا ہے، اسی کیفیت میں میرے اندر یہ بات پھونکی گئی کہ دین کی تشریح کے ایک خاص طریقہ کی طرف مجھے اشارہ کیا جا رہا ہے، میں نے اپنے اندر اس حالت میں ایک روشنی پائی جو لحہ بہ لحہ پھیلتی جا رہی تھی۔''

شاہ صاحب کا مقام مجددیت مسلک اعتدال اور فیض نبوت کے حسین امتزاج کا نتیجہ تھا:

اپنے مقام مجددیت اور فقہ میں مسلک اعتدال کی اصل حقیقت کا انکشاف فرماتے ہوئے فیض مصطفوی کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"نعمت عظمی بریں ضعیف آنست کہ اورا خلعت فاتحیہ دادند و فتح دورہ باز پسین بردست وی کردند و ارشاد فرمودند کہ مرضی درفقھیہ چیست آنرا جمع کردہ فقہ حدیث از سربنیاد کرد و اسرار حدیث" (۷)

''اس فقیر پر سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے خلعت فاتحیہ عطا فرمائی اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہاتھوں کرایا اور فقہ میں پسندیدہ مسلک کی طرف راہنمائی کی اور اسے جمع کر کے فقہ و حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھی۔''

آپ پر انعام خداوندی

اسرار حدیث و مصالح احکام دین کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اوپر انعام خداوندی کا یوں

اظہار فرماتے ہیں:

"اسرار حدیث و مصالح احکام و ترغیبات و سائر آنچه حضرت پیغامبر ﷺ۔ از خدائے تعالیٰ آورده اند، وتعلیم فرموده اند وآں فنے است که پیش ازیں فقیر مضبوط تراز سخن ایں فقیر کسے آنرا ادا نه کرده است، باوجود جلالت آن فن اگر کسے را دریں حرف شبه باشد گو کتاب قواعد به بین که شیخ عذالدین آنجا چه جهد ها کرده بعشرعشیر ایں فن فائز نشده" (۸)

"حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام وقوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی باتیں جو پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے لائے ہیں۔ اور جن کی آپ نے تعلیم فرمائی ہے، ان سب سے اسرار ورموز کا بیان کرنا دراصل ایک مستقل فن ہے۔ اس فقیر نے پہلے جتنی پختہ بات کہی ہے، کسی سے یہ نہ بن پایا۔ اس فن کی بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو تو چاہیے کہ "کتاب قواعد" کو دیکھے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی، مگر اس فن کے عشرعشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔"

معارف تصوف علم کلام اور حکمت عملی وفلسفہ اور دیگر علوم وفنون میں آپ کو جس قدر کمال عطا فرمایا گیا ہے، تحدیث نعمت کے طور پر اس کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

"طریقه سلوک که ایں برهان مرضی حق است، دریں حرف شبه باشد گو کتاب قواعد کبریٰ به بین که شیخ عزالدین آنجا چه جهد ها کرده بعشر عشیر ایں فن فائز نشده") و طریقه سلوک که این برهان مرضی حق ست و دریں دوره فائز میشود الهام فرمودند آنرا در دو رساله ضبط کرده به "لمعات" "والطاف القدس"، مسمی نمود و عقائد قد مای اہل سنت بدلائل و حجت اثبات کرد آنرا از خس و خشاك معقولیان پاك ساخت و بوجهی مقرنمود که محل بحث نماند و علم کمالات اربعه یعنی ابداع و خلق و تدبیر و تدلی بایں عرض و طول و علم استعداد نفوس انسانیه و کمال و مآل ہر کسی افاضه فرمودند ایں ہر دو علم جلیل اند که پیش ازیں فقیر کسی بر گرد آن نگشته و

حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ در آنست بوسعتی تمام افادہ نمودند و توفیق نشید آن بکتاب و سنت و آثار صحابہ دادند و برتمیز آنچہ علم دین سنت منقول از حضرت پیامبر ﷺ و آنچہ مدخول است ومحرف وآنچہ سنت است وآنچہ ہر فرقہ بدعت کردہ است افادہ ساختند ولوان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا لما استوفیت واجب حمدہ والحمدللہ رب العالمین۔" (۹)

"طریقہ سلوک جو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ برھان ہے۔ جسے اس دور میں رائج ہونا ہے وہ مجھے الہام کیا گیا ہے جسے میں نے اپنے دو رسالوں لمعات اور الطاف القدس میں جمع کیا ہے۔ میں نے قدیم علماء سنت کے عقائد کو دلائل و براہین سے اس طرح ثابت کیا ہے، کہ اسے معقولین کے شک وشبہادت کے گردوغبار سے صاف کر دیا ہے، اور اس طرح منور کیا ہے کہ بحث کی گنجائش نہیں رہی مجھے علم وکمالات اربعہ یعنی ابداع وخلق تدبیر وتدلی پورے طول وعرض کے ساتھ، نفوس انسانیہ کی استعداد کا تمام علم اور ہر شخص کے کمال اور انجام کا علم عطا فرمایا۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ فقیر سے پہلے کسی کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور حکمت عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے مجھے پوری وسعت کے ساتھ عطا فرمائی گئی ہے۔ مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعے اسے مستحکم کرنے کی توفیق دی گئی ہے۔ جو کچھ آں حضرت ﷺ سے منقول ہے اور جو کچھ اس میں داخل کیا گیا ہے اور جو سنت ہے یا ہر فرقہ نے جو نئی باتیں دین میں ایجاد کر لی ہیں ان تمام کا علم مجھے دیا گیا ہے۔ اگر میرا بال بال زبان بن جائے تو بھی اس کی حمد وشکر کا حق ادا نہیں کر سکتا۔"

امت کے اتحاد واتفاق کے متعلق بشارت نبوی کا ذکر کرتے ہوئے فیوض الحرمین میں فرمایا:

"ان مراد الحق فیك ان یجمع شملا من شمل الامته المرحومه بك" (۱۰)

"تمھارے متعلق خدا کا ارادہ ہو چکا ہے، کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمھارے ذریعہ سے کی جائے۔"

روضہ نبویؐ سے براہ راست فیوضات

سرکار دوعالم ﷺ سے اپنے براہ راست مدنی فیوضات کے حصول کا ذکر کرتے ہوئے "انفاس العارفین" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"دراں میاں بروضه منوره حضرت سیدالبشر علیه افضل الصلواۃ و اتم التحیات متوجه شد و فیضها یافت۔" (۱۱)

''حرمین شریفین میں حاضری کے دوران حضرت ﷺ کے روضہ منورہ کی طرف متوجہ رہتا تھا۔اور اس سے بڑے بڑے فیوض حاصل کیے۔''

آپ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی تصانیف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"بعد مراقبه هرچه بکشف می رسید می نگاشتند۔" (۱۲)

''مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی تھی، اسے تحریر فرماتے تھے۔''

حضرت شاہ صاحبؒ تقلید کے متعلق اپنی فطری جبلت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وجبلی تابی التقلید و تأنني منه راساً۔"

''تقلید سے میری جبلت اور سرشت انکار کرتی ہے اور بالکلیہ اس سے بھڑکتی ہے۔'' آگے ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولکن طلب فی التعبدبه بخلاف نفسی۔"

''لیکن میں کیا کروں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے مجھے براہ راست جن امور کی وصیت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ میرے اقتضائے نفس کے خلاف پابندی ہی کا مجھ سے مطالبہ ہے۔''

"التقلید بهذا المذاهب الاربعة لاأخرج منها والتوفیق ما استطعت۔" (۱۳)

''یعنی ان چار مذاہب اربعہ کی تقلید سے کبھی باہر قدم نہ رکھو اور جہاں تک ممکن ہو سب میں تطبیق کی کوشش کرو۔'' اس بارے میں مجھے سر نیاز جھکا دینے کا ہی حکم ہے۔

''فیوض الحرمین'' میں آپ اپنے ایک خواب جو کہ آپ نے شب جمعہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ میں دیکھا بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رائتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذلك ان الله اراد شیأ من نظام الخیر جعلنی کا لجارحة لاتمام مراده الی آخره۔" (۱٤)

''میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھلائی اور خیر کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہتا ہے، تو اس وقت مجھے اس مقصد کی تکمیل کے لئے گویا ایک آلہ اور واسطہ بناتے ہیں۔''

آخر میں حضرت کے اس مشہور و معروف خواب کا ذکر کرتا ہوں، جو آپ نے اپنی تصنیف فیوض الحرمین اور در ثمین میں تحریر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

"کان الحسین والحسن علیھما السلام نزلا فی بیتی و سیدالحسن قلم قد انکسر لسانہ وبسط الی یدہ لیعطینی و قال ھذا قلم جدی رسول اللہ ﷺ ثم قال حتی یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ فاخذہ فحطط فیہ خط اخضر و خط ابیض فوضع بین یدیھما فرفعہ حسینؓ و قال ھذا رداء جدی رسول اللہ ﷺ ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیماً و حمدت اللہ تعالیٰ۔" (۱۵)

"حضرت حسین اور حسن علیھما السلام میرے گھر تشریف لائے ہیں۔ حسنؓ کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ حضرت حسنؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تا کہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ مگر پھر آپ بولے کہ حسینؓ اسے درست کرلیں، تب دوں گا۔ فرمایا حسینؓ جیسا درست کر سکتے ہیں کوئی دوسرا اتنا درست نہیں کرسکتا۔ پھر حسینؓ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا اور اس کے بعد مجھے عطا فرمایا میں اس سے بہت مسرور ہوا۔ پھر ایک چادر لائی گئی جس پر ایک دھاری سبز اور ایک دھاری سفید تھی۔ پہلے پہلے یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی۔ پھر حضرت حسینؓ نے اسے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول کریم ﷺ کی ہے۔ پھر وہ چادر مجھے اوڑھا دی گئی تب میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔"

اس خواب میں غور طلب باتیں یہ ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا شاہ صاحبؒ کو قلم دینا اور اس قلم کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب فرمانا، پھر حضرت شاہ صاحبؒ کو وہ چادر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہے، اُوڑھا دینا۔ یہ سب باتیں اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ آپ نے جس قدر علوم وفنون، مصالح احکام وقوانین، اسرار حدیث وفقہ، حقائق ومعارف، تصوف، علم کلام، حکمت، علم دین، فلسفہ وعقائد وغیرہ بیان فرمائے ہیں وہ سب کے سب حکم خداوندی اور براہ راست مدنی فیوض کے پرتو ہیں اور آپ کی مجددیت کا بین ثبوت ہیں۔

آپ نے واضح طور پر یہ دعویٰ "فیوض الحرمین" میں فرمایا ہے:

"سلکنی رسول اللہ ﷺ بنفسہ وربانی بیدہ فانا اویسہ و تلمیذہ بلا واسطہ بینی وبینہ" (۱۶)

’’مجھے رسول اللہ ﷺ نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی اس لئے میں آپ کا اویس ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کا بلا واسطہ شاگرد ہوں۔‘‘

امامت و مجددیت کا برملا اظہار

امامت و مجددیت کا برملا اظہار فرماتے ہوئے تفہیمات میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’میرے رب نے مجھے بتایا کہ ہم نے تجھے اس طریقہ کا امام بنایا اور سوائے ایک طریقہ کے جو تیری محبت اور تیری اطاعت کا طریقہ ہے۔ قرب حقیقت تک پہنچنے کے سب راستے آج بند کر دیئے گئے ہیں، اللہ کی مجھ پر نعمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے، اور اس میں کوئی فخر نہیں کہ اس نے مجھے اس دور کا ناطق اور حکیم اور اس طبقے کا قائد اور زعیم بنایا اور وہ میری زبان سے گویا ہوا اور اس نے میرے نفس میں اپنی روح پھونکی۔‘‘ (۱۷)

دوسری جگہ تفہیمات میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’میرے ذہن میں یہ حقیقت ڈالی گئی ہے کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے۔ افسوس اس شخص پر جو تیرے جھنڈے تلے نہ آئے۔‘‘ (۱۸)

حضرت شاہ صاحبؒ کے کارناموں کا اجمالی خاکہ

آپؒ نے بحیثیت مجدد اکسٹھ (۶۱) سال کی قلیل مدت میں جس میں تقریباً تینتیس (۳۳)، چونتیس (۳۴) سال آپ کی تعلیم و تربیت اور سفر حرمین وغیرہ بھی شامل ہیں۔ بقیہ تقریباً ستائیس (۲۷)، اٹھائیس (۲۸) سال کی قلیل ترین مدت میں ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، جسے ہم آپؒ پر خصوصی عنایت خداوندی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اسے تسلیم کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ یہ ایک غیبی طاقت وقوت کا نتیجہ ہے، جو آپؒ کو ودیعت فرمائی گئی تھی۔

آپؒ نے بحیثیت مجدد امت مسلمہ کو اسلام کی حقیقی فکر کی دعوت دی، ملت اسلامیہ کے منتشر اور متصادم گروہوں میں یگانگت اور یکجہتی پیدا کی۔ دعوت اور اصلاح امت کا فریضہ سرانجام دیا۔ مادیت کا مقابلہ کیا۔ اسلامی اقدار کو زندہ کیا، حقیقت اسلام اور دین خالص کو اجاگر کیا، بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی، سنت کی پرزور حمایت کی۔ عقائد باطلہ اور مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف جہاد کیا، افراط و تفریط سے پاک نظام معیشت دیا جو معاشرہ میں ظلم و ناانصافی سے پاک مساوی تقسیم کی ضمانت دیتا ہے۔ عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا، تبلیغ و تلقین کے ذریعے ملت اسلامیہ کے

دلوں اور ذہنوں کو منور فرمایا۔ نامہ و پیام کے ذریعے اپنے عہد کے مختلف طبقوں کے لوگوں کو جادہ حق پر ڈالنے کے لئے خطوط لکھے۔ (۱۹)

مسلمانوں کی سیاسی و معاشی، اخلاقی وتمدنی زندگی کو بدل کر اسلامی خطوط پر استوار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی، امت کو آنے والے نئے فتنوں سے آگاہ کیا، حدیث وفقہ کی تدوین جدید کا کام سرانجام دیا۔ اجتہاد کا دروازہ وسعت ظرفی اور تبحر علمی سے کھولا، قرآن وحدیث کی روشنی میں نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، مختلف فرقوں کو اعتدال کی راہ دکھائی۔ جاہلی رسموں اور طور طریقوں کی آمیزش سے پاک وصاف صحیح اور خالص صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اسلامی ادب میں ایک بیش بہا خزانہ کا اضافہ فرمایا۔ اسلام کے مکمل نظام حیات کو مرتب صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ دعوت وتذکیر وتبلیغ میں انبیاء علیھم السلام کی نیابت کی، اسلام کی اشاعت کا علم بلند کیا۔ مسلمانوں کے فکری اور علمی وتمدنی انحطاط کو دور فرمایا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں سے دین کے احیاء وتجدید کا فریضہ سرانجام دیا۔ غلط رجحانات کی اصلاح اور آنے والے فتنوں کا سدباب کیا۔ اپنی تبلیغ وتصنیف سے ایمانی فکر ونظر کو بلندی بخشی، اس فتنہ عالم آشوب حالات کو قرآنی مشعل ہدایت سے جلا بخشی، اور اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور مربیوں کی ایک ایسی جماعت چھوڑی جس نے آپ کی تحریک کو جاری وساری رکھا، اور مادیت وغفلت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو ایمان کی حلاوت سے آشنا کیا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ کیا، دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان سے ان کے قلوب وجگر کو منور فرمایا۔ بیمار ذہنوں کو اسلام کے خلاف ہونے والے شکوک وشبہات سے علمی طرز استدلال کے ذریعے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ معاشرہ کو منظم قانونی ڈھانچہ دیا۔ معاشرہ میں احتساب کا فرض انجام دیا، اوران کی کج روی پر کھل کر تنقید کی اور اپنی حکیمانہ دعوت وتبلیغ سے عالم اسلام میں ایک نئی روح، نئی حرارت اور نئی زندگی بخشی۔ یہ مجدد وقت حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مختصر دور کی ایک ادنیٰ جھلک ہے۔

اجتہاد اور مجتہد، کیفیات وشرائط

"عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" میں آپ اپنی اس محققانہ تصنیف میں اجتہاد کی تعریف اوراس کی حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"حقیقة الاجتهاد علی مایفهم من کلام العلماءِ استفراغ الجهد فی ادراك الاحکام الشرعیة الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة الراجعة کلیاتها الی اربعة اقسام الکتاب والسنة والاجماع والقیاس۔" (۱)

''اجتہاد کی حقیقت جو کچھ علماء کے کلام سے سمجھی گئی ہے، یہ ہے کہ شریعت کے فروعی احکام کو اس کے تفصیلی دلائل سے سمجھنے کے لئے پوری محنت صرف کی جائے۔ان تفصیلی دلائل کا مرجع کل چار چیزیں ہیں۔کتاب،سنت،اجماع اور قیاس۔''

اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اجتہاد کے لئے ضروری نہیں کہ صرف کسی ایسے مسئلہ کے ادراک کے لئے کوشش کی جائے جس پر علماء سلف میں سے کسی نے گفتگو نہ کی ہو، بلکہ اگر کوئی شخص کسی ایسے حکم کے ادراک میں سعی تمام صرف کرتا ہے، جس میں علمائے سلف گفتگو کر چکے ہوں تو خواہ اس کا یہ ادراک علمائے سلف کے موافق ہو یا مخالف،اجتہاد کہلائے گا۔''

رہا یہ سوال کہ اجتہاد کرنے کی اہلیت کیا ہے؟ اور مجتہد کے لئے اجتہاد کی شرائط کیا ہیں؟ تو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک مجتہد کے لئے مندرجہ ذیل شرائط بیان فرماتے ہیں:۔

"وشرطه انه لابُدّله اَن یعرف من الکتاب والسنة ما یتعلق بالاحکام ومواقع الاجماع وشرائط القیاس وکیفیة النظیر وعلم العربیة۔ والناسخ والمنسوخ، وحال الرواة ولا حاجة الی الکلام والفقه قال الغزالی انما یحصل الاجتهادفی زماننا بممارسة الفقه وهی طریق تحصیل درایة فی هذاالزمان ۔۔الخ۔"(۲)

''مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث جس قدر احکام سے متعلق ہے جانتا ہو نیز اجماع کے مواقع، قیاس صحیح کی شرائط، مقدمات کی صحیح ترتیب اور علوم عربیہ سے واقف ہو۔ ناسخ ومنسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو۔ علم کلام اور فقہ (مکمل آگہی) کی اجتہاد میں ضرورت نہیں۔''

اس کے بعد آپؒ امام غزالیؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں اجتہاد فقہ میں ممارست (مشق) سے حاصل ہوتا ہے۔ تحصیل درایت یعنی فہم مسائل کا یہی ایک طریقہ ہے۔ صحابہ کے زمانے میں یہ بات نہ تھی۔'' (۳)

اس کے بعد آپؒ تحریر فرماتے ہیں:

''امام غزالیؒ کی مراد یہ ہے کہ ''اجتہاد مطلق منتسب'' اس طرح پورا ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل کی تصریحات سے ہر منتسب کو واقفیت حاصل ہو۔ (۴) جبکہ مجتہد مستقل کے لئے صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے کلام سے ابواب فقہ میں واقف ہونا ضروری ہے۔ اجتہاد کی یہ شرط جو ہم نے ذکر کی ہے اصول کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے مذکور وموجود ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپؒ علامہ بغویؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ علامہ بغویؒ کے نزدیک مجتہد وہ ہے جو پانچ علوم کا جامع ہو یعنی ۱۔ کتاب اللہ کا علم ۲۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کا علم ۳۔ علماء سلف کے اقوال کا علم کہ وہ کس مسئلہ میں متفق ہیں اور کس میں مختلف ۴۔ علم لغت عربی ۵۔ علم قیاس۔

قیاس قرآن وحدیث سے حکم نکالنے کا ایک طریقہ ہے یہ تب اختیار کیا جاتا ہے جب مجتہد کو نص قرآن وحدیث اور اجماع صریح میں مطلوبہ حکم نہ ملے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک مجتہد کے لئے قرآن کریم کے علم میں سے ان چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ ۱۔ ناسخ ومنسوخ ۲۔ مجمل ومفصل ۳۔ خاص وعام ۴۔ محکم ومتشابہ ۵۔ کراہت وتحریم ۶۔ اباحت وندب استحباب اور وجوب۔

مجتہد کا علوم حدیث میں مندرجہ ذیل علوم کا جاننا ضروری ہے:

۱۔ ناسخ ومنسوخ	۲۔ مجمل ومفصل
۳۔ خاص وعام	۴۔ محکم ومتشابہ
۵۔ کراہت وتحریم	۶۔ اباحت وندب اور وجوب
۷۔ اقسام احادیث	۸۔ انطباق قرآن وحدیث

حتیٰ کہ اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس کا ظاہر قرآن پاک کے موافق نہ ہو تو اس کی مطابقت کا سراغ لگا سکے کیونکہ حدیث قرآن کا بیان ہے، مخالف قرآن نہیں۔ احادیث میں سے صرف ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو شرعی احکام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ وہ حدیثیں جاننا ضروری نہیں ہیں جن میں قصص واخبار ومواعظ مذکور ہیں۔ علم لغت عربی میں سے ایک مجتہد کو اس قدر جاننا ضروری ہے کہ جس سے قرآن وحدیث کے علمی وادبی احکامی امور کو جاننے میں آسانی ہو۔ تمام لغات عرب کا احاطہ ضروری شرط نہیں۔

بہتر یہ ہے کہ علم لغت میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے۔ اس طرح اختلاف کے مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے کسی کی مراد سمجھ سکے۔ شریعت کا تخاطب عربی زبان میں ہے۔ جو شخص عربی سے واقف نہ ہوگا وہ شارع کی مراد اور مقصود نہ پہچانے گا۔ صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال سے اس قدر جاننا ضروری ہے جو احکام میں منقول ہیں۔ اسی طرح بڑا حصہ ان فتاویٰ کا جاننا ضروری ہے جو امت کے فقہاء نے دیئے ہیں، تاکہ اس کا حکم سلف کے اقوال کے مخالف نہ ہو، ورنہ اس صورت میں اجماع کی مخالفت ہوگی۔ جب ان پانچ علوم کے اکثر اور بڑے حصہ پر قادر ہو جائے تو وہ اس وقت مجتہد ہے۔ ان تمام علوم کی معرفت مجتہد ہونے کے لئے اس طرح شرط ہے کہ ان علوم کی کوئی چیز اس سے باقی نہ رہے۔ اگر ان علوم پنجگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کا راستہ تقلید کرنا ہے، اگرچہ وہ شخص آئمہ سلف میں سے کسی ایک کے مذہب میں ماہر کامل ہو۔ ایسے شخص کو عہدہ قضاء اختیار کرنا اور فتویٰ دینے کا امیدوار ہونا درست نہیں۔ کوئی شخص جب ان پانچوں علوم کا جامع ہو، خواہشات نفسانی سے دور رہنے والا ہو۔ بدعتوں سے علیحدہ ہو، اور تقویٰ کو شعار بنایا ہوا ہو، کبیرہ گناہوں سے محترز ہو۔ صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ رکھتا ہو۔ تو ایسے شخص کو عہدہ قضا کا اختیار کرنا اور اجتہاد و فتویٰ سے شرع میں تصرف کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان شرائط کا جامع نہ ہو اس پر حوادث وواقعات میں تقلید کرنا واجب ہے۔ (۵)

اقسام اجتہاد بیان کرتے ہوئے آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"ان المجتهد المطلق الذی مر تفسیره علی قسمین مستقل و منتسب" والخ۔ (٦)

مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مجتہد مستقل ۲۔ مجتہد منتسب۔ مجتہد منتسب سے نیچے دو درجے ہیں۔ ۱۔ مجتہد فی المذہب ۲۔ مجتہد فی الفتیا۔ یا متجر فی المذہب۔ (۷)

شوافع میں عام طور پر اس تقسیم کو شہرت حاصل ہے۔(۸)

باب دوئم میں آپؒ اختلاف مجتہدین کا ذکر فرماتے ہیں۔آپؒ اجمالی طور پر اختلاف کی حسب ذیل چار قسمیں اور ان کا حکم بیان فرماتے ہیں:

۱۔جس میں حق قطعی طور پر متعین ہو۔اس کی نقیض ظنی طور پر باطل ہوتی ہے۔اس میں مصیب یقیناً صرف ایک ہوتا ہے۔

۲۔جس میں حق غالب رائے سے متعین ہو۔اس کی نقیض ظنی طور پر باطل ہوتی ہے۔اس میں مصیب غالب رائے سے صرف ایک ہوتا ہے۔

۳۔جس کے طرفین میں قطعی طور پر اختیار ہو۔

۴۔جس کے دونوں طرف میں غالب رائے سے اختیار دیا گیا ہو۔(۹)

آپؒ نے تفصیل کے ساتھ وہ صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں صرف ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے، اور وہ صورتیں بھی، جن میں ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک صحیح حدیث اور نص کی موجودگی میں اجتہاد باطل ہے۔فرماتے ہیں کہ:

۱۔اگر کوئی مسئلہ ایسا ہے جن میں قضاء قاضی کی خلاف ورزی ہو۔بایں طور کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحیح اور معروف نص موجود ہو، تو اس کے خلاف ہر اجتہاد باطل ہوگا (۱۰) گویا اس صورت میں مصیب صرف ایک ہوگا۔

۲۔اگر ایک کو خبر واحد صادق پہنچی اور دوسرے کو نہ پہنچی تو پہلا مصیب ہوگا، دوسرا اس وقت تک معذور ہوگا جب تک یہ نص اس تک نہ پہنچ جائے۔(۱۱)

۳۔اگر اجتہاد کسی ایسے واقعہ سے متعلق ہو جس کا وقوع پہلے ہو چکا ہے، لیکن وقوع کے بعد حال مشتبہ ہو گیا۔مثلاً زید کی موت یا حیات تو اس میں صرف ایک صورت حق ہوگی اور مخطی اپنے اجتہاد میں معذور ہوگا۔(۱۲)

اجتہاد اگر کسی ایسے معاملہ میں ہو جو مجتہد کی تحری پر موقوف ہے اور دونوں کے ماخذ متقارب ہیں اور ان میں سے کوئی ماخذ ذہنوں سے اس طرح بعید نہیں کہ صاف طور پر معلوم ہو کہ اس مجتہد نے کوتاہی کی ہے، اور وہ لوگوں کے عرف اور ان کی عادت سے نکل گیا ہے۔تو اس صورت میں دونوں مجتہد مصیب ہوں گے۔(۱۳)

اگر کسی ایسے معاملہ میں اجتہاد ہے، جس میں اختیار دیا گیا ہے۔جیسے آپ فرماتے ہیں:

”ولیس نصا منهم و انه لاخلاف للامة فی تصویب المجتهدین فیما خبرفیه نصاً او اجماعاً کالقراء ات السبع وصیغ الادعیة والوتر بسبع وتسع واحدی عشرة فکذالك لا ینبغی ان یخالفوا فیماخیر فیه دلالة الخ۔“ (١٤)

”جس میں نص یا اجماع کی رو سے اختیار ہو۔ اس میں دونوں مجتہدوں کے صواب وصحت پر ہونے میں امت میں اختلاف بھی نہیں جیسے سبع قرأت، دعاوں کے صیغے اور وتر کے سات، نو اور گیارہ رکعتیں یا کوئی ایسا کام جو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی تسہیل کے لئے کئی طرح پر کیا ہو، اوراس کا ہر پہلو مصلحت پر حاوی ہو تو اس صورت میں دونوں مجتہد مصیب ہوں گے“۔(۱۵)

۳۔ اگر کسی مسئلہ میں متخالف احادیث وآثار ہیں اور ہر مجتہد نے ایک کی دوسرے کے ساتھ تطبیق یا ایک کی دوسرے پر ترجیح کی کوشش کی، اوراس طرح دونوں مجتہدوں میں اختلاف ہو گیا تو دونوں مصیب ہوں گے۔(۱۶)

۴۔ استعمال شدہ الفاظ اوران کی جامع ومانع حدود میں یا ارکان وشروط کی معرفت میں، دو مجتہدوں کا اختلاف ہوا، اور یہ اختلاف ذکر حذف یا تخریج مناط کی وجہ سے ہوا، یا اس وجہ سے کہ جس چیز کا وصف عام بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس خاص صورت پر صادق آتی ہے یا نہیں۔ یا کسی کلیہ کو اس کے جزئیات پر منطبق کرنے میں اختلاف ہوا۔ اور ہر مجتہد نے ایک منفرد رائے قائم کرلی۔ تو دونوں مصیب ہوں گے۔(۱۷)

۵۔ مجتہدین نے اصولِ مسائل میں اختلاف کیا جس سے فروعی مسائل میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا ان تمام اقسام میں دونوں مجتہد مصیب ہیں، جبکہ دونوں کے ماخذ ہمارے ذکر کردہ معنی کے قریب ہوں۔ یعنی ذہن میں آسانی سے آسکیں۔ بعید از عقل نہ ہوں۔(۱۸)

۶۔ اگر اختلاف کا منشا دو دلیلوں کے درمیان طرق جمع کا تعدد یا قیاس خفی ہے تو دونوں مصیب ہوں گے۔(۱۹)

اصابت مجتہد کی بحث

پھر خود ہی اس بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مجتہد اپنے اجتہاد سے جس حکم میں گفتگو کرتا ہے، دراصل وہ حکم صاحب شرع علیہ الصلوات والتسلیمات کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یا تو بعینہٖ آپ کے الفاظ کی طرف یا اس علت کی طرف جو آپ کے الفاظ سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے کہ ہر اجتہاد کے دو

مقام ہیں، ایک یہ کہ صاحب شرع نے اپنے کلام سے کیا یہی معنی مراد لئے ہیں یا کوئی اور۔ اور جب آپ نے منصوص علیہ حکم پر گفتگو فرمائی تو کیا فی نفسہ اس علت کو حکم کا مدار قرار دیا تھا یا نہیں اگر اس حیثیت سے مجتہدین کے مصیب ہونے پر بحث کی جائے تو یقیناً بلا تعین صرف ایک مجتہد مصیب ہوگا دوسرا مصیب نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو صراحتاً یا دلالتہً یہ حکم دیا ہے کہ جب آپ کے نصوص امت پر مختلف ہوں یا آپ کے نصوص میں سے کسی نص کے معانی میں اختلاف ہو، تو وہ اس بات پر مامور ہیں، کہ اجتہاد کریں، اور اس میں سے جو حق ہو اس کی معرفت کے لئے بقدر امکان اپنی طاقت صرف کریں اور جب کسی مجتہد کے نزدیک ان میں سے کوئی صورت متعین ہو جائے، تو اس پر اس کی متابعت واجب ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ تاریک رات میں جب قبلہ مشتبہ ہو جائے، تو ان پر واجب ہے کہ تحری کریں، اور تحری کے بعد جو جہت متعین ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کو شریعت نے تحری کے وجود پر اس طرح معلق کیا ہے جس طرح نماز کے وجوب کو وقت پر یا بچے کو بلوغ پر۔

پس اگر بحث اس حیثیت سے ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر مسئلہ ایسا ہے جس میں قضاءِ قاضی توڑ دی جاتی ہے، تب تو اس کا اجتہاد یقیناً باطل ہے۔ اس طرح اگر اس معاملہ میں کوئی صحیح حدیث موجود ہو اور مجتہد نے اس کے خلاف حکم کیا ہو، تب بھی اس کا اجتہاد باطل ہوگا۔ لیکن اگر دونوں مجتہدوں نے وہ راہ اختیار کی جو انہیں اختیار کرنی چاہیے تھی، اور کسی نے صحیح حدیث کی مخالفت نہیں کی اور نہ کوئی ایسی بات کہی جس میں قاضی کا فیصلہ یا مفتی کا فتویٰ توڑ دیا جاتا ہے تو اس صورت میں دونوں مجتہد مصیب ہوں گے۔ (۲۰)

''عقد الجید'' کے باب سوم میں آپؒ نے مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ انہیں ترک کرنے یا ان سے نکلنے کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ ان کے خیال میں مذاہب اربعہ کو ماننے میں عظیم مصلحت اور ان سے اعراض میں ایک بڑا فساد ہے مذاہب اربعہ کی تقلید کو آپؒ نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کے لئے انہوں نے ''عقد الجید'' میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اپنے اس خیال کی تائید میں آپؒ نے تین دلائل پیش کیے ہیں۔ جیسا کہ آپ ''عقد الجید'' میں بیان فرماتے ہیں:

"اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة و فی الاعراض عنها

كلها مفسدةٌ كبيرة ونحن نبين ذالك بوجوه۔"(۲۱)

"جان لینا چاہیے کہ ان مذاہب کے اختیار میں ایک عظیم مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا افساد ہے،ہم اس کو دلائل سے بیان کریں گے۔"

مذاہب اربعہ کی تقلید کے دلائل

ا۔اول امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں گے۔ تابعینؒ نے صحابہؓ پر تبع تابعینؒ نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے۔عقل اس کی تحسین پر کرتی ہے۔اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے معلوم ہوئی۔نقل اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے۔استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ کسی موقع پر ان کے اقوال سے خروج کی بنا پر اجماع نہ توڑ دے۔یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا قول پیش کرے اور نیز اس استنباط میں گزشتہ لوگوں سے مدد لے کیونکہ تمام فنون مثلاً صرف،نحو، طب،شعر،آہنگری،بڑھئی گیری اور رنگ ریزی کسی کو ان میں سے کوئی فن اس وقت تک نہیں آتا جب تک کسی ماہر فن کے ساتھ نہ رہا ہو۔ان کی صحبت کے بغیر صنعت کا حصول اگرچہ عقلاً ممکن ہے،لیکن عملاً ایسا شاذونادر ہوتا ہے۔جب یہ متعین ہو گیا کہ سلف کے اقوال پر اعتماد ضروری ہے، تو لازم ہے کہ ان کے معتمد علیہ اقوال صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی پوری طرح جانچ کی جا چکی ہو۔تاکہ ان کے محتملات میں سے راجح کو بیان کر دیا گیا ہو۔بعض مواقع پر ان کے علوم کی تخصیص کر دی گئی ہو۔بعض مواقع پر ان کے مطلق کو مقید کر دیا گیا ہو۔ان کے مختلف فیہ مسائل میں جمع کی صورتیں تلاش کر لی گئی ہوں اور ان کی علتیں بیان کر دی گئی ہوں۔ان امور کے بغیر ان پر اعتماد درست نہ ہوگا اور آج مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مذہب کی یہ کیفیت نہیں۔

۲۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔"اتبعوا السواد الاعظم۔" چونکہ ان مذاہب اربعہ کے سوا تمام مذاہب فنا ہو چکے ہیں،اس لئے ان کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔

۳۔یہ زمانہ چونکہ عہد رسالت سے دور ہے اور اس لئے امانتیں ضائع ہونے لگی ہیں۔ ایسے میں یہ جائز نہیں کہ ظالم قضاۃ یا ان مفتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جائے جو اپنی خواہشات

نفس کے غلام ہیں تاوقتیکہ وہ اپنی بات کو صریحاً یا دلالۃً سلف میں سے کسی ایسے شخص کی طرف منسوب نہ کریں جو صدق، امانت اور ذہانت میں مشہور ہو چکا ہے۔ اس کا یہ قول محفوظ ہو۔ اس شخص کے قول پر اعتماد جائز نہیں ہے، جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ وہ اجتہاد کے شرائط کا جامع نہیں۔ (۲۲)

تقلید واجب، تقلید حرام اور تقلید میانہ روی پر شاہ صاحب کی سیر حاصل بحث

باب چہارم اور پنجم میں حضرت شاہ صاحب تقلید واجب اور تقلید حرام اور تقلید میانہ روی پر سیر حاصل بحث فرماتے ہوئے عقد الجید میں لکھتے ہیں:

"اعلم ان التقليد المجتهد على وجهين واجب و حرام"

''جان لینا چاہیے کہ مجتہد کی تقلید دو صورتوں میں ہے ایک واجب اور ایک حرام۔''

اس کے بعد انہوں نے تقلید واجب اور تقلید حرام کی تفصیل بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں:

''جو شخص کتاب وسنت سے ناواقف ہے، اس کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ بذات خود تتبع اور استنباط کر سکے۔ لازماً وہ کسی فقیہ سے دریافت کرے گا کہ فلاں مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا ہے۔ جب وہ فقیہ اسے بتا دے گا تو وہ اس کی اتباع کرے گا خواہ فقیہ کا یہ قول صریح نص سے ماخوذ ہو یا اس سے مستنبط ہو یا کسی منصوص پر مقیس ہو۔ یہ تمام صورتیں رسول ﷺ سے روایت کی صورتیں ہیں۔ اگرچہ یہ روایت دلالۃً ہے اور اس صورت کی صحت پر نہ صرف قرناً بعد قرن پوری امت کا اتفاق رہا ہے بلکہ تمام امتیں اپنے شرائع کے بارے میں اس صورت پر متفق ہیں۔'' (۲۳)

حضرت شاہ صاحب ''مجتہد کے لئے تقلید کو حرام قرار دیتے ہیں۔ خواہ وہ ایک مسئلہ میں مجتہد کیوں نہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن حزم کے اس قول کے مطابق کہ تقلید حرام ہے۔ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن حزم کی یہ بات:

"انما يتم فى من له ضرب من الاجتهاد ولو فى مسئلة واحدة۔"(۲٤)

''بے شک وہ شخص جسے خود ایک گونہ اجتہاد حاصل ہو خواہ ایک مسئلہ میں کیوں نہ ہو اس کے لیے تقلید ضروری نہیں۔''

اس قول سے معلوم ہوا کہ مجتہد کے لئے تقلید حرام ہے، یعنی جو شخص تمام مسائل میں مجتہد ہو اس کے لئے تمام مسائل میں اور جو صرف ایک مسئلہ میں مجتہد ہو اس کے لئے ایک مسئلہ میں۔ علماء جنہیں ان علوم کے تمام انواع حاصل نہ ہوں جو اجتہاد کے لئے شرط ہیں ان کے لئے آپ لکھتے ہیں۔

"واذلم يعرف نوعاً من هذه الانواع فسبيله التقليد۔"(۲۵)

''اگران علوم پنجگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہوتو اس کا راستہ تقلید کرنا ہے۔''

آگے مزید وضاحت فرماتے ہیں:

"ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من حوادث" (۲۶)

''جو شخص ان شرطوں کا جامع نہ ہو اس پر حوادث وواقعات میں تقلید کرنا واجب ہے۔''

گویا ایسے علماء کو جنہیں اجتہاد میں بعض معتبر علوم آتے ہیں، شاہ صاحبؒ اسے حکم کے اعتبار سے عامی کی فہرست میں لے آتے ہیں اور ان کے لئے تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔

آپؒ چار قسم کے لوگوں کے لئے تقلید حرام قرار دیتے ہیں۔

۱۔وہ شخص جسے خود ایک گونہ اجتہاد حاصل ہو۔خواہ ایک ہی مسئلہ میں ہو۔(۲۷)

۲۔وہ شخص جس پر صاف ظاہر ہو گیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا اور اس کی ممانعت فرمائی۔اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ امر یا نہی منسوخ بھی نہیں۔ بایں طور کہ وہ مسئلہ میں احادیث مخالف اور موافق کے اقوال کا تتبع کرے اور اسے منسوخ نہ پائے۔یا یہ دیکھے کہ علوم میں تبحر رکھنے والوں کا جم غفیر اس کو اختیار کرتا ہے اور مخالف کے پاس قیاس اور استنباط جیسے دلائل کے سوا اور کوئی حجت نہیں تو ایسی صورت میں باطنی نفاق اور ظاہری حماقت کے سوا حدیث کی مخالفت کا اور کوئی سبب نہیں ہوسکتا۔(۲۸)

۳۔وہ عامی جو ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے،لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس جیسے شخص سے خطا ممکن نہیں اور اس نے جو کچھ کہا ہے وہ یقیناً صحیح ہے۔اس نے دل میں ٹھان لیا ہو کہ کسی صورت میں اس کی تقلید نہ چھوڑے گا' اگرچہ اس کے خلاف دلیل کیوں نہ سامنے آجائے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص "اِتخذو اَحبَارَهُم وَرُهبَانَهُم اَربَاباً مِن دُونِ الله" کا مصداق ہے۔(۲۹)

انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنا رکھا تھا۔

۴۔جو شخص ایسی حالت کو جائز نہ سمجھتا ہو کہ مثلاً کوئی حنفی کسی شافعی سے یا کوئی شافعی کس حنفی سے مسئلہ دریافت کرے یا کوئی حنفی کسی شافعی امام کی تقلید کرے۔گویا ایسی روش اختیار کرنے والے شخص نے قرون اولیٰ کے اجماع کے خلاف کیا اور تابعینؒ کی مخالفت بھی کی۔(۳۰)

تقلید میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ اس پر زور دیتے ہیں کہ

تقلید میں اعتدال رکھنا چاہیے جیسا کہ آپ ''عقد الجید'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

ولم نؤمن بفقیه ایا کان انه اوحی الله الیه الفقه و فرض علینا طاعته و انه معصوم فان اقتدینا بواحدٍ منهم فذلك لعلمنا انه عالم بکتاب الله و سنة رسوله فلایخلو قوله اما ان یکون من صریح الکتاب والسنة اومستنبطاً منهما بنحوٍ من الاستنباط اوعرف بالقرائن ان الحکم فی صورة مامنوط بعد کذا و اطمئن قلبه بتلك المعرفة فقیاس غیرالمنصوص علی المنصوص فکانه یقول ظننت ان رسول الله ﷺ قال کلما وجدت هذا العلة فالحکم ثمه هکذا والمقیس مندرج فی هذا العموم فهذا ایضاً معزوالی النبی ﷺولکن فی طریقة ظنون ولولا ذالك لما قلد مئومن لمجتهد فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم ﷺ الذی فرض الله علینا طاعته بسندٍ صالحٍ یدل علی خلاف مذهبه وترکنا حدیثه واتبعنا ذالك التخمین فمن اظلم منا وما عذرنا یومَ یقومُ الناس لِرَب العَالَمین۔(۳۱)

''ہم کسی فقیہ پر ایمان نہیں لائے کہ اللہ نے فقہ اس پر وحی کی ہے اور پھر ہم پر اس کی اطاعت فرض قرار دی ہے، نہ یہ کہ وہ امام معصوم ہے۔بس اگر ہم ان میں سے کسی امام کی بھی اقتداء کرتے ہیں تو صرف یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی سنت کا عالم ہے۔پس جو بات کہے گا یا تو وہ صریح کتاب وسنت کے مطابق ہوگی یا کسی طرح اس سے مستنبط ہوگی۔یا اس نے قرائن سے اطمینان قلب کے ساتھ یہ جان لیا ہوگا کہ اس صورت کا حکم اس علت سے وابستہ ہے اور اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرلیا ہوگا۔اس صورت میں گویا وہ امام یہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے وہاں یہ حکم ہوگا جو قیاس کیا گیا ہے وہ اس عموم کے تحت مندرج ہے تو فلھذا یہ صورت بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے۔اگر چہ اس کی راہ میں بہت سے ظنون ہیں اور اگر یہ بات امام میں نہ ہوتی تو مومن کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔چنانچہ اگر ہمارے پاس اس رسول معصوم ﷺ کی کوئی حدیث، صالح سند کے ساتھ پہنچے جس کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث اس کے مذہب کے خلاف ہے۔پھر بھی ہم اس حدیث کو ترک کردیں اور اسی تخمین کی پیروی کئے جائیں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔جس روز لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ہم کیا عذر پیش کرسکیں گے۔''

خلاصہ کلام

حضرت شاہ صاحبؒ صرف اس تقلید کے خلاف ہیں جس میں کسی غیر نبی کو واجب الاطاعت ہونے کا درجہ دے دیا جائے اور اس کے قول کے مقابلہ میں صحیح حدیث کو رد کر دیا جائے۔ اس قسم کے اعتقاد اور اس قسم کی تقلید کو وہ دین میں تحریف، گمراہی اور حرام قرار دیتے ہیں۔

۵

"عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید"

تنقیدی اور مطالعاتی جائزہ

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد کی تعریف کیا ہے؟ اس باب میں ناقدانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

"حقیقة الاجتهاد علی مایفهم من کلام العلماء استفراغ الجهد فی ادراك الاحکام الشرعیة الفرعیة عن ادلتها التفصیلیة الراجعة کلیاتها الی اربعة اقسام الکتاب، والسنة والاجماع والقیاس" (۱)

"اجتہاد کی تعریف جو کلام علماء سے سمجھی جاتی ہے یہ ہے کہ شریعت کے احکامات کے بارے میں تفصیلی دلائل اور ان کے کلیات کے مراجع وماخذ چار چیزیں ہیں، یعنی الکتاب، السنہ، اجماع اور قیاس۔ ان سے استنباط کر کے احکام وضع کرنا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس تعریف پر حسب ذیل تفریحات کی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"ویفهم من هذا انه اعم من ان یکون استفراغاً فی ادراك حکم ما سبق التکلم فیه من العلماء السابقین اولا وافقهم، فی ذالك او خالف ومن ان یکون ذالك باعانة البعض فی التنبیه علی صور المسائل والتنبیه علی ماخذ الاحکام من الادلته التفصیلیة او بغیراعانة منه الخ" (۲)

"اجتہاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف کسی ایسے مسئلہ کے ادراک کے لئے کوشش کی جائے جس پر علماء سلف میں سے کسی نے گفتگو نہ کی ہو۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی ایسے حکم کے ادراک میں سعی تمام صرف کرتا ہے جس میں علمائے سلف گفتگو کر چکے ہیں، تو خواہ اس کا ادراک علمائے سلف کے موافق ہو یا مخالف، اجتہاد کہلائے گا۔"

۲۔ اجتہاد کے لئے ضروری نہیں کہ جن مسائل میں کوشش کی جارہی ہے، ان مسائل کی

صورت اور ان کے تفصیلی دلائل پہلے کسی نے بیان نہ کئے ہوں۔ خود اپنے دماغ سے بغیر کسی اعانت کے دلائل سے ان کا حکم معلوم کیا جائے، بلکہ اس کوشش میں اگر علمائے سلف میں سے کسی کی اعانت حاصل ہو جاتی ہے تب بھی یہ اجتہاد ہی کہلائے گا۔

عقد الجید کے علاوہ یہ بات آپؒ نے مصفیٰ کے مقدمہ میں بھی تحریر فرمائی ہے۔ (۳)

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

مجتہد مطلق کے ماسوا کم درجہ کے مجتہد کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے:

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ ان غلط خیالات کی تردید کرتے ہیں کہ

''اگر کوئی شخص ہر حکم کی دلیل جانتا ہے۔ اس دلیل سے اس کا قلب مطمئن ہے۔ اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، علی وجہ البصیرت کہہ رہا ہے۔ لیکن اکثر مسائل میں وہ اپنے شیخ کی موافقت کرتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجتہد نہیں، آپؒ کے نزدیک یہ گمان فاسد ہے۔ اسی طرح پہلے گمان پر اعتماد کرتے ہوئے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کا وجود نہیں، آپؒ کے نزدیک غلط بنیادوں پر قائم ہے۔'' (۴)

آپؒ کے نزدیک ہر زمانے میں مجتہد مطلق سے کم درجے کے مجتہد کا وجود ضروری ہے۔ آپؒ کی اجتہاد کی یہ تعریف نہ صرف مجتہد مطلق پر صادق آتی ہے بلکہ اس سے کم درجہ کے مجتہد پر بھی صادق آتی ہے، جس کی وجہ سے آپؒ نے اس تعریف کے ساتھ مزید وضاحتیں فرمائی ہیں۔

اجتہاد کی اقسام وتشریح

شاہ صاحبؒ نے اجتہاد کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک اجتہاد مستقل اور دوسرا اجتہاد منتسب۔ انہی دو قسموں کو انہوں نے بعض جگہ اجتہاد مطلق اور مقید کے لفظوں سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ (۵) آپؒ کے نزدیک آئمہ اربعہ مجتہد مطلق یا مجتہد مستقل کے درجہ پر تھے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس اجتہاد مستقل یا مطلق کا انقطاع ہو گیا۔ اب آئندہ جو کوئی بھی مجتہد ہوگا، اسے لامحالہ ان آئمہ اربعہ کے طریقہ سے استدلال کرنا ہوگا۔ اسے ان کے جمع کئے ہوئے سرمایہ احکام ومسائل پر اس طرح اعتماد کرنا ہوگا جیسا کہ متاخرین زمانہ کے بڑے سے بڑے محقق اور مجتہد کو متقدمین کے سرمایہ علم پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کا نام اجتہاد مقید یا اجتہاد منتسب ہے۔ یہ اجتہاد کی دوسری قسم ہے۔ یہ اب بھی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گی۔ اس کا کبھی انقطاع نہیں ہوگا۔ چنانچہ تفہیمات الٰہیہ میں اس کو یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"امت راھیچ وقت از عرض مجتهدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست۔" (۶)

"امت کے لئے کبھی وہ وقت نہیں آئے گا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد کی ضرورت نہ ہو"

اس بات کی وضاحت میں "المصفیٰ فی شرح الموطا" میں تحریر فرماتے ہیں:

"چونکہ مسائل لامحدود ہیں اور جب تک کہ دنیا قائم ہے یہ مسائل پیدا بھی ہوتے رہیں گے، کتب فقہ میں جو کچھ درج ہے وہ ناکافی ہے۔ اس بناء پر مجتہدین کا ہونا ضروری ہے۔ اجتہاد فرض ہے۔ البتہ چونکہ اب کوئی مجتہد آئمہ اربعہ کی کوشش سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اس بنا پر یہ اجتہاد، اجتہاد مستقل نہیں ہوگا جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا۔" (۷)

آپؒ نے اگرچہ نام صرف امام شافعیؒ کا لیا ہے لیکن اس سے مراد باقی آئمہ ثلاثہ بھی ہیں۔ اس سے آپؒ کی مراد اساسی اجتہاد ہے جس نے فقہی تحقیق کا بنیادی ضابطہ تشکیل دیا ہو۔ یعنی ایسے اصول وضوابط بیان کئے ہوں جن کی روشنی میں اصول وکلیات سے جزئیات کا استنباط و استخراج ممکن ہے۔ مثلاً شریعت کے مصادر و ماخذ کا تعین ان کی ترتیب اور ایک دوسرے پر ترجیح کے اصول، ان کی تعریفات وتفصیلات، قرآن مجید اور احادیث و آثار سے استنباط احکام کے طریقے، احادیث وروایات کے ردوقبول کے معیارات وغیرہ ایسے بنیادی اجتہادات ہیں، جن سے ہر فقہی مذہب کا وجود اور ان کا تشخص عبارت ہے۔ یہ اساسی نوعیت کے اجتہادات ہیں۔ ایسا اجتہاد صرف اور صرف آئمہ اربعہ تک محدود ہے۔ آپؒ کے نزدیک ایسے اجتہاد کا انقطاع ہوچکا ہے۔ وہ اجتہاد جن کا تعلق اصولوں کی تشکیل کی بجائے اخذ نتائج یا صرف تعبیر وتشریح اور استنباط واستخراج سے ہے، ذیلی نوعیت کے ہیں۔ آئمہ اربعہ کے اساسی اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے مخصوص احوال زمانہ اور تقاضائے حالات کے تحت اجتہاد تو ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اسے آئمہ اربعہ سے اختلاف تصور کیا جاسکتا ہے۔ آپؒ کے نزدیک اس اجتہاد کا حکم یہ ہے:

"وهو باق الى ان تأتي أشراط الساعة الكبرى ولا يجوز انقطاعه شرعاً لأنه فرض كفاية ومتى قصر أهل عصر حتى تركوه اثموا كلهم۔" (۸)

"یہ فرض کفایہ ہے، ہمیشہ باقی رہے گا۔ کسی زمانے میں بھی اسے ترک نہیں کیا جاسکتا اور اگر اسے ترک کیا گیا تو سب اہل زمانہ گنہگار ہوں گے۔"

چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد

اس کو آپؒ نے اجتہاد منتسب کا نام دیا ہے کیونکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کوئی شخص بھی اجتہاد کرے گا، اس کا علم ماخذ و مصادر اجتہاد بلا واسطہ نہیں ہوگا بلکہ بالواسطہ ہوگا۔ راویوں کی جرح وتعدیل روایت کے متن کی کمی بیشی اور اس میں ادل بدل کے علم کے لئے وہ متقدمین کی مدد اور ان کی فراہم کردہ معلومات کا محتاج ہوگا۔ آئمہ اربعہ کا اجتہاد بلا واسطہ ہے، کیونکہ انہوں نے تبع تابعینؒ جن میں متعدد حضرات اصحاب مذاہب تھے، ان سے براہ راست استفادہ حاصل کیا تھا۔ راویوں کی جرح وتعدیل اور لغت عربی وغیرہ کی معرفت میں وہ کسی شخص کے واسطے اور مدد کے محتاج نہیں تھے۔ وہ یہ کام خود اور براہ راست کر سکتے تھے۔ اس بنا پر آپؒ فرماتے ہیں کہ اب اجتہاد مطلق نہیں ہوسکتا۔ آپؒ ہر زمانے میں صرف مجتہد منتسب کا وجود فرض کفایہ مانتے ہیں۔ اس کے دو وجوہ بیان فرماتے ہیں۔ ایک تو مسائل کثیر الوقوع اور غیر محصور ہیں۔ ان میں احکام الٰہی کی معرفت واجب ہے اور جو مدون ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے، وہ ناکافی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مدون ذخیرہ میں بھی بڑے اختلاف ہیں اور دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر انہیں حل نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ نت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور اختلافات کی صورت میں ادلہ کی طرف رجوع کر کے ان کو حل کرنا یہ کام مجتہد ہی کر سکتا ہے۔ (۹)

مجتہد کیلئے شرائط

ایک مجتہد کو کن کن علوم وفنون سے آراستہ ہونا چاہیے، ان کے ورع اور تقویٰ کا عالم کیا ہونا چاہیے؟۔ اس سلسلہ میں آپؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بیشتر حصہ بغویؒ، نوویؒ، رافعیؒ اور امام غزالیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

مجتہد کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں عدالت، ورع اور تقویٰ پایا جائے۔ عربی زبان میں مہارت رکھتا ہوتا کہ قرآن وحدیث کی شرعی نصوص کا صحیح ادراک کر سکے۔ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو۔ سنت رسولؐ کا علم علماء سلف کے اقوال یعنی ان کے اختلافات اور اجماعات کا علم رکھتا ہو۔ علاوہ ازیں ناسخ ومنسوخ، مجمل ومفسر خاص وعام، محکم ومتشابہ نیز مکروہ، مباح، مستحب اور وجوب سے پوری واقفیت ہو اور سنت نبوی کے بارے میں ان تمام تفصیلات کو جاننے کے علاوہ حدیث کے مختلف اقسام مثلاً صحیح، ضعیف، مسند اور مرسل سے بھی کامل طور پر باخبر ہو۔ سنت رسول اللہ

ﷺ کی معرفت حاصل ہو۔ ان قولی، فعلی اور تقریری احادیث کا علم رکھتا ہو جن میں شریعت کے احکام وارد ہوئے ہیں۔ مجتہد قیاس کے اصول سے پوری طرح آگاہ ہو۔ ان اسباب و علل کا علم ہو جو نصوص شرعیہ کے لئے حکمت اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قیاس کے تمام قوانین وضوابط کی معرفت حاصل ہو۔ یہ بھی علم رکھتا ہو کہ کتاب وسنت میں حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں سلف صالح کا طریقہ اجتہاد کیا تھا۔ احکام شریعت کے مقاصد اور حکمتوں سے واقف ہو۔

ہر کس و ناکس کا اجتہاد فطرت سے انحراف اور فسادِ ایمان سے خالی نہیں آپؒ نے مجتہد مطلق کے لئے حسب ذیل پانچ چیزوں کا علم ضروری قرار دیا ہے:

۱۔ کتاب: آپؒ کے نزدیک مجتہد مطلق کے لئے قرأت و تفسیر کے اعتبار سے کتاب اللہ کا علم ضروری ہے۔ (۱۰) کتاب اللہ کے صرف اتنے حصہ کا علم ضروری ہے جو احکام سے متعلق ہے۔ (۱۱) قصص و مواعظ و اخبار کا علم ضروری نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن مجید حفظ ہو۔ (۱۲) کتاب اللہ کے خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و بین، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، کراہت و تحریم، اباحت و ندب اور وجوب کا علم بھی ضروری ہے۔ (۱۳)

۲۔ سنت: آپؒ فرماتے ہیں کہ سنت سے متعلق صرف اتنے حصے کا علم ضروری ہے جن کا تعلق احکام سے ہے۔ ان کے علاوہ قصص و مواعظ و اخبار کا علم ضروری نہیں۔ (۱۴) یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام متفرق احادیث کا تتبع کیا جائے بلکہ اگر کسی کے پاس احادیث احکام کی جامع کوئی صحیح کتاب موجود ہو، مثلاً سنن ترمذی یا نسائی یا مثلاً ابوداؤد تو یہ کتاب کافی ہے۔ (۱۵)

صحیح، ضعیف، متواتر، احاد، مرسل مسند، معضل اور منقطع احادیث کا علم بھی ضروری ہے۔ خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و بین، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، کراہت و تحریم، اباحت و ندب اور وجوب کا علم ضروری ہے۔ (۱۶)

کتاب کو سنت پر اور سنت کی کتاب پر کس طرح ترتیب ہوتی ہے، تاکہ اگر کوئی حدیث ایسی نظر آئے جو بظاہر کتاب کے موافق نہ ہو تو اس کا محمل معلوم ہو سکے۔ گویا سنت کے بارے میں مجتہد کے لئے جمہور نے جن چیزوں کا علم ضروری قرار دیا ہے وہی آپؒ کا نقطہ نظر ہے۔

۳۔ اجماع: آپؒ لکھتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے شرط ہے کہ اسے مسائل میں سلف کے اقوال کا علم ہو کہ کن امور میں ان کا اجماع ہے کن امور میں اختلاف ہے۔ تاکہ اجماع سے تجاوز کرنے یا جن مسائل میں اختلاف کی دو صورتیں ہوں ان میں تیسرا قول اختیار کرنے کی نوبت

نہ آئے۔(۱۷)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجماع وخلاف کے تمام مواقع کا علم ضروری نہیں بلکہ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا فتویٰ اجماع کے مخالف نہیں ہے۔اس کی معرفت دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔یا تو یہ دیکھ لے کہ اس کا فتویٰ کس مذہب کے موافق ہے یا یہ یقین کرے کہ یہ مسئلہ اس کے زمانے کی پیداوار ہے اور سابق اہل اجماع کو اس پر غور کرنے کا موقع نہ تھا۔(۱۸)

اجماع کے سلسلہ میں اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ مجتہد مطلق کے لئے مواقع اجماع کا علم ضروری ہے تا کہ کسی موقع پر اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے دے۔لیکن امام شافعیؒ نے مواضع خلاف کا علم ضروری قرار دیا ہے۔(۱۹)

آپؒ نے مجتہد مطلق کے لئے مواقع اجماع کی معرفت کو شرط قرار دینے کی بجائے اقوال سلف اور مواضع اجماع وخلاف کی معرفت کو شرط قرار دیا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ آپؒ نے یہ بات محض امام شافعیؒ کے اتباع میں کہی ہے ورنہ عام طور پر مواضع اجماع کے علم کو تمام علماء مجتہدین کے ہاں شروع ہی سے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

۴۔قیاس: قیاس کے شرائط اور اس کے احکام نیز مقبول اور مردود قیاس کا علم بھی مجتہد کے لئے ضروری ہے تا کہ مسائل کا صحیح استنباط کیا جا سکے۔(۲۰)

آپؒ بھی فرماتے ہیں کہ مجتہد مطلق کے لئے قیاس جلی اور خفی کا علم اس طرح ضروری ہے کہ صحیح اور فاسد قیاس میں فرق کر سکے۔طریق استنباط کا علم بھی اس کے لئے ضروری ہے۔(۲۱)

۵۔علم عربیت: علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک شریعت میں مجتہد نہیں ہو سکتا جب تک کلام عرب میں اس طرح مجتہد نہ ہو جائے کہ خطابتِ عرب کا فہم اس کے لئے بے تکلف وصف بن جائے۔مزید لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔جب تک کوئی شخص فہم عربیت اور فہم شریعت میں منتہی نہ ہو اس میں قصوروار ہوگا۔اور قاصر (قصوروار) کی بات حجت نہیں ہوتی۔(۲۲)

شاہ صاحبؒ کے نزدیک مجتہد مطلق کے لئے نحو اور لغت وغیرہ کے اعتبار سے علم عربیت ضروری ہے۔(۲۳) لیکن لغت صرف اتنی جاننا ضروری ہے جو احکام کے سلسلہ میں کتاب و سنت میں استعمال ہوئی ہے۔معرفت لغت میں اسے اتنی محنت کرنی چاہئے کہ مواقع اور احوال کے اختلاف سے اہل عرب کے کلام کی مراد میں اختلاف اس کی سمجھ میں آ جائے۔جو شخص عربی نہ جانے وہ شارع کی مراد سے واقف نہیں ہو سکتا۔(۲۴)

مجتہد مطلق کے لئے ان پانچ شرائط کا ذکر کرنے کے بعد آپؒ فرماتے ہیں کہ ان علوم کے بڑے حصے کا جان لینا کافی ہے۔ لیکن اس تبحر کے ساتھ جاننا ضروری نہیں کہ ایک چیز بھی اس سے چھوٹنے نہ پائے، البتہ اگر ان میں سے کوئی نوع اسے معلوم نہ ہو تو وہ مجتہد نہیں بن سکتا۔ پھر اس کا کام تقلید کرنا ہے۔ (۲۵)

مندرجہ بالا شرائط سے یہ بات بخوبی سامنے آجاتی ہے کہ اجتہاد کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ عوام کو اجتہاد کرنے کی دعوت دینا ان کے ایمان و اسلام کو خطرے میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ جس کے متعلق امام غزالیؒ یوں رقم طراز ہیں:

"ان الاجماع منعقد علی ان العامی مکلف بالاحکام وتکلیفه طلب رتبة الاجتهاد محال لانه یئودی الیٰ ان ینقطع الحرث والنسل وتتعطل الحرف والصنائع ویودی الیٰ خرابِ الدنیا لو اشتغل الناس بحملتهم بطلب العلم وذالك یرد العلماء الیٰ طلب المعایش ویئودی الیٰ اندراس العلم بل الیٰ اهلاك العلماء وخراب العالم۔" (٢٦)

"مرتبہ اجتہاد حاصل کرنے کا ہر کس و ناکس کو مکلّف بنانا ایک طرح سے امر محال ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آخر کار کھیتی باڑی کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ صنعت و حرفت تباہ ہو جائے۔ اور یہ معمورہ عالم (تیار شدہ عالم) کسی خرابہ میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ اگر تمام کے تمام عام لوگ طلب علم (اجتہاد) ہی میں منہمک ہو جائیں تو ہلاکت کے سوا اور کیا نتیجہ نکلے گا۔"

امور شرعیہ میں تقلید کا ثبوت صحابہؓ کے زمانے سے لے کر آج تک بلا انقطاع جاری و ساری ہے۔

چنانچہ امور شرعیہ میں صحابہؓ کے زمانے سے لے کر آج تک بلا انقطاع، تقلید کا ثبوت یعنی حسن ظن کی بنا پر دوسرے علماء سلف و خلف کی بات کو بلا دلیل مان لینا اور صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنا جاری و ساری ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے سے لے کر آج تک یہ دستور رہا ہے کہ ایک علاقے میں عموماً ایک یا دو عالموں کا انتخاب کر کے ان کے فتاویٰ اور اقوال پر عمل کیا گیا۔ انہیں گویا بطور سند تسلیم کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس کو "الانصاف اور حجته الله البالغه" میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"فعند ذالك صار لكل عالم من علماء التابعين مذهب على حياله وانتصب في كل بلد امام مثل سعيد بن المسيب و سالم بن عبدالله بن عمر في المدينة و بعدهما

الزهری والقاضی یحییٰ بن سعید وربیعة بن عبدالرحمان فیها و عطاء بن ابی رباح بمکة وابراهیم النخعی، والشعبی بالکوفة والحسن البصری بالبصرة وطاؤس بن کیسان بالیمن و مکحول بالشام فاظماء الله اکبادا الیٰ علومهم۔۔ الخ۔"(۲۷)

"انہیں حالات میں علماء تابعین میں سے ہر ایک عالم کا ایک الگ مسلک اپنے انداز کا بن گیا اور ہر شہر کا اپنا ایک امام بن گیا۔ مثلاً سعید بن مسیّب اور سالم بن عبداللہ بن عمر مدینے میں۔ جن کے بعد زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن بھی امامت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ مکہ میں عطا بن ابی رباح، کوفے میں ابراہیم نخعی اور شعبی، بصرے میں حسن بصریؒ، یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول امامت کے منصب پر فائز رہ کر تشنگان علم دین کی سیرابی کا سامان فراہم کرتے رہے۔"

پھر کچھ زمانے کے بعد بہت سے معلوم ومعروف مصالح اور تقاضوں کی بناء پر آئمہ اربعہ کی تقلید میں انحصار ضروری قرار دینے میں حکمائے امت کو امت کی خیر نظر آئی۔ جس کی افادیت اور ضروری ہونے کو شاہ ولی اللہؒ "حجتہ اللہ البالغہ" میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ومما یناسب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الافهام وزلت الاقدام وطغت الاقلام منها۔ ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من یعتد به منها علی جواز تقلیدها الیٰ یومنا هذا، وفی ذالك من المصالح ما لا یخفیٰ لاسیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جدا، واشربت النفوس الهویٰ واعجب کل ذی رأی برأیه۔"(۲۸)

"کچھ ایسی باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق ان مسائل سے ہے جن میں غور وفکر کی بے راہ روی، پائے ثبات کی لغزش اور قلم کی جسارت کی روایات وابستہ رہی ہیں۔ ایک مسئلہ منجملہ ان مسائل کے یہ ہے کہ یہ چاروں مسالک جو باقاعدہ طور پر مدون اور موجود ہیں، ان کی تقلید جائز ہے۔ اس بات پر پوری امت یا امت کا بڑا طبقہ آج بھی متفق ہے۔ اسی میں عافیت اور ظاہر وباہر سلامتی ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ ہمتیں نہایت ہی درماندہ ہو چکی ہیں اور نفوس کے اندر ہوا وہوس جاگزیں ہو گیا ہے اور ہر شخص جس میں ذرا بھی شدبدھ ہے من مانی کرنا ہی پسند کر رہا ہے۔"

اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے "عقد الجید" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنها کلها مفسدة کبیرة۔"(۲۹)

"جان لینا چاہیے کہ ان مذاہب کے اختیار میں ایک عظیم الشان مصلحت اوران کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے میں ایک عظیم مصلحت ہے۔ اس لئے اس کے چھوڑنے کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ان کے خیال میں مذاہب اربعہ سے نکلنے میں ایک بڑا مفسدہ ہے۔ مذاہب اربعہ کی تقلید کو شاہ صاحبؒ نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کے لئے انہوں نے عقد الجید میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

تقلید واجب اور حرام کی دوصورتوں کی تفصیل نیز فقیہ کا استنباط روایتِ حدیث کا حصہ ہے:

تقلید کے وجوب پر دلائل دیتے ہوئے عقد الجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلم ان تقلید المجتهد علی وجهین واجب وحرام"

اس کے بعد انہوں نے تقلید واجب اور حرام کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو شخص کتاب و سنت سے ناواقف ہے اس کے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ بذات خود تتبع اور استنباط کر سکے۔ لازماً وہ کسی فقیہ سے دریافت کرے گا کہ فلاں مسئلہ میں رسول کریم ﷺ کا حکم کیا ہے۔ جب وہ فقیہ اسے بتادے گا تو وہ اس کی اتباع کرے گا، خواہ فقیہ کا یہ قول صریح نص سے ماخوذ ہو یا اس سے مستنبط ہو یا کسی منصوص پر مقیس ہو۔ یہ تمام صورتیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی صورتیں ہیں۔ اس صورت پر تمام امت کا اتفاق ہے بلکہ تمام امتیں اپنے شرائع کے بارے میں اس صورت پر متفق ہیں۔(۳۰)

مزید تفصیل فرماتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"لا یدین الابقول النبی ﷺ ولا یعتقد حلالاً الاما احله الله ورسوله ولا حراماً الا ما حرمه الله ورسوله لکن لما لم یکن له علم بما قاله النبی ﷺ ولابطریق الجمع بین المختلفات من کلامه ولابطریق الاستنباط من کلامه اتبع عالماً راشداً علی انه مصیب فی مایقول ویفتی ظاهراً متبع سنته رسول الله ﷺ فان خالف مایظنه اقلع من ساعته من غیر جدال ولا اصرار" (۳۱)

"وہ مقلد صرف رسول اللہ ﷺ کے قول کا پابند ہے، حلال اس کو سمجھتا ہے جس کو اللہ اور

رسول ﷺ حلال کہیں اور حرام اس کا مانتا ہے جس کو اللہ و رسولؐ حرام فرمائیں۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کے قول کا اس کو براہ راست علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، ان میں تطبیق کی اس کو لیاقت نہیں اور نہ آپؐ کے کلام سے مسئلہ ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے اس لئے اس نے ایک صاحب رشد عالم کی اس بناء پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ دے رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیرو ہے۔ اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا تو وہ اسی وقت بغیر کسی بحث و اصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی سے ہٹ جائے گا اور حدیث پر عمل کرے گا۔"

استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی سے رائج تھا۔

اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانے میں رہا ہے۔ جس کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"استفتاء اور افتاء کا دستور مسلمانوں میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی معین شخص سے ہمیشہ استفتاء کرے یا کبھی ایک سے کرے اور کبھی دوسرے سے کرے۔ ایسی حالت میں کہ اس کے خیال میں وہی بات ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے کہ اصل پیروی جناب پیغمبر خدا ﷺ کی ہے، اور اس میں کیا اشکال کی بات ہے جب کہ ہم کسی بھی فقیہہ پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف علم فقہ کی وحی کی ہے۔ ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ وہ معصوم ہے۔ ہم اگر ان فقہا یا ان آئمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی اقتداء کرتے ہیں، تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا عالم ہے اور اس کا قول یا تو کتاب و سنت کے کسی صریح کلام پر مبنی ہوگا یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے مستنبط ہوگا یا اس نے قرائن سے یہ سمجھا ہوگا کہ فلاں صورت میں جو حکم شرعی ہے وہ فلاں علت کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہو گیا ہے۔ اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا ہے تو گویا وہ کہتا ہے کہ میرا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے وہاں یہ حکم ہوگا۔ یہ مسئلہ جن کو مجتہد نے قیاس کیا ہے وہ اسی عموم کے تحت میں آتا ہے تو درحقیقت اس سب کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہوئی لیکن بہرحال اس کے طریق میں کچھ ظنی چیزیں ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی صاحب ایمان کبھی کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ اب اگر ہم کو رسول معصوم ﷺ کی، جن کی اطاعت ہم پر اللہ نے فرض کی ہے

کوئی حدیث صحیح سند سے ایسی پہنچ جائے جو اس کے مذہب کے خلاف دلالت کرتی ہے اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس (فقہ کے قیاس) کی پیروی کریں جو ظنی ہے اور ایک اندازہ پر مبنی ہے تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا اور روز قیامت ہم خدا کو کیا جواب دیں گے۔" (۳۲)

حرام تقلید نیز تقلید میں افراط و تفریط کی مذمت:

حضرت شاہ صاحبؒ ایسی تقلید کو بالکل ناپسند فرماتے تھے جس میں افراط و تفریط ہو۔ جس میں عوام اپنے امام کو معصوم عن الخطاء سمجھتی ہو۔ جن کے دل میں یہ بات راسخ ہو چکی ہو کہ اس کو امام کی تقلید کسی حال میں نہیں چھوڑنا ہے تو حضرت شاہ صاحبؒ اس طرح کی عوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفی من یکون عامیاً ویقلد رجلامن الفقهاء بعینه یری انه یمتنع من مثله الخطاء و ان ماقاله هوالصواب البتة واضمرفی قلبه ان لا یترك تقلیده وان ظهرالدلیل علی خلافه و ذالك ماروا ه الترمذی عن عدی بن حاتمؓ انه قال سمعته یعنی رسول الله ﷺ یقراء "اِتَخذُوا اَحبَارَهُم ورُهبانهم اَرباباً من دون الله" قال انهم لم یکونوا یعبدونهم ولکنهم کانو اذا حلوا لهم شیعاًاستحلوه واذ حرمو اعلیهم شیعاً حرموه۔" (۳۳)

ابن حزم کا یہ کہنا کہ تقلید حرام ہے اس عامی کی تقلید کے بارے میں صحیح ہے جو کسی ایک معین فقیہ کی تقلید کرتا ہے اور اس کا اعتقاد ہے کہ خطاء اس سے ناممکن ہے اور جو کچھ اس نے کہہ دیا وہ مطلقاً و یقیناً صحیح ہے۔ جس نے دل میں یہ عزم اور فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے امام یا عالم کی تقلید نہیں چھوڑے گا، اگرچہ دلیل اس کے خلاف ثابت ہو جائے۔ اس طرح کی تقلید کے متعلق وہ حدیث وارد ہوئی ہے جو حضرت عدی بن حاتمؓ نے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے سورۃ توبہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "اِتَخذُوا اَحبَارَهُم ورُهبانهم اَرباباً من دون الله" آپ نے فرمایا کہ وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ ان کا معاملہ صرف یہ تھا کہ جس چیز کو یہ علماء و مشائخ حلال کر دیں اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جس کو وہ حرام کر دیں اس کو حرام بنا لیتے تھے۔

خلاصہ کلام

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک کسی امام کی تقلید اس وقت تک کرنی چاہیے جب تک اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث یا کوئی قوی دلیل اس کے مذہب کے خلاف نہ ملے۔ یعنی شریعت نے

بیک وقت اجتہاد وتقلید دونوں کی ضرورت محسوس کی۔ جس سے واضح ہے کہ شریعت نہ تو اجتہاد بلا تقلید چاہتی ہے اور نہ تقلید بلا اجتہاد اور یہی اس کی جامعیت ہے۔ ورنہ اجتہاد بلا تقلید افراط ہے اور تقلید بلا اجتہاد تفریط ہے۔ اس طرح اجتہاد وتقلید کے مضر پہلوؤں سے بچا کر امت کو درمیان کے معتدل نقطہ پر قائم فرما دیا اور یہی حضرت شاہ صاحبؒ کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ کہ انہوں نے کتاب وسنت کو فقہیات واحکام کا ماخذ بنانے اور ان کو حق کا معیار قرار دینے کی طاقتور دعوت دی۔ اور ''فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول'' (۳۴) پر عمل کا نمونہ پیش کیا۔ اور امت کے علمی حلقوں میں جن میں ایک عرصہ سے اجتہاد واستنباط کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ نئ علمی وفکری دعوت دے کر براہ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کی تحریک پیدا کی، اور صحیح اسلامی فکر کا احیاء کیا جو قرون اولیٰ میں پائی جاتی تھی۔

اجتہاد قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلام میں حاکمیت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔"اِنِ الحُکمُ اِلَّاللّٰہ۔" (۱) "حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے" وہ صرف مذہبی معنوں میں معبود نہیں بلکہ وہ حاکم مطلق، قانون بنانے والا اور دینے والا ہے۔ امر ونہی کا اصل سرچشمہ بھی وہی ہے۔ اس شرعی قانون کو ماننے اور اس کے مقابلے میں اپنے اختیارات سے دست بردار ہو جانے کا نام اسلام ہے۔ خالق ومالک ہونے کی حیثیت کی بناء پر قانون اور حکم بھی اسی کا ہوگا۔"اَلَا لَہُ الخَلقُ وَالاَمر۔" (۲) کے تحت جن معاملات میں اللہ اور رسولؐ نے جب کوئی فیصلہ کر دیا ہو تو اس میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور مصلحت کے پیش نظر کوئی فیصلہ کرے۔ ارشاد ہے:

"وَ مَا کَانَ لِمُؤمِنٍ وَّ لَا مُؤمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُولُہٗ اَمرًا اَن یَّکُونَ لَھُمُ الخِیَرَۃُ مِن اَمرِھِم وَ مَن یَّعصِ اللّٰہَ وَ رَسُولَہٗ فَقَد ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِینًا" (۳)

"اور کسی مومن اور مومنہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جن معاملات میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ کر دیں تو اس میں انہیں اختیار ہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا، تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔"

ان آیات کریمہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ جن معاملات میں اللہ اور اس کا رسولؐ واضح احکام دے چکے ہوں، ان میں اپنی عقل ورائے سے کسی قسم کا تغیر وتبدل کر سکے بلکہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کے احکامات کو دل وجان قبول کرے اور ان میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَھُم ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِی اَنفُسِھِم حَرَجًا مِّمَّا قَضَیتَ وَ یُسَلِّمُوا تَسلِیمًا" (٤)

''پس اے نبی! آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے باہمی نزاعات میں فیصل نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اسے پوری طرح تسلیم کریں۔''

اللہ نے جو احکام اپنی کتاب اور اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعے عطا فرمائے ہیں ان میں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ ان واضح احکامات کو محض اپنی عقل اور اجتہاد کے ذریعے بدل سکے۔ اگر ان کو وحی الٰہی کے بغیر صرف عقل خالص کے حوالہ کیا جائے تو انسان گمراہی اور ضلالت میں پھنس جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

''یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔'' (۵)

''اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر یہ باتیں اس لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ ھٰذَآ اَوۡ بَدِّلۡہُ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَہٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ''(٦)

''جو لوگ ہم سے ملاقات یعنی آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس کو کچھ بدل دو۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اس کو بدل دوں میں تو صرف اس وحی کا اتباع کرتا ہوں، جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔''

قرآنی احکامات میں تغیر و تبدل کا اختیار نبی ﷺ کو نہیں دیا گیا، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے واضح طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اس کو بدل سکوں۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ الحدیث، ''مَنۡ قَالَ فِی الۡقُرۡاٰنِ بِرَائِیہِ فَلۡیَتَبَوَّاۡ مَقۡعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔'' (۷) ''جس شخص نے اپنی رائے سے یعنی محض عقل سے قرآن میں کلام کیا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔''

دوسری روایت میں ہے:

''من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار۔'' (۸)

''یعنی جس نے بغیر علم کے قرآن میں کلام کیا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔''

ان آیات واحادیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ جن معاملات میں اللہ اور رسول ؐ نے

جب کوئی فیصلہ کر دیا ہو تو اس میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور مصلحت کے پیش نظر کوئی فیصلہ کرے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ ترمیم و تغیر ہو گا جس کا کسی انسان کو اختیار نہیں دیا گیا۔

قیاس بمقابلہ نص

مجتہد کا یہ کام نہیں کہ بمقابلہ نص یا احادیث کے قیاس کرے۔ تمام علماء خاص و عام کا اس پر اتفاق ہے۔ بمقابلہ نص یا حدیث کے قیاس ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مؤمن بھی اس کو جائز قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی عالم یا مجتہد اس کو جائز قرار دے اور باوجود نص کے اپنی رائے یا قیاس سے حکم مخالف نص کے دے اور قیاس فاسد کر کے سب نصوص کو رد کرے۔ یہ امر باطل و حرام ہے۔

قیاس بمقابل نص کے وہی ہو گا جو کسی نص کے موافق نہ ہو۔ اگر کسی حدیث میں حکم کی حاجت ہوتی ہے اور وہاں کوئی نص، آیت یا صریح حدیث موجود ہے جو دوسرے معنی کی متحمل نہیں اور غیر منسوخ اور غیر معارض ہے تو وہاں کوئی قیاس نہیں کر سکتا۔ نہ وہاں قیاس کی حاجت ہے کیونکہ خود شارع کا حکم موجود ہے، وہاں قیاس ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں اگر کوئی مجتہد ایک نص میں دو احتمال پاتا ہے، حقیقی اور مجازی معنی کے اعتبار سے یا اشتراک معنی کے سبب سے یا ظاہر الفاظ یا علت نص کسی وجہ سے تو وہاں اگر مجتہد غور و تدبر علمی سے کسی جانب کو ترجیح دے کر مقرر کرتا ہے اور دوسری جہت کو متروک العمل یا ترک نص کا دوسری نصوص کلیہ کے حکم سے کرتا ہے تو یہ ترجیح قیاس بمقابلہ نص نہیں ہوگی، بلکہ عین عمل بالنص ہو گا۔

نص سے مزید استنباط کرنے کی صورت میں مجتہد کا باذوق اور مسائل شرعیہ و نصوص کے مخفی اور باطنی علم سے خوب واقف ہونا ضروری ہے

مجتہد کا کام مسائل شرعیہ اور نصوص کے مخفی اور باطنی خاصیتوں کا پتہ چلانا ہے۔ کلیات سے نئے نئے جزئیات اور حکمتوں اور مصلحتوں کا نکالنا ہے۔ مثلاً شراب نوشی کے متعلق حکم نص سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ اس کی حرمت کی علت اور وجہ نشہ ہے تو گویا جو بھی ایسی چیز ہو جس میں یہ علت پائی جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہو گا اور اس کا پینا حرام ہو گا۔ اسی طرح زنا کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ القرآن: "وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى." (۹) یعنی زنا کے قریب مت جاؤ اور ساتھ ہی اس کی علت اور وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے۔ "اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً." کیونکہ زنا فحش ہے۔ بظاہر "وَ لَا تَقْرَبُوا" کا حکم زنا پر لگ رہا ہے مگر حقیقتاً فحش پر لگا ہوا ہے۔ کیونکہ فحش کی وجہ سے زنا

حرام ہوا ہے۔ اگر اس میں فحش نہ ہوتا تو یہ ہرگز حرام نہ ہوتا۔ اب جن چیزوں میں فحش کی علت پائی جائے گی وہ حرام ہوتے جائیں گے۔ اب اس بات کو ثابت کر کے اس پر فحش کا حکم لگانا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یہ کام صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جو ذوق اجتہاد رکھتا ہو، قرآن وحدیث پر عبور رکھتا ہو، ذہین وفہیم ہو جوان تمام باتوں کو غور وفکر اور تدبر کے بعد ان میں اجتہاد کر سکے۔

بعض اوقات نص میں حکم کے سوا نہ علت پوشیدہ ہوتی ہے اور نہ اس میں کوئی وصف ہی ایسا پایا جاتا ہے جس سے علت کا حکم استنباط کیا جا سکے، ایسی صورت میں مجتہد قواعد شرعیہ کی مدد سے اور اپنی اجتہادی قوت سے علت کا استخراج کرتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد مبارک ہے:

"وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا" (۱۰)

''گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔''

اب اس کی علت کو معلوم کرنے کے لئے مجتہد نے اپنے اجتہادی ذوق سے اس حکم کو لیا۔ "افعلو الامور علی منوالها" ''کاموں کو ڈھنگ سے کرو۔'' یعنی کام کو بے ڈھنگے طریقہ سے نہ کرو۔ اب اس کلیہ کے انکشاف کے بعد ہر اس فعل کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ جس میں بے ڈھنگے پن کی علت پائی جائے۔ لہٰذا پہلے حکم کی علت یہ ہوئی کہ دروازہ کے ہوتے ہوئے گھروں میں دیواریں پھلانگ کر گھسنا بے ڈھنگا پن ہے جو تہذیب واخلاق کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ فعل ممنوع ہوا۔ اب اس کلیہ کے انکشاف کے بعد ہر اس فعل کو ممنوع قرار دیا جائے گا جس میں ناموزوعیت پائی جائے گی۔ اسی طرح ایک مجتہد ایک نص میں دو احتمال پاتا ہے۔ ظاہر اور حقیقی معنی کے اعتبار سے یا اشتراک معنی کے سبب سے یا ظاہر الفاظ یا علت نص کی وجہ سے تو وہاں مجتہد کا کام غور وفکر اور تدبر علمی سے کسی جانب کو ترجیح دے کر ایک حکم مقرر کرنا ہے اور دوسری جہت کو متروک العمل۔ تو یہ ترک نص نہیں بلکہ عین عمل بالنص ہوگا۔ جس کی وضاحت بخاری شریف کی اس حدیث سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ جبکہ آپ ﷺ نے جنگ خندق کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ:

"لَا يُصَلِّين احد العصر الافی بنی قریظه۔" (۱۱)

ترجمہ: ''ہرگز کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں۔''

جب لشکر بنی قریظہ کو روانہ ہوا اور سورج غروب ہونے کا وقت قریب آیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم کو حضور اکرم ﷺ نے بنو قریظہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اگرچہ نماز قضاء ہو جائے ہم راستے میں نماز نہ پڑھیں گے۔ لیکن بعض صحابہ نے کہا کہ آپ ﷺ کے اس حکم سے مراد جلد بنو قریظہ

پہنچنے کی ہے اس لئے نماز قضاء نہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے راستے میں نماز ادا کرلی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو دونوں جماعتوں کو کچھ نہ فرمایا۔ اب اس حکم میں واضح نص ہے اور ظاہر معنی ہیں۔ بنو قریظہ پہنچے اور راستہ میں نماز نہ پڑھنے کے، ایک جماعت نے اس پر عمل کیا انہوں نے ظاہر اور حقیقی معنی لئے۔ اگرچہ پہلے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر صلواۃ اور قضاء الصلواۃ کرنے سے منع فرمایا تھا۔

دوسری جماعت نے جو مجازی معنی مراد لئے ہیں کہ نماز کا راہ میں نہ پڑھنے سے مراد جلد پہنچنا ہے تو انہوں نے نص کے مجازی معنی سبب کلیہ شرع کے لئے۔ قرآن میں صلواتہ کو ''کتاباً موقوتا'' فرمایا ہے۔ اس کلیہ شرع کو اصل قرار دے کر اسی نص کو اس کے تابع کیا اور معنی مجازی لے کر راہ میں نماز پڑھی اور علت نص پر عمل کیا۔ اب یہ قیاس بمقابلہ نص نہیں بلکہ اجتہاد فی مراد النص ہے اور یہ جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا، کہ فلاں کو قتل کردو کہ اس پر تہمت زنا تھی۔ آپ اس کی تلاش میں نکلے تو وہ کنویں میں نہاتا تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نکالا تو وہ مقطوع الذکر تھا۔ آپ نے اسے قتل نہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر فرمایا تو آپؐ نے تصویب فرمائی۔ (۱۲)

اب اس میں قتل کا حکم تھا۔ نص صریح ظاہر تھی۔ لیکن وجہ قتل اس شخص میں جس پر قتل کا حکم ہوا نہ پائی تو اس پر عمل نہ کیا۔ اور مصیب ہوئے۔ مجتہدین نے اس سے یہ قاعدہ کلیہ اخذ کرلیا کہ اگر نص کی علت مرتفع ہوجائے تو اس پر عمل نہ کرنا چاہیے تو یہ قیاس بمقابلہ نص نہیں بلکہ عمل بحکم نص ہے کہ اس پر عمل واجب جب تک تھا کہ علت موجود تھی۔ اگر علت رفع ہوجائے تو پھر ظاہر الفاظ پر عمل نہ ہوگا۔ یہ عمل بالنص حکم شارع ہے یہ عمل بالنص ہے نہ عمل بالرائے۔ بعض اوقات دو نص متعارض جمع ہوجائیں تو وہاں مجتہد دونوں نصوص کو جمع کرتے ہیں۔ یا اگر ناسخ ومنسوخ ہونا بقرائن معلوم ہوجائے تو ناسخ پر عمل کرتے ہیں۔ یا قوی یا ضعیف کا ثبوت ملنے پر قوی پر عمل کرتے ہیں۔ یا رواۃ کے فقیہہ یا غیر فقیہہ ہونے کے سبب فقیہہ کی روایت پر عمل کرتے ہیں۔ دو نص متعارض جمع کی صورت یہ ہے جیسا حدیث عصر کی نماز میں فوات کی ممانعت کی اور عصر کی نماز قریظہ سے پہلے نہ پڑھنے کو مجاز پر عمل کرکے جمع کردیا۔ یا دو نص متعارض کو جمع کرنے کی ایک صورت یہ بھی صحابہؓ میں معمول ہے۔ مثلاً کسی نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ قرآن میں دو آیت متعارض "وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۔" اور دوسری میں "فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۔"

پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے سوال کرے گا اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ''ہرگز سوال نہ ہوگا۔'' آپ نے جواب دیا عدم سوال نفخ اولیٰ میں ہوگا اور سوال باہم بعد نفخ ثانیہ کے ہوگا۔ پس دونوں آیات کو جمع کردیا اور فقیہہ کے قول وروایت کا معتبر ہونا اس سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ "الوضوء مما مست النار" یعنی جو آگ سے طعام پختہ ہوا اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وضو دوبارہ کرنا چاہیے۔ تو ابن عباسؓ نے جواب دیا۔ اگر مس النار موجب نقص وضو کا ہے تو گرم پانی سے وضو درست نہ ہوگا وہ بھی آگ کا گرم کیا ہوا ہے۔ (۱۳)

یعنی اگر گرم پانی کا استعمال متوضی کرسکتا ہے۔ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا تو آگ سے طعام پختہ کی وجہ سے وضو کیوں ٹوٹے گا۔ اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ کی روایت کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ تم نے معنی حقیقی ظاہر سے خود مطلب لیا۔ رسول کریمؐ کی اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کیونکہ تم کو تفقہ دین کا حاصل نہیں یہاں وضو سے نظافت کے لغوی معنی مراد ہیں، نہ کہ وضو اصلاحی شرعی۔ اب یہاں روایت غیر فقیہہ کی ترک کردی گئی اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو کہ فقیہہ تھے معمول ہوئی۔ اسی کو تفقہ فی الدین کہا گیا ہے۔ اور اس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔" (١٤)

''یعنی وہ لوگ بشارت کے مستحق ہیں جو گفتگو سن کر اس کے حسن و قبح میں تمیز کرتے ہیں یہی لوگ اللہ سے ہدایت کے مستحق ہیں اور یہی عقلمند کہلانے کے حقدار ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ۔" (١٥)

''اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور اس کے ساتھ میزان کو بھی اتارا۔''

یہاں میزان سے مراد وہ میزان ہے جو کتاب اللہ کے فہم اور ادلہ شرعیہ میں جس سے بصیرت ہوتی ہے جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہوتا ہے۔ یعنی تفقہ فی دین مراد لیا گیا ہے اور اس سے علماء میں فضیلت کے مراتب قائم ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ کو قرآن حکیم نے لفظ حکمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جسے قرآن مجید میں خیر کثیر سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا۔" (١٦)

"اور جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دے دی گئی۔"

پھر حدیث نبوی ﷺ میں اس خیر کثیر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"مَنْ یُّرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ" (١٧)

"جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔"

ضرورت واہمیتِ اجتہاد:

یعنی عملی زندگی میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے اس کے سوا چارہ کار ہی نہیں کہ عقل وبصیرت سے کام لے کر شارع حکیم کے وجوہ اور اسباب پر غور کیا جائے اور ان مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے جن کی بناء پر شارع حکیم نے یہ احکامات نافذ فرمائے ہیں۔ اسی کو اجتہاد اور اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں۔ اس لئے اجتہاد کی ضرورت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں۔ درحقیقت اجتہاد شریعت اسلامیہ کے لئے روح کی مانند ہے اور اس کی فقہ کے لئے سرچشمہ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتہاد اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن شریعت اسلامیہ وجود میں آئی۔ کیونکہ خود رسول کریم ﷺ نے متعدد واقعات میں اجتہاد سے کام لیا اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے آپ کی زندگی ہی میں آپ کی رہنمائی میں اجتہاد کیا۔

اجتہاد کی ضرورت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ نصوص کا ذخیرہ محدود ہے۔ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ہیں، یعنی احکام کی تعداد محدود ہے لیکن حوادث کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب تک دنیا چلتی رہے گی واقعات وحوادث ہوتے رہیں گے۔ ان غیر محدود واقعات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے قیاس کا ثبوت:

اس سلسلے میں معاذ بن جبلؓ کی حدیث واضح دلیل ہے جس میں حضور ﷺ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے سوال فرمایا "کیف تقضی یا معاذ اذا عرض لك قضاء" اے معاذ تم کیسے فیصلہ کرو گے جب تم پر فیصلہ پیش کیا جائے؟۔ انہوں نے جواب دیا "اقضی بکتاب الله۔" یعنی کتاب اللہ کے ساتھ۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا "فان لم تجد فی کتاب الله" اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ! معاذؓ نے عرض کیا "بسنة رسول الله" سنت کے مطابق۔ پھر آپ نے فرمایا "فان لم تجد فی سنة رسول الله" اگر تم رسول اللہ

ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ! حضرت معاذؓ نے عرض کیا "اجتھد رائی" میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے

"الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله علی ما یحب ویرضاه۔"

''تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جسے وہ پسند فرماتا ہے۔'' (۱۸)

حضور اکرم ﷺ کا تصویب فرمانا اور خدا کی تعریف کرنا یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ جس وقت کتاب اللہ اور سنت رسول میں کوئی حکم صریح موجود نہ ہو تو اجتہاد کرنا جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تیئیس سالی نبوی دور میں قیاس پر مشتمل واقعات واحوال کا اجتہادی واجمالی کرنا:

احادیث سے خود آپ ﷺ کا قیاس پر عمل ثابت ہے:

"عن ابن عباسؓ ان رجلاً سأل النبی ﷺ ان ابی ادرکه الحج وهو شیخ کبیر لایثبت علی راحلته وان شددته خشیت ان یموت افأحج عنه قال ارأیت لو کان علیه دین فقضیته اکان هجزئا قال نعم قال صحیح فحج عن ابیك (۱۹)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریمؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہ میرے باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بہت بوڑھا ہے، سواری پر نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر میں اسے سواری پر باندھتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مر نہ جائے۔ کیا میں اس کی جانب سے حج کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس پر قرضہ ہوتا اور تو ادا کرتا تو کیا وہ ادا نہ ہوتا، اس نے عرض کی ضرور ادا ہوتا، آپؐ نے فرمایا اپنے باپ کی جانب سے حج کر۔''

محرمات نسبیہ پر قیاس کرتے ہوئے رضاعت کے رشتوں کی حرمت اور اس کے احکام:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رضاعی ماں اور بہن سے نکاح حرام ٹھہرایا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ" (۲۰)

''اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں'

یعنی جو علت محرمات نسبیہ میں پائی جاتی ہے وہ محرمات رضاعیہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے بقیہ رضاعی رشتوں کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضور اکرمؐ نے محرمات نسبیہ پر قیاس فرما کر ارشاد فرمایا:

"يحرم من الرضاع مايحرم من النسب۔"(۲۱)

"رضاعت سے ہر وہ رشتہ حرام ہوتا ہے جونسب سے حرام ہوتا ہے۔"

اسی طرح آپؐ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ مومن کے ہر فعل پر اجر ہے حتیٰ کہ اگر وہ بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اگر بیوی کو پیار کرے تو اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ امور تو ہم اپنی خواہش کے لئے انجام دیتے ہیں، ان میں ثواب کیسے ممکن ہے؟۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم غیر عورت کا پیار لیتے تو کیا گناہ نہ ہوتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں، آپؐ نے فرمایا جب ایک شے کا ممنوعہ جگہ میں استعمال کرنے سے گناہ ملتا ہے تو مباح جگہ میں ثواب کیوں نہ حاصل ہوگا۔ (۲۲)

ایک اور حدیث شریف میں ابن عباسؓ سے روایت ہے:

"ان سعد بن عبادة الانصاری استفتیٰ النبی ﷺ فی نذرٍ کان علی امه فتوفیت قبل ان تقضيه فافتاه ان يقضيه عنها" (۲۳) "متفقه عليه"

"سعد بن عبادہؓ نے نبی کریم ﷺ سے اس نذر کا مسئلہ پوچھا جو اس کی ماں نے مانی تھی اور اسے پورا کرنے سے پہلے وہ مرگئی۔ آپؐ نے فرمایا تم اس کی نذر اس کی جانب سے پورا کرو۔"

غزوہ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضرت سعد بن معاذ کے قیاس کی تصریح:

اسی طرح آپ ﷺ اہم دینی امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے دینی امور میں مشورہ لینا خود اس کی دلیل ہے کہ شرعی احکام میں شخصی رائے اور عقل وفہم سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اذان اور غزوہ بدر کے قیدیوں کا معاملہ اور ایسے ہی متعدد امور ہیں آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ انہوں نے آپ کو اپنی اپنی رائے سے مطلع کیا۔ بنوقریظہ کا معاملہ آپؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد فرمایا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔

"فقال تقتل مقاتلتهم و تسبیٰ ذراريهم قال قضيت بحكم الله"(۲٤)

"حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا کہ ان کے نوجوانوں کو قتل کیا جائے اور ان کے اہل اولاد کو لونڈی اور غلام بنایا جائے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سعدؓ نے خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ یعنی رسول کریم ﷺ نے اس فیصلے کی توثیق فرمائی۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں سہیل بن عمرو کی طرف سے اصرار تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی

جگہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو یہی الفاظ لکھنے کا حکم دیا۔ لیکن انہوں نے آپ ﷺ کے ادب واحترام کے پیش نظر اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور آپ ﷺ نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ (۲۵)

اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنی وفات کے وقت کسی شخص کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا بلکہ اس کا انتخاب امت مسلمہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ (۲۶)

اس سے ظاہراً آپ ﷺ کی مراد یہی تھی کہ مسلمان اپنی رائے اور باہمی مشورہ سے کسی اہل شخص کو اپنا خلیفہ بنائیں۔ ایک دفعہ حضرت بلالؓ رسول کریم ﷺ کو نماز کے لئے جگانے کی غرض سے حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو سوتا ہوا پا کر یہ الفاظ کہے "الصلوٰۃ خیر من النوم"، "یعنی نماز نیند سے بہتر ہے" (۲۷) آپ ﷺ نے یہ الفاظ پسند فرمائے اور حکم دیا کہ انہیں فجر کی اذان میں شامل کر لیا جائے۔

حضرت عمرؓ اور اجتہاد:

تراویح کی اجتماعی صورت آنحضرت ﷺ کے دور میں نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس اجتماعی صورت کو شروع فرمایا تو سب صحابہؓ نے بلا اتفاق اس پر عمل کیا اور کسی نے بھی اس پر اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کو اس کی اصل حقیقت معلوم تھی کہ آنحضرت گو باجماعت تراویح پڑھنے سے جو بات مانع آئی تھی، وہ صرف یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کا یہ باجماعت اجتماع اسی طرح ہوتا رہا، تو اس بات کا امکان تھا کہ یہ اختیاری عبادت کہیں فرض نہ ہو جائے۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت عمرؓ نے تراویح کے باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا کیونکہ وحی بند ہو چکی تھی اور اب وجوب کا کوئی احتمال باقی نہیں رہا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا عورتوں کو باجماعت مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع فرمانا جو کہ حضور اکرم ﷺ کے دور میں جائز تھا اور اس پر کسی صحابیؓ کا اختلاف نہ کرنا بلکہ حکم کی تعمیل کرنا۔ اور پھر حضرت عائشہؓ کا فرمانا:

"عن عائشه زوج النبی ﷺ انها قالت لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد۔" (۲۸)

"اگر آنحضرت ﷺ ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجد میں آنا بند کر دیتے۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ شرعی احکام اور اس کے قواعد وضوابط سے جو نظام ترتیب پاتا

ہے وہ تمام پیش آمدہ اور ممکن الوقوع مسائل کو محیط ہے، جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام میں لچک اور عمومیت ہے۔

حضرت عمرؓ کا اصل کارنامہ:

مولانا شبلی نعمانیؒ حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ''کہ فن فقہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اصل کارنامہ اور چیز ہے۔انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تصریح واستنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جن کو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔''(۲۹)

کیا آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کلیتہً مسائل کا ماخذ ہیں:

فقہ میں سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال وافعال منقول ہیں وہ کلیتہً مسائل کا ماخذ ہوسکتے ہیں یا ان میں کوئی تفریق ہے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس بحث پر حجتہ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ سے جو افعال واقوال مروی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا"

''پیغمبر تم کو جو دے وہ لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔''

دوسری وہ جن کو منصب رسالت سے تعلق نہیں۔چنانچہ ان کے متعلق خود آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"انما انا بشراذ امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوہ واذ امرتکم بشیءٍ من رائی انما انا بشر۔"

''میں آدمی ہوں اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں تو اس کو لو اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔''

اس کے بعد آپؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا یا جو افعال آنحضرت ﷺ سے عادتہً صادر ہوئے نہ عبادتہً یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، جو باتیں آنحضرت ﷺ نے مزعومات،عرب کے موافق بیان کیں۔مثلاً ام ذرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث یا جو باتیں کسی جزوی مصلحت کے موافق اختیار کیں۔مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔(۳۰)

مولانا شبلی نعمانی حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے

متعدد احکام میں جب انہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خود وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی۔ (۳۱)

"عن ابن مسعود قال فُضِلَ النّاس عمر بن الخطاب باربعةٍ بذکر الا سارٰی یوم بدرٍ امر بقتلهم فانزل الله تعالیٰ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ وبذکر الحجاب اَمَرَنساء النبی ﷺ ان يحتجبن فقالت له زينب وانك علينا يا بن الخطاب وَالوَحِي ينزل فی بيوتنا فانزل الله تعالیٰ وَاِذَ اسئَالْتُمُوْ هُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوْ هُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ وبدعوتهِ النبی ﷺ اَيِّدِالاِسْلام بِعُمرو برايه فی اَبی بکرٍ کان اولَ ناسٍ بايعه" (۳۲)

"حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب کو دوسرے لوگوں پر چار خاص باتوں کے سبب فضیلت دی گئی ہے۔ ایک تو جنگ بدر کے قیدیوں کی بابت یہ مشورہ دینے کے سبب کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کے مشورہ کے سبب یہ آیت نازل فرمائی یعنی اگر لوح محفوظ یا علم الٰہی میں یہ بات مقرر نہ ہوتی تو تم کو فدیہ لینے پر بڑا عذاب پہنچتا۔ اور دوسرے پردے کے مشورہ کے سبب یعنی عمرؓ نے رسول کریم ﷺ کی بیویوں کو پردہ میں رہنے کا مشورہ دیا۔ آنحضرتؐ کی بیوی زینبؓ نے سن کر کہا اے ابن خطاب تم پردے میں رہنے کا حکم دیتے ہو، حالانکہ ہمارے گھروں میں وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حضور ﷺ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ تیسرے حضرت عمرؓ کو اس دعا کے سبب فضیلت دیتے ہیں جو رسول اللہؐ نے ان کے حق میں اس طرح مانگی تھی کہ اے اللہ اسلام کو عمرؓ کے ذریعے تقویت پہنچا اور چوتھے اس اجتہاد کے سبب جو عمرؓ نے ابو بکرؓ کی خلافت کی بابت کیا اور سب سے پہلے ابو بکرؓ کی خلافت پر بیعت کی تھی۔"

قیدیان بدر، حجاب ازواج مطہرات، نماز بر جنازہ منافق ان تمام معاملات میں جو وحی آئی اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ان میں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں۔ چنانچہ ان معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے بہت سے نئے نئے فائدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ (۳۳)

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو قضاء کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں اجتہاد کی صاف ہدایت موجود ہے۔

"الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قيس الامور عندذالك" (٣٤)

"جو چیز تم کو قرآن مجید وحدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس پر خوب غور کرو، اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو۔"

اسی طرح ایک روایت میں ہے "وبرۃ الصلتی" کہتے ہیں کہ مجھے خالد بن ولیدؓ نے عمرؓ کے پاس بھیجا۔ جب وہاں پہنچا تو علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے کہا خالد آپ کو سلام کہتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ لوگ شراب نوشی میں لطف لینے لگے ہیں اور وہ اس کی سزا کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو نشہ میں مدہوش ہو کر بکواس کرتا ہے اور بکواس کی صورت میں ہر کسی پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی ہے۔

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً" (٣٥)

"اور جو لوگ زنا کی تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ اپنے دعویٰ پر نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی ۸۰ درے لگاؤ۔"

اسی لئے شرابی کی سزا بھی اسی ۸۰ کوڑے ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے وبرۃ تم خالد کو جا کر ان لوگوں کا فیصلہ سناؤ اور اس روز سے شراب کی حد اسی ۸۰ کوڑے معین ہوئی۔" (٣٦)

مشاہیر علماء کرام کا حجیت قیاس واجتہاد پر دلائل:

(۱) حجیت قیاس واجتہاد پر امام ابوبکر جصاصؒ کا آیات قرآنی سے استدلال:

امام ابوبکر جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب الفصول فی الاصول میں مندرجہ ذیل آیات سے حجیت اجتہاد کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

١۔ ”وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُھُنَّ وَ کِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا“ (٣٧)

”اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس کے لئے ہے تاکہ شیر خوارگی کی مدت پوری کر لی جائے۔ ان دودھ پلانے والی عورتوں کا روٹی، کپڑا دستور کے مطابق بچہ والے یعنی باپ کے ذمہ ہے۔ اگر دونوں ماں باپ آپس کی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔“

اس آیت میں دودھ پلانے والی عورتوں کو دستور کے مطابق روٹی، کپڑا یا اجرت دینے کا حکم ہے۔ اگر والدین بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو باہمی مشورہ سے ایسا کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں دودھ پلانے والی کو کھانا اور کپڑا کیسا اور کتنا دیا جائے؟ اس کا کوئی تعین نہیں ہے۔ اسی طرح والدین کو دو سال سے پہلے دودھ چھڑانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان مسائل کو آدمی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی رائے اور قیاس سے کام لے۔

٢۔ ”لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِیْضَةً وَّ مَتِّعُوْھُنَّ عَلَی الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ“ (٣٨)

”اگر تم عورتوں کو ایسی حالت میں طلاق دو کہ نہ تم نے ان کو ہاتھ لگایا ہو اور نہ تم نے ان کا مہر مقرر کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں طلاق دینے کے بعد ایسی عورتوں سے کچھ زائد اچھا سلوک کرو۔ صاحب وسعت پر اس کی حیثیت کے موافق لازم ہے اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق“

ان آیات میں شوہر کو حکم ہے کہ مطلقہ بیوی کو مہر کے علاوہ ایک جوڑا بھی دے۔ لیکن آیت میں اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی۔ یہ شوہر کی رائے زمانے کے دستور اور اس کے غالب ظن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

٣۔ ”فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ“

”سو اگر تم لوگوں کو اس کا ڈر ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی حدود خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے، اس مال کے لینے دینے میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں جو عورت خاوند کو دے کر جان چھڑائے۔“

٤۔ ”وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ“

(۴۰)

''اور لوگ آپ سے یتیموں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے، بہر صورت ان کے مال کی اصلاح کرنا بہتر ہے اور اگر تم ان کے خرچ کو شامل کر لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔''

۵۔ "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ"

(۴۱)

''سو اب آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے خدا سے بخشش طلب کیجئے۔ ان سے اہم کاموں میں مشورہ طلب کرتے رہا کیجئے۔ پھر جب آپ کسی چیز کا پختہ ارادہ کر لیں، تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔''

ان آیات میں کئی احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ زوجین کے درمیان نباہ نہ ہونے کی صورت میں خلع کا حکم ہے۔ اس میں بھی رقم کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا۔ اس کو زوجین کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے کہ آپس کی رضا مندی سے جتنی رقم مناسب سمجھیں، مقرر کر لیں۔ اسی طرح یتیموں کی اصلاح حال کا معاملہ ان کے اولیاء کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو ان کے مال کے ساتھ ملا لیں یا علیحدہ رکھیں، جس میں یتیموں کی فلاح و بہبود ہو وہ کریں۔ ایسا ہی مشورہ کا معاملہ ہے۔ رسول کریمؐ کو اہم امور میں صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ باہمی مشورہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ مختلف لوگ اپنی اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ بعض ایسے امور جن کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی حکم نہ ہوتا رسول اللہ ﷺ بھی اپنی رائے دیتے تھے وہ آپ کا اجتہاد تھا۔ امام ابوبکر جصاص نے اس آیت کے ذیل میں ایک واقعہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ فوج کے پڑاؤ کی جگہ آپ ﷺ نے تجویز فرمائی ہے یا وہ وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو بتلائی گئی ہے یا صرف آپ ﷺ نے اپنی رائے سے تجویز کی ہے؟ ان آیات سے بھی انسانی عقل و فہم، بصیرت و اجتہاد میں رائے کے استعمال کا جواز نکلتا ہے۔

۶۔ "وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً" (۴۲)

''اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کی بجائے دوسری عورتیں جو تم کو پسند ہوں، ان میں سے دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح

کرلو پھر اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم چند عورتوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو۔"

۷۔ "وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ" (۴۳)

"اور یتیموں کی عقل و شعور کا جائزہ لیتے رہو، یہاں تک کے جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر تم ان میں اہلیت دیکھو تو ان کا مال ان کے سپرد کرو۔"

۸۔ "الَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا"

"اور تم میں سے جو دو اشخاص بدکاری کے مرتکب ہوں تو تم ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور آئندہ اپنی اصلاح کریں تو تم ان دونوں سے درگزر کرو۔"

۹۔ "وَ الّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ" (۴۴)

"اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو پہلے ان کو سمجھاؤ پھر ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو، پھر ان کو مارو۔"

۱۰۔ "وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا" (۴۵)

تعدد ازواج کی صورت میں شوہر کی صوابدید پر قیاساً اجتہاد

"اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو دونوں پر اس میں گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طور صلح کر لیں۔"

مذکورہ آیات میں تعدد ازواج کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ چاروں بیویوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا جائے۔ یہ بات شوہر کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ چاروں کے ساتھ کس طرح سلوک کرے کہ ان میں سے کسی کو شکایت نہ ہو۔

یتیموں کے اولیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ بالغ ہونے پر ان کا مال انہیں سپرد کر دیا جائے۔ بشرطیکہ ان میں فہم و فراست کے آثار موجود ہوں۔ اس کا انحصار بھی ان کے ادراک پر ہے کہ وقتاً فوقتاً وہ اس کا جائزہ لیتے رہیں۔ حد زنا کا حکم نازل ہونے سے پہلے بدکاری کی سزا صرف ایذا رسانی تھی۔ ظاہر ہے اس کو قاضی کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے۔ اسی طرح بیوی کو نافرمانی یا اس

کے ساتھ شوہر کی بدسلوکی کا فیصلہ انسانی عقل ورائے سے ہی کیا جائے گا۔ ان کے درمیان مصالحت کا تعلق ان کے باہمی معاملات اور ثالثوں کی رائے سے ہے۔ حالات کے مطابق ثالث صلح کرادیں یا خود ہی اپنے معاملات کو سلجھائیں۔

۱۱۔ "لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ۔" (۴۶)

"عام لوگوں کی سرگوشی میں بسا اوقات بھلائی نہیں ہوتی۔ مگر ہاں وہ لوگ جو خیرات کرنے یا کوئی اور نیک کام کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی ترغیب دیں۔"

اس آیت میں صدقہ، حسن سلوک اور لوگوں کی اصلاح حال کا حکم ہے۔ ان امور کے بارے میں جو مشورے ہوں گے، ان میں خیر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان امور کا تعلق بھی غور وفکر اور اہل عقل کی رائے دینے سے ہے۔

۱۲۔ "فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔" (۴۷)

"سو جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کو زیادتی کی سزا دو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔"

۱۳۔ "وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا" (۴۸)

"اور قرابت داروں کو اس کا حق دیا کرو، اور مسکین کو اور مسافر کو بھی اور بے جا اور بے موقع نہ اڑایا کرو"

۱۴۔ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" (۴۹)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا جس طرح ان کو حکمران بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔"

۱۵۔ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ" (۵۰)

"پھر اگر تم کسی بات میں باہم جھگڑنے لگو تو اس بات کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹایا کرو بشرطیکہ تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

۱۶۔ "اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔" (۵۱)

"اور آپ پر ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں وہ احکام آپ ان کے روبرو خوب کھول کر بیان کریں اور تاکہ وہ لوگ غور وفکر کریں۔"

ان سب آیات میں بعض امور انسانی رائے اور غالب ظن پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً تمہارے ساتھ اگر کوئی زیادتی کرے تو اس زیادتی کے بقدر بھی اس کے بدلہ میں اس کو سزا دے سکتے ہو۔ لیکن اس سزا کی مقدار کا فیصلہ انسان کی غالب رائے اور ظن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں رشتہ داروں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کا حکم ہے بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو، جس کا اندازہ انسان اپنی حیثیت کے مطابق خود ہی کر سکتا ہے۔ اس طرح صدقہ وخیرات اور دیگر نفقات میں اسراف سے بچنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات انسان کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ اپنی ضروریات پر کتنا خرچ کرتا ہے اور دوسروں پر کتنا۔

آیت نمبر ۱۴ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو حکومت اور اقتدار دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس صورت میں لوگوں کو کسی ایسے شخص کو جو خلافت کا اہل ہو منتخب کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے اس کا انتخاب لوگوں کی رائے اور فہم وبصیرت پر ہے کہ وہ کس شخص کو منتخب کرتے ہیں۔ مطلوب تو یہ ہے کہ سب سے بہتر اور سب سے اہل اور باصلاحیت آدمی کو منتخب کریں لیکن اس میں تسامح کا امکان ہے۔ اگلی آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ رائے وعقل سے اجتہاد کے نتیجہ میں شرعی احکام میں جو اختلاف ہو وہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے سے دور کیا جاسکتا ہے۔ آخری آیت میں تین امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اول یہ کہ رسول ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کی خود تشریح فرما دی ہے۔ دوم' کوئی آیت اخفاء کے درجہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی آیات کی تصریحات رسول کریم ﷺ سے مروی ہیں، سوم یہ کہ ایسے مسائل جن کے بارے میں قرآن مجید میں احکام موجود نہیں ہیں ان کے بارے میں آیات میں غور وفکر اور قیاس کے ذریعہ سے احکام مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔ (۵۲)

قرآن وسنت میں غیر موجود مسائل کا قیاساً استنباط

۱۷۔ "فَاعْتَبِرُوا يَٰأُولِي الْأَبْصَارِ" (۵۳)

''لہٰذا اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔''

ابوبکر جصاصؒ ودیگر علماء اصول نے اس آیت پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن وسنت میں جن مسائل کے بارے میں احکام موجود نہ ہوں ان کو قیاس سے مستنبط کرنا چاہیے۔ ابراہیم بن علیا (متوفی

۲۱۸ھ) نے سب سے پہلے حجیت قیاس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ (۵۴)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء اصول قیاس کو فرض بتاتے ہیں۔ اس آیت میں ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے زمانے میں بنونضیر کے ساتھ پیش آیا تھا۔ سورۃ حشر کی ابتدائی آیات میں اس کا ذکر ہے۔ ان کی عبرتناک شکست کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک مثال اور نمونہ بنا کر پیش کیا تھا اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ امام سرخسیؒ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکم علت سے ثابت ہوتا ہے۔ علت کی دو قسمیں ہیں، جلی اور خفی۔ جلی وہ ہے جو الفاظ کے ظاہری معنی سے معلوم ہو جائے۔ خفی وہ ہے جو الفاظ پر غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے۔ قیاس میں حکم کا اطلاق کرنا ایسا ہی ہے جیسے اصل منصوص حکم کا اطلاق کرنا۔ اس کو رائے نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت ماعز اسلمی کو زنا کی سزا میں رجم کرنے کا ایک انفرادی واقعہ تھا، لیکن اس کی علت نکال کر اس کو عمومی بنا دیا گیا۔ (۵۵)

۱۸۔ "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ" (۵۶)

"اور ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں (دلائل) ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

۱۹۔ "وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (۵۷)

"اور اے عقل والو! اس حکم قصاص میں تمہاری زندگی اور بقا ہے، امید ہے کہ تم لوگ ناحق کی خون ریزی سے پرہیز کرو گے۔"

ان آیات میں خدا کی نشانیوں اور احکام خداوندی میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ قصاص سے بظاہر ایک جان تلف ہوتی ہے لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص انسانی زندگی کی بقا کا سبب ہے۔ اس آیت میں جو اسرار و رموز اور علم و حکمت کے خزانے پنہاں ہیں وہ بغیر تدبر و تفکر کے سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ امام شوکانی نے بعض فقہا کا مندرجہ ذیل آیات سے استدلال بھی نقل کیا ہے۔

۲۰۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا۔" (۵۸)

"ہاں واقعی اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ کوئی مثال بیان کرے خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی۔"

۲۱۔ "قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ [78:36] قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ" (۵۹)

''کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو جو بالکل بوسیدہ اور پرانی ہو چکی ہوں کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے ان ہڈیوں کو وہ ہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا ہے۔''

۲۲۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ" (۶۰)

''یقیناً اللہ انصاف، بھلائی اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں کو اور تعدی اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس لئے نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔''

''پہلی دو آیتوں میں مچھر اور بوسیدہ ہڈیوں کا ذکر ہے۔ اس سے دو چیزوں کے درمیان مشابہت اور مماثلت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح تیسری آیت میں عدل قائم کرنے کا حکم ہے۔ عدل کے معنی دو مساوی چیزوں کو مساوی کرنے کے ہیں۔ قیاس میں بھی مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان اشتراک علت کی بناء پر دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جاتا ہے۔'' (۶۱)

مندرجہ بالا آیات کے مضامین سے مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ استنباط احکام میں شخصی رائے، فہم وبصیرت اور ذہنی قوتوں کے استعمال کا حکم دیا گیا ہے۔ احکام کے استخراج کے لئے نصوص کو ان کے ظاہری معنی تک محدود نہیں کیا گیا' جیسا کہ اہل ظاہر کا موقف ہے۔ ان آیات سے اجتہادی امور میں وسعت نظر اور رواداری کی واضح تائید ہوتی ہے۔

علماء اصول نے صحابہؓ و تابعینؒ کے عمل سے بھی حجیت قیاس پر استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک حجیت قیاس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ تابعینؒ اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کا اس پر مسلسل عمل رہا ہے۔ (۶۲)

(۲) حجیت قیاس واجتہاد پر امام شافعیؒ کا حدیث مبارکہ سے استدلال

حضرت امام شافعیؒ قیاس واجتہاد کو سنت سے ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذ حکم الحاکم فاجتھد فا صاب فلہ اجران و اذا حکم فاجتھدوا خطاء فلہ اجر" (۶۳)

''جب کوئی حاکم کسی مسئلہ میں فیصلہ دے اور اجتہاد سے کام لے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا۔ اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی حاکم فیصلہ دے اور اجتہاد سے کام لے اور اس سے

فیصلہ میں غلطی ہو جائے تو اس کو ایک ثواب ملے گا۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد پر جو چیز فرض ہے وہ حکم شرعی معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس کوشش کے بعد نتیجہ صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ مجتہد کے لئے صرف کوشش فرض ہے، حق تک پہنچنا فرض نہیں۔ اگر حق تک پہنچنا ضروری ہوتا تو غلطی کی صورت میں اس کو ثواب نہ ملتا۔

(۳) وجوب اجتہاد اور علامہ شہرستانی

علامہ شہرستانی اپنی کتاب "الملل والنحل" میں فرماتے ہیں:

"عبادات اور تصرفات میں حادثات و واقعات نہ تو محدود ہو سکتے ہیں اور نہ گنے جا سکتے ہیں۔ یعنی وہ غیر محدود اور بے تحاشا ہیں اور ہمیں یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ ہر حادثے کے لئے کوئی نص نہیں آئی ہے اور نہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نصوص جب متناہی ہوں اور حادثات غیر متناہی ہوں اور جو غیر متناہی ہو اس کا متناہی احاطہ نہیں کر سکتا، تو اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ قیاس و اجتہاد کا اعتبار ضروری ہے تاکہ حادثے کے لئے اجتہاد سے کام لیا جا سکے۔ (۶۴)

(۴) حجیت اجتہاد پر امام غزالیؒ کا فلسفیانہ استدلال

امام غزالیؒ نے حجیت اجتہاد و قیاس کو فلسفی انداز میں ثابت کیا ہے۔ اجتہاد کے مخالفین اعتراضات کا انہوں نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے، اور جواب دیئے ہیں۔ ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

"شرعی احکام کے استخراج اور ان پر عمل کرنے کے اعتبار سے ماضی میں دو طبقے رہے ہیں ایک طبقہ مجتہدین اور مفتیین کا تھا جو ان امور سے اجتہاد کرتے جن کے بارے میں قرآن وسنت میں احکام موجود ہوتے۔ استخراج احکام میں وہ رائے و قیاس سے کام لیتے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا تھا جن میں اجتہاد کرنے کی اہلیت نہیں تھی۔ اس معاملہ میں وہ مجتہدین پر اعتماد کرتے تھے اور ان کے استنباط کیے ہوئے احکام پر عمل کرتے تھے۔ رائے و قیاس سے استخراج احکام پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس طرح رائے و قیاس سے اجتہاد کے ذریعے استنباط احکام پر اجماع منعقد ہو گیا۔ مجتہدین جن مسائل سے متعلق اجتہاد کرتے تھے وہ دو قسم کے تھے۔ ایک وہ' جن کے بارے میں قرآن وسنت میں قطعی نصوص موجود تھیں۔ دوسرے وہ جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی حکم موجود نہ تھا۔ مجتہدین نے ان مسائل کے بارے میں قیاس کے ذریعے جو

احکام دریافت کیئے وہ قطعی نہ تھے۔ اس قسم کے مسائل میں انہوں نے اپنی فہم وبصیرت اور عقل ورائے سے کام لیا۔ اسی میں وہ حق بجانب تھے۔ مجتہدین پر فرض ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں قطعی، یقینی دلیل موجود ہو تو اس کو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اس کو نہ چھپائیں۔ دلیل قطعی کو تسلیم کرنے میں کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو اس کو فاسق، آثم اور ملحد سمجھا جاتا ہے۔ ایسے شخص پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ اس لئے اس کو فتویٰ دینے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی وہ لوگ جنہیں قطعی دلائل کا علم تھا اور انہوں نے ان کو چھپائے رکھا اور خاموشی اختیار کی وہ بھی فاسق سمجھے جاتے ہیں۔ اس کلیہ کے پیش نظر اب ہم اس بات پر غور کریں کہ صدر الاسلام میں اگر صحابہؓ اور ان کے بعد آنے والے مجتہدین قطعی دلائل کو چھپاتے تو کیا وہ فاسق نہ کہلاتے؟ یہ بات واضح رہے کہ قطعی شرعی دلیل عقلی دلیلوں کی طرح نہیں ہوتی۔ عقلی دلیلوں کا سمجھنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے۔ اکثر وہ عقلاء پر مخفی رہتی ہیں لیکن قطعی شرعی دلیل بالکل ظاہر ہوتی ہے' اپنے معنی، مفہوم اور مدلول میں واضح ہوتی ہے۔ ان میں کسی طرح کا اخفاء نہیں ہوتا۔ ان کے معنی اور مراد میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قطعی دلائل موجود ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ رائے واجتہاد سے کام لیتے اور ان دلائل کو چھپا لیتے یا یہ دلائل ان پر مخفی رہتے؟ آخر کیا سبب ہے کہ صدر السلام میں صحابہؓ وتابعینؒ نے بے شمار مسائل میں رائے واجتہاد سے کام لیا۔ اور اس اجتہاد کے سبب خود ان کے درمیان احکام میں اختلاف ہوا جو آج تک چلا آرہا ہے۔'' (۶۵)

امام غزالیؒ کی مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اجتہاد میں رائے اور عقل وبصیرت سے کام لینا ایک انسانی ضرورت ہے، جس کے بغیر زندگی کے مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اور مجتہدین کو رائے اور اجتہاد سے کام لینا پڑا۔ اگر ہر مسئلہ میں قطعی ومنصوص احکام موجود ہوتے تو فقہاء ومجتہدین ہرگز ایسا نہ کرتے۔

(۵) حجیت اجتہاد پر امام ابوبکر جصاصؒ کے عقلی دلائل

تقلید کی صرف ان مسائل میں گنجائش ہے جو نظر واستدلال کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتے۔ جس کو ابوبکر جصاص نے اپنی مایہ ناز کتاب ''الفصول'' میں یوں بیان فرمایا ہے۔ احکام کی تین قسمیں ہیں۔

اول وہ جو عقلاً واجب ہیں اور شریعت نے تاکید کے طور پر انہیں فرض بتلایا ہے۔ جیسے توحید باری تعالیٰ، صداقت رسول، شکر منعم، عدل وانصاف۔

دوم وہ جو عقلاً حرام ہیں اور شریعت نے ان کو تاکیداً حرام بتلایا ہے۔ جیسے کفر، ظلم، جھوٹ اور ایسے تمام امور جن کو عقل بھی برا کہتی ہے۔ ان دونوں قسموں سے متعلق احکام شریعت اور عقل دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان میں کوئی نسخ اور تبدیلی بھی نہیں ہوسکتی۔

تیسری قسم مباحات کی ہے۔ ان سے متعلق امور کو عقل نہ فرض بتلاتی ہے، نہ حرام، لیکن شریعت کے ذریعے ان کے حسن وقبح کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے۔ مباحات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے، کہ اپنے نفع ونقصان کے مطابق اپنی رائے اجتہاد سے ان میں تصرف کرے۔ جیسے تجارتی معاملات، سفر، کاشتکاری، حلال کھانوں میں سے کسی خاص کھانے کا انتخاب، علاج معالجہ، دوائیں، ان سب کا اختیار وانتخاب ہماری رائے واجتہاد پر مبنی ہے۔ ہم جس میں اپنی جیسی مصلحت دیکھیں ویسا کریں۔ ان میں سے جن چیزوں سے آدمی کو نفع حاصل ہوتا ہے، ان کو حاصل کرنا ہے۔ جس سے نقصان ہوتا ہے، ان سے پرہیز کرنا ہے۔ ان کا حسن وقبح انسانی عقل سے متعین ہوتا ہے۔ جو چیزیں اس کے لئے نفع بخش ہیں وہ اچھی ہیں اور جو نقصان دہ ہیں وہ بری۔ ان مباحات کا تعلق مصالح سے ہے۔ اس لئے ان میں نسخ وتبدیلی جائز ہے۔ چنانچہ انہی امور میں جدید مسائل اور نئے پیش آنے والے واقعات میں جن کے بارے میں منصوص احکام موجود نہ ہوں، عقلاً اجتہاد کرنا جائز ہے۔ (۶۶)

(۶) قیاس پر ابوالحسن کرخی کا عقلی استدلال

ابوالحسن کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) نے احکام کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ وہ احکام جو نصوص میں مذکور ہیں، ان کو وہ منصوص علیہ یا اصول کہتے ہیں۔ دوسرے وہ احکام جو نصوص میں مذکور نہیں ہیں بلکہ مجتہد ان کو مقررہ اصولوں کے مطابق خود مستنبط کرتا ہے۔ یہ احکام حوادث سے متعلق ہیں۔ نئے پیش آنے والے واقعات لامحدود ہیں اور منصوص احکام محدود ہیں۔ اس لئے عقلی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ استنباط احکام کے لئے اجتہاد ناگزیر ہے۔ استنباط احکام کے تین طریقے ہی ہوسکتے ہیں۔ ایک مجتہد اپنے ظن وتخمین سے ان کا استنباط کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی سند واصل کی طرف رجوع کئے بغیر محض اپنے وہم وگمان سے ان کو معلوم کرے۔ تیسرے یہ کہ جو منصوص احکام ہیں ان کی علت معلوم کرکے ان پر قیاس کرے۔ علماء اصول نے پہلے دو طریقوں کو خود ہی مسترد کردیا ہے۔ اور تیسرے طریقہ کو تسلیم کیا ہے۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ (۶۷)

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے؟ نیز قدیم اجتہاد کی روشنی میں اجتہاد جدید کی گنجائش

آج کل عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد اجتہاد ختم ہوگیا ہے۔ اب کوئی مجتہد

پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ آئمہ اربعہ کے بعد بھی کچھ لوگ اس درجہ پر پہنچے ہیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان کو شہرت عام و بقائے دوام حاصل نہ ہوسکی۔

حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد خدا تعالیٰ کی ایک خاص رحمت اور فضل ہے۔ جو کسی خاص وقت اور زمانہ تک محدود نہیں ہے۔ جب زندگی اور اس کے گوناگوں مسائل ہردم ترقی پذیر ہیں۔ نت نئے مسائل واحوال کا پیش آنا ناگزیر ہے۔ پھر اجتہاد کا دروازہ کیسے بند ہوسکتا ہے۔ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے علماء نے اجتہاد کے بند ہونے کا فتویٰ صرف اس لئے دیا تھا کہ اجتہاد کے لئے جس علمی قابلیت و بصیرت کی ضرورت تھی، اس وقت اس کا فقدان تھا۔ دوسری بڑی وجہ لوگوں میں حرص وہوس کا خطرہ تھا کہ مبادا جاہل اور ہوا پرست لوگ مسند اجتہاد پر بیٹھ کر کہیں دین اسلام میں اپنی من مانی نہ کرنے لگیں۔ پھر سابقہ مجتہدین نے جس قدر کام کیا تھا، فی الحال وہی کافی تھا۔

ان حضرات کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید تقاضوں اور نئے احوال و مسائل کے پیش نظر ہمیں سابقہ مجتہدین کے کام سے پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی ازسرنو تدوین جدید کرنی ہوگی۔ یہ خیال کرنا کہ نبوت کی طرح باب اجتہاد کسی خاص زمانے اور وقت تک محدود ہے، غلط ہے۔ خدا تعالیٰ زمانہ اور وقت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ اپنے ایسے خاص بندے بھیجتے رہتے ہیں جو دین متین کو تفقہ کے ذریعے تاقیامت امت کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔

نت نئے مسائل کے اجتہادی حل میں ائمہ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی خدمات ہر زمانے میں مسلمہ رہیں

قابل غور امر یہ ہے کہ ان مسائل کے حل کے لیے کس درجہ کے اجتہاد کی ضرورت ہے؟ یہ امر مسلمہ ہے کہ آج تک ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا، اور نہ ہی پیدا ہونا ممکن ہے جو آئمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول و قواعد سے خارج ہو۔ کیونکہ آئمہ اربعہ کے قواعد اتنے جامع ہیں جن کے تحت قیامت تک پیدا ہونے والے ممکنات داخل ہیں۔ (۶۸)

تنہا امام ابوحنیفہؒ کے وضع کردہ اصول و قواعد کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے قواعد ایسے جامع ہیں جو ممکنات پر حاوی ہیں۔ آج تک کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں کیا جاسکتا جو آپ کے وضع کردہ قواعد و اصول استنباط سے خارج قرار دیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب فقہ میں سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت فقہ حنفی کو حاصل ہوئی۔ چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے امام

ابوحنیفہؒ کے تعارف میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:۔

"ABU HANIFA (D-767) Founder of the Hanfi School of Law, to which almost 80 percent of the Muslims in the world adhere". (56)

(56):- Dr. Hamidullah, Introduction to Islam, Lahore, 1974, P-267

آئمہ اربعہ اور خاص طور پر امام اعظمؒ نے جس قدر فقہ اسلامی کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں، ان میں اس قدر جامعیت ہے کہ آج تک کسی مرحلہ پر یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ آئمہ اربعہ کے اصول وقواعد سے ہٹ کر نئے قواعد کی ضرورت پیش آئی ہو۔ اندریں حالات جو بھی اجتہادی ضرورت پیش آئی تو مجتہدین حضرات نے آئمہ اربعہ کے قواعد وضوابط کی روشنی میں اس ضرورت کا حل تلاش کرلیا۔ تاریخ اسلام میں تیسری صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر آج پندرہویں صدی ہجری تک کسی مرحلہ پر مجتہد مطلق کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ لہٰذا اگر ضرورت کسی وقت پیش آسکتی ہے تو مجتہد مقید کی۔ چنانچہ اسلامی ادوار میں اجتہاد مقید کا یہ سلسلہ کبھی معطل نہیں رہا۔ مجتہد حضرات نے ہر دور میں آئمہ اربعہ کے اصول وضوابط کو اپنا کر اجتہادی خدمت سرانجام دی ہیں۔

اجتہاد کی اہمیت وضرورت شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں

جب کہ علامہ محمد اقبالؒ ''تشکیل جدید'' میں اجتہاد کی اہمیت کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

''فقہائے اسلام نے اجتہاد کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ نئے احوال اور ہردم وسعت پذیر تقاضوں کے فکری اثرات کی موجودگی میں مذاہب فقہ کی خاتمیت پر اصرار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ کائنات ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے۔ یہ حقیقت بجائے خود اس امر کی متقاضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل، اسلاف کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل آپ حل کرے، یہ نہیں کہ اسے اپنے لئے ایک روگ تصور کرے''۔ (۶۹)

حضرت شاہ ولی اللہؒ ''عقد الجید'' میں اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"وَكَذَالِكَ مَا يظنُّ من انَّ المجتهد لا يوجد فى هذه الازمنة اعتمادً على الظنّ الاوّل بناءُ فاسدٍ على فاسدٍ۔" (۷۰)

''اور ایسے ہی اس خیال پر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا کہ اس زمانے میں مجتہد کا وجود نہیں، غلط

بنیاد پر تعمیر ہے۔“

اسی طرح المصفیٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”تفصیل ایں مجمل آنست کہ اجتہاد در ہر عصر فرض با کفایہ است ومراد اینجانہ اجتہاد مستقل است مثل اجتہاد شافعی داخر مسائل کثیر الوقوع غیر محصوراند۔“ (۷۱)

”اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض کفایہ ہے لیکن اس جگہ مراد اجتہاد مستقل نہیں ہے جیسا کہ اجتہاد شافعیؒ مسائل کثیر۔“

یعنی امام شافعیؒ کی رسائی احکام شریعہ کے مآخذ تک براہ راست تھی اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے عہد کے قرب کے باعث ان مآخذ کے صحت و سقم اور قوت وضعف کو جانچنے اور پرکھنے کے مواقع ان کو بسہولت حاصل تھے۔ اسی بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ المصفیٰ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

”تبع تابعین جن میں سے متعدد حضرات اصحاب مذاہب تھے۔ ان سے امام شافعیؒ نے براہ راست استفادہ کیا تھا۔ پھر راویوں کے جرح و تعدیل اور لغت وعربی وغیرہ کی معرفت میں وہ کسی شخص کے واسطے اور مدد کے محتاج نہ تھے۔ بلکہ یہ کام وہ خود اور براہ راست کرسکتے تھے۔ اس بناء پر ظاہر ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کوئی شخص بھی اجتہاد کرے گا اس کو یہ مواقع حاصل نہ ہونگے۔ بلکہ اس کا علم بلاواسطہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بالواسطہ ہوگا۔ اور راویوں کی جرح و تعدیل روایت کے متن کی کمی و بیشی کے لئے وہ متقدمین کی مدد اور ان کی فراہم کردہ معلومات کا محتاج ہوگا۔“ (۷۲) جس کو حضرت شاہ صاحبؒ اجتہاد منتسب کے نام سے موسوم فرماتے ہیں۔

اجتہاد منتسب

اس کا حکم حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ کسی زمانے میں بھی اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔ جس کو آپ الانصاف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

”منتسب وھو باق الی ان یاتی اشراط الساعۃ الکبری۔ ولا یجوز انقطاعہ شرعاً لأنہ فرض کفایۃ۔ ومتی قصر اھل عصر حتی ترکوہ۔ اثموا کلھم“ (۷۳)

''یہی دوسری قسم یعنی اجتہاد منتسب بھی باقی ہے، اور آثار قیامت نمودار ہونے تک باقی رہے گا: اس کا کسی زمانے میں موقوف ہونا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی زمانے میں مسلمان ایسا اجتہاد کرنے سے پہلوتہی کرنے لگیں، یہاں تک کہ چھوڑ دیں تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے۔''

یعنی مجتہد مطلق منتسب کی ضرورت تا قیامت باقی رہے گی۔ چنانچہ تفہیمات میں حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست'' (۷۴)

''امت کے لئے کبھی وہ وقت نہیں آئے گا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد کی ضرورت نہ ہو''

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی بات کو ''المصفیٰ فی شرح المؤطا'' میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے:

''ہم نے کہا ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثرت سے پیش آنے والے ہیں اور وہ لامحدود ہیں۔ ان کے بارے میں احکام الٰہی کا جاننا واجب ہے۔ کیوں کہ کتب فقہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اور مدون ہے وہ ناکافی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں اختلافات بہت زیادہ ہیں، جن کا حل بجز اس کے کسی اور طرح نہیں ہوسکتا کہ جو احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں، ان کو ان کی دلیلوں کی روشنی میں ہی جانچا اور پرکھا جائے۔ چونکہ ان دلیلوں کے جانچنے کے طریقے مجتہدین پر پہنچ کر منقطع ہو گئے ہیں، اس بناء پر اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان دلیلوں کو قواعد اجتہاد پر پرکھا جائے''۔ (۷۵)

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اجتہاد (مقید) فرض کفایہ ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اجتہاد (مقید) فرض کفایہ ہے۔ اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ ایک مسائل کثیر الوقوع اور غیر محصور ہیں۔ ان میں ہمارے پاس جو مدون ذخیرہ موجود ہے وہ ناکافی ہے۔ اس مدون ذخیرہ میں بھی بڑے اختلافات ہیں۔ دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر انہیں حل نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل دریافت کرنے اور اختلاف کی صورت میں اولیٰ کی طرف رجوع کر کے ان کا حل دریافت کرنا مجتہد کا ہی کام ہے۔

تقلید کن لوگوں کے لئے ضروری ہے

تقلید اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اجتہاد پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ جیسے عوام، جہلاء وغیرہ ابواسحاق ابراہیمؒ ''الموافقات'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"فتاوى المجتهدين بالنسبة الى العوام كالادلة الشرعية بالنسبة الى المجتهدين"

(٧٦)

''عوام کے لئے مجتہدین کے فتووں کی وہی حیثیت ہے جو شرعی دلائل کی مجتہدین کے نزدیک۔''

لہٰذا عامی کے لئے تقلید ضروری بلکہ واجب ہے۔ کیوں کہ اجتہاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص علم فقہ اور اصول فقہ میں مہارت رکھتا ہو۔ علم دین میں مہارت حاصل کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اجتماعی اور اقتصادی زندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مختلف لوگ زندگی کے مختلف پیشوں میں مشغول ہوں، تب جا کر نظام زندگی چل سکتا ہے۔ اب جو لوگ علم دین حاصل نہیں کر سکتے یا اس میں پوری مہارت نہیں حاصل کر پاتے تو قرآن مجید کی اس آیت کے تحت۔

"فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔"(٧٧)

''یعنی اگر تم علم نہیں رکھتے تو اہل علم سے پوچھو۔''

جس کو امام شعرانیؒ نے اپنی کتاب ''الیواقیت والجواہر'' میں یوں لکھا ہے:

"وهو محمول على من اعطى قوة الاجتهاد اما الضعيف فيجب عليه التقليد لاحدٍ من الائمة وِالّاهلك وضل" (٧٨)

''یعنی تقلید کا ضروری ہونا اس شخص کے لئے ہے جسے اجتہاد کی صلاحیت عطا کی گئی ہو۔ جو اجتہاد کی صلاحیت کم رکھتا ہو، اس پر آئمہ کرام میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے، ورنہ وہ گمراہ و برباد ہو جائے گا۔''

دوسری جگہ امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:۔

"وهو محمول على من لّه قدرة" على استنباط الاحكام من الكتاب والسنة والفقة صَرّح العلماء بان التقليد واجب" على العامى لئلاّ يضل فى دينه" (٧٩)

''تقلید کا غیر ضروری ہونا اس شخص کے لئے ہے جسے قرآن وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی صلاحیت حاصل ہو، ورنہ علماء نے وضاحت کی ہے کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے تاکہ وہ اپنے

دین میں گمراہ نہ ہو جائے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "عقد الجید" میں مشہور مفسر اور محدث علامہ بغویؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"علی من لم یجمع هذه الشرائط تقلیده' فیما یَعِنّ له مِنَ الْحوادث" (۸۰)

"جس شخص میں اجتہاد کی شرائط نہیں پائی جاتیں اس پر واجب ہے کہ وہ نئے پیش آنے والے مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید کرے۔"

مجتہد کے شرائط حضرت شاہ صاحب کی کتاب "عقد الجید" سے:

ایک مجتہد کو کن کن علوم وفنون سے آراستہ ہونا چاہیے اور اس کی بالغ نظری اور ورع وتقویٰ کا عالم کیا ہونا چاہیے اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کتاب عقد الجید میں مجتہد کے لئے شرائط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وشرط انه لابُدّله ان یعرف من الکتاب والسنة ما یتعلق بالاحکام و مواقع الاجماع و شرائط القیاس و کیفیة النظر و علم العربیة والناسخ والمنسوخ وحال الرواة ولا حاجة الی الکلام والفقه" (۸۱)

مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث، جس قدر احکام سے متعلق ہے جانتا ہو۔ نیز اجماع کے مواقع وقیاس صحیح کی شرائط اور مقدمات کی صحیح ترتیب اور علوم عربیہ سے واقف ہو۔ علاوہ ازیں ناسخ ومنسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو۔ علم کلام اصطلاحی فقہ کی اجتہاد میں ضرورت نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ مشہور محدث علامہ بغویؒ کا کلام اس بارے میں نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"المجتهد من جمع خمسة انواع من العلم۔ علمُ کتابِ اللّٰه عزوجلّ وعلم سنة رسول اللّٰه ﷺ وعلم اقوال علماءِ سلف مِنُ اجماعِهِمُ واختلافِهِم وعلم اللغة و علم القیاس وهو طریقُ استنباط الحِکم عن الکتاب والسنة اذالم یجده صریحاً فی نص کتاب او سنة او اجماع فیجب وان یعلم من علم الکتاب الناسخ و المنسوخ والمجمل والمفسر والخاص والعام والمحکم والمتشابة والکراهة والتحریم والاباحة والندب والوجوب ویعرف منها الصحیح والضعیف والمسند والمرسل

ویعرف ترتیب السنة علی الکتاب و ترتیب الکتاب علی السنة حتیٰ لو وجد حدیثاً لایوافق ظاهره الکتاب یهتدی الی وجه مجمله فان السنة بیان الکتاب ولا تخالفه وانما یجب معرفة ما ورد منها فی احکامِ الشرع دون ما عداها من القصص والاخبار والمواعظ ولذالك یجب ان یعرف من علم اللغة ما ان فی کتاب اوسنة فی امور الاحکام دون الإحَاطة بجمیع لغات العرب وینبغی ان یتخرج فیها بحیث یقف عل مرام کلام العرب فیها یدل علی مراد من اختلاف المحال والاحوال لان الخطاب ورد بلسان العرب فمن لم یعرف لایقف علی مراد الشارع ویعرف اقاویل الصحابةؓ والتابعینؒ فی الاحکام ومعظم فتاوی فقهاء الامة حتیٰ لایقع حکمه مخالفا لِاَقوالهم فیکون فیه خرق الاجماع واذا عرف من کل من هذه الانواع معظمة فهو حینئذٍ مجتهد ولا یشترط معرفة جمیعا بحیث لایشذُّ عنه شئی منها واذالم یعرف نوعا من هذه الانواع فسبیله التقلید وان متبحرفی مذهب واحد من احاد آئمة السلف فلایجوذ له تقلید القضاء ولاالترصّد للفُتیا واذ جمع هذه العلوم وکان مجانبا للاهواء والبدع متورعا بالورع محترزاً عن الکبائر غیر مُصِرٍ علی الصغائر جازله ان یتقلد القضاء ویتصّرف فی الشرع بالاجتهاد والفتویٰ ویجب علی من یجمع هذه الشرائط ان تقلیده فیما یُعِنّ له من الحوادث۔"(۸۲)

"امام بغویؒ نے کہا ہے کہ مجتہد وہ عالم ہے کہ پانچ طرح کے علم کا ماہر ہو۔ اول کتاب اللہ، یعنی قرآن مجید۔ دوئم علم حدیث، سوئم علماء وسلف کے اقوال کہ ان کا اتفاق کس قول پر ہے اور اختلاف کس قول پر ہے۔ چہارم علم لغت عربی کا، پنجم علم قیاس کا، اور قیاس طریقہ حکم کے نکالنے کا قرآن اور حدیث سے ہے۔ جس صورت میں کہ حکم مذکور صریح یا حدیث یا اجماع کے نصوص میں مجتہد نہ پائے، اب ان پانچوں علموں کی مقدار مفصل معلوم کرنی چاہیے کہ مجتہد کو ہر ایک علم کتنا سیکھنا چاہیے۔ قرآن کے علم میں سے اس پر ان باتوں کا جاننا واجب ہے، ناسخ ومنسوخ، مجمل اور مفسر۔ خاص اور عام، محکم ومتشابہ، کراہت اور تحریم، اباحت اور استحباب اور وجوب حدیث میں سے ان اشیاء مذکورہ کا جاننا اور نیز صحیح حدیث اور ضعیف مسند اور مرسل کا جاننا، اور حدیث کا مرتب کرنا قرآن پر اور قرآن کا حدیث پر جاننا، حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی حدیث پاوے جس کا ظاہر قرآن کے موافق نہ ہو تو اس کی مطابقت کی صورت کا سراغ لگا سکے۔ کیونکہ حدیث قران مجید کا بیان

ہے، مخالف قران نہیں کہ مطابقت نہ ہو سکے۔ احادیث میں سے صرف ان حدیثوں کا جاننا واجب ہے جو شرعی احکام کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ نہ ان کے سوا اور حدیثوں کا جاننا جن میں حکایات اخبار اور نصائع مذکور ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کے ان الفاظ کا جاننا واجب ہے جو قرآن وحدیث کے احکامی امور میں واقع ہوئے ہیں۔ لغت عربی کو جاننا ضروری نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لغت دانی میں اتنی محنت کرے کہ عرب کے کلام کے مقصود سے واقف ہو جائے، اسی طرح کے اختلاف مواقع اور حالات کی وجہ سے کلام مذکور سے یہ مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ شریعت کا مخاطب عربی زبان میں ہے، جو شخص عربی سے واقف نہ ہوگا وہ شارع کا مقصود نہ پہچانے گا۔ صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال سے اس قدر جاننا ضروری ہے جو احکام میں منقول ہے۔ بڑا حصہ ان فتاویٰ کا جانے جو امت کے فقہاء نے دیئے ہوں۔ تاکہ ان کا حکم سلف کے اقوال کے مخالف نہ ہو۔ ورنہ اس صورت میں اجماع کی مخالفت ہوگی۔ جب ان پانچوں علوم کے اکثر حصہ پر قادر ہو جائے تو وہ اس وقت مجتہد ہے۔ ان تمام علوم کی معرفت مجتہد ہونے کے لئے شرط ہے کہ کوئی چیز ان علوم کی اس سے باقی نہ رہے۔ اگر ان علوم پنجگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کا راستہ تقلید کرنا ہے، اگر چہ وہ شخص آئمہ سلف میں سے کسی ایک کے مذہب میں ماہر کامل ہی ہو۔ ایسے شخص کو عہدہ قضاء اختیار کرنا اور فتویٰ دینے کا امیدوار ہونا درست نہیں۔ جس صورت میں ان پانچوں علوم کا جامع ہو اور خواہشات نفسانی سے دور رہنے والا ہو۔ بدعتوں سے علیحدہ ہو۔ پاکیزگی اور تقویٰ کو شعار بنایا ہوا ہو، کبیرہ گناہوں سے محترز (بچنے والا) ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو، تو اس کا قاضی ہونا اور اپنے اجتہاد سے شرع میں تصرف کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان شرطوں کا جامع نہ ہو اس پر حوادث وواقعات میں تقلید کرنا واجب ہے۔"

طریقہ اجتہاد نیز مجتہد کے لیے عرف ورواج کی صحیح علت کو پرکھتے ہوئے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

ان امور کے علاوہ مسائل کے استنباط میں حکم ومصالح، اسباب وعلل، عرف ورواج کا بھی لحاظ کیا جائے گا۔ نیز حالات کی نزاکت وقت کی مشکلات اور ابتلائے عام کا خیال بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ المصفیٰ میں مجتہد اور محدث کے مناقب بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منصب مجتهد تجرید الفاظ وارادہ است کہ اشتباہ دراں واقع شود۔
وتعین رکن وشرط وادب ہرچیزی وتعین ندب یا وجوب درصیغ والہ
برامروتعین کراہتہ یا حرمت درصیغ والہ برمنع وعلت ہرحکمی
بدلیل آں و اطلاق وتقلید حکم برحسب آن و معرفت قیود اتفاقی و
احترازی درآں استخراج قاعدہ جامعہ مانعہ بنظر آں اطلاق وتقلید
واحتراز واتفاق وبرآوردن اقوال مخرجہ ونقل کردن آن از بایں بآں
وتفریع مسائل کہ واقع شوند براحکام مذکورہ بدرج فی العموم
باقتضا وایماوقیاس والتزام ومانند آں واگرادلہ متخالفہ جمع شوند
فیصل کند میاں آنہا تطبیق وجمع ونسخ یکی یا ترجیح یکی وچوں
عالم ایں اموررااحاطہ کرد واز اول احکام تا آخر آن منظر مجتہدانہ
شرح فرمود مجتہد مطلق شد دردین وفتوی او صحیح شد و تقلید از
وی برخاست" (۸۳)

"مجتہد کا منصب یہ ہے کہ اگر لفظ مشترک ہے تو اس کے معانی کی تعیین وتجدید کرے اور یہ دیکھے کہ رکن، شرط اور ادب یعنی حکم کی نوعیت کیا ہے۔ وہ فرض ہے یا واجب یا مستحب، مشروط ہے یا غیر مشروط، مناطِ حکم کیا چیز ہے۔ مطلق یا مقید، عام ہے یا خاص اس کی علت کیا ہے۔ نص میں جو قیدیں ہیں وہ اتفاقی ہیں یا احترازی۔ ان سب کی تحقیق اور تعین کرنے کے بعد اسے دیکھنا چاہیے کہ منصوص اور غیر منصوص میں کوئی علت جامعہ ومشترکہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو حکم منصوص سے غیر منصوص کی طرف منتقل ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر دلالت کی قسمیں ہیں۔ دلالت مطابقی، دلالت تضمنی اور دلالت التزامی، تو اسے یہ بھی متعین کرنا چاہئے کہ یہاں نفی کی دلالت کس حکم پر کس قسم کی ہے۔ اگر دلیلیں کئی ہوں اور وہ متعارض ہوں تو دیکھنا چاہیے کہ ان میں تطبیق ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر کسی ایک کو ترجیح دینا ہوگا۔ اس کے لئے وجوہ ترجیح کو تلاش کرنا ہوگا جو عالم اس طرح مجتہدانہ غور وفکر سے امور پر احاطہ کرے وہ مجتہد مطلق ہے۔ اس کے لئے تقلید ضروری نہیں۔ یعنی مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت میں مجتہدانہ فہم وبصیرت رکھتا ہو۔ ایک ایک باب میں شارع کے مقصد ومنشاء پر اس کی نظر ہو۔ شریعت کے کلیات سے جزئیات کے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ شارع کے مقاصد اور سلف صالحین کے تعامل کی روشنی میں متعارض

نصوص کی جمع وتطبیق میں مہارت رکھتا ہو۔ اسے اجتہاد کرنا لازم ہے۔لیکن جس شخص کو فہم وبصیرت اور استنباط واجتہاد کا یہ درجہ حاصل نہیں یا اجتہاد کے شرائط وضروریات اسے میسر نہیں، اسے اہل اجتہاد کے فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اہل اجتہاد کی مطابقت اور پیروی کرے۔

اجتہاد کے پانچ اصول

مولانا ابوالاعلی مودودیؒ نے تفہیمات حصہ سوئم میں اجتہاد کے مندرجہ ذیل پانچ اصول بیان فرمائے ہیں:

۱۔ پہلا اصول یہ ہے کہ آدمی اس زبان کو اور اس کے قواعد، محاوروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ کیا یہ قانون غلط ہے؟ انگریزی زبان میں قانون کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو انگریزی زبان کی ایسی ہی واقفیت نہ رکھتا ہو؟ وہاں تو ایک "Comma" کے ادھر سے اُدھر ہو جانے سے معنی میں عظیم فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کے بسا اوقات ایک "Comma" کی تبدیلی کیلئے پارلیمنٹ کو ایک قانون پاس کرنا پڑتا ہے، مگر یہاں یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کی وہ لوگ تعبیر کریں گے جو ترجمے کی مدد سے قرآن مجید سمجھتے ہوں اور وہ ترجمے بھی انگریزی زبان میں ہوں۔

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور ان حالات کا جن میں قرآن نازل ہوا ہے گہرا مطالعہ کیا ہو۔ کیا یہ اصول غلط ہے؟ کیا موجودہ قوانین کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جس نے قانون کی کسی کتاب کا محض سرسری مطالعہ کیا ہو۔ یا اس کا محض ترجمہ پڑھ لیا ہو۔

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہؐ اور دور صحابہؓ میں اسلامی قوانین پر ہوا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید سفر کرتا ہوا براہ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا۔ اس کو خدا کی طرف سے نبیؐ پر نازل کیا گیا ہے۔ پھر نبیؐ نے اس کی بنیاد پر افراد تیار کر لئے تھے، معاشرہ بنایا تھا، ایک ریاست قائم کی تھی۔ آپؐ نے ہزار ہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف قرآن مجید سے احکام کے الفاظ نکال لینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ یہ قانون کس

طرح ترقی کرتا ہوا آج تک ہم کو پہنچا ہے۔ پچھلی تیرہ ۱۳ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن وسنت کے احکام کو منطبق کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے۔ اور تفصیلاً کیا احکام مرتب کئے جارہے ہیں۔ اس تاریخ اور اس کام سے واقف ہوئے بغیر اجتہاد کر کے ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کا تسلسل آخر کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں؟ ایک نسل اگر یہ طے کر لے کہ پچھلی نسلوں کے کئے ہوئے سارے کاموں کو چھوڑ دے گی اور نئے سرے سے اپنی عمارت بنائے گی تو ایسا احمقانہ فیصلہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں بھی کر سکتی ہیں۔ ایک دانشمند قوم اپنے اسلاف کے کئے ہوئے کام برقرار نہیں رکھ سکتی بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے جو انہوں نے نہیں کیا۔ اور اس طرح مسلسل ترقی جاری رہتی ہے۔

۵۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرز فکر میں خدا اور خدا کے رسولؐ کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لئے اسلام سے باہر نہ دیکھے۔ بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے۔ یہ شرط ایسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لئے لازمی طور پر لگائے گا۔ (۸۴)

طبقات فقہاء یعنی مجتہد کی اقسام

ابن کمال پاشا نے فقہاء کو درایت کے اعتبار سے سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا طبقہ

وہ حضرات جو ادلہ اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے اجتہاد کر کے مسائل کے استخراج کی قوت رکھتے ہیں اور اصول استنباط بھی خود ان کے اپنے وضع کئے ہوئے ہیں۔ وہ اصول وفروع میں کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ ان کو مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع بھی کہا جاتا ہے اور یہی حضرات پہلے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔

دوسرا طبقہ

وہ حضرات جو اجتہاد کی صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر اصول میں وہ کسی امام کے مقلد ہیں اور طرز اجتہاد میں کسی امام کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں۔ البتہ فروعات میں اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی کے مقلد نہیں، ان کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے۔ وہ دوسرے طبقہ میں شمار کئے جاتے

ہیں۔ جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام اعظمؒ کے دوسرے مجتہد شاگرد۔

تیسرا طبقہ

وہ حضرات جو نہ اصول میں اپنے امام کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ البتہ ان میں اصول کے استحضار کی وجہ سے اتنی استعداد ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جس مسئلہ میں کوئی روایت مروی نہ ہو، اس کا حکم استنباط کر کے بیان کریں۔ ان حضرات کو مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے۔ یہ تیسرے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابو جعفر طحاویؒ، امام احمد بن عمر خصافؒ، امام ابوالحسن کرخیؒ، شمس الائمہ امام حلوائیؒ، شمس الائمہ امام سرخسیؒ، فخر الاسلام امام بزدوی اور فخر الدین امام قاضی خانؒ وغیرہ۔

چوتھا طبقہ

وہ حضرات جن میں اجتہاد کی بالکل قابلیت نہیں ہوتی، البتہ اصول میں مہارت اور دلائل میں نظر غائر ہونے کی وجہ سے کسی مجمل قول کی تفصیل اور ذو وجہین قول کی تعین کر سکتے ہیں، ان کو اصحاب تخریج کہتے ہیں اور یہ حضرات چوتھے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، جیسے امام جصاص رازیؒ وغیرہ۔

پانچواں طبقہ

وہ فقہاء جو مقلد محض ہوں البتہ دلائل کو سامنے رکھ کر مختلف روایات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہوں اور ایک قول کی دوسرے قول پر فوقیت بتلاتے ہوں۔ مثلاً یہ فیصلہ کرتے ہیں، ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوفق بالقیاس وغیرہ۔ ایسے حضرات اصحاب ترجیح کہلاتے ہیں اور پانچویں طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری، صاحب ہدایہ وغیرہ۔

چھٹا طبقہ

وہ فقہاء جو صرف مقلد ہوں۔ مگر ان میں قوی، ضعیف، ظاہر روایت اور نوادرات میں اور مقبول و مردود روایات میں فرق اور تمیز کرنے کی صلاحیت ہو تو ان کو اصحاب تمیز کہتے ہیں اور چھٹے طبقہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جیسے متون معتبرہ کے مصنفین صاحب وقایہ، صاحب مختار وغیرہ۔

ساتواں طبقہ

ان مقلدین کا ہے، جن کو مذکورہ چیزوں میں سے کسی بات پر قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ

حضرات جو قول جہاں پاتے ہیں نقل کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ مقلد محض کہلاتے ہیں۔ اور ساتویں طبقہ میں شمار ہوتے ہیں ان کے اقوال پر اعتماد کر لینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

امام رافعیؒ اور امام نوویؒ کے نزدیک مجتہدین کی اقسام

ابن کمال الوزیر نے مذکورہ بالا سات اقسام میں سے پہلی تین اقسام کو مجتہدین میں شمار کیا ہے اور باقی چار کو مقلدین میں سے۔ رافعیؒ اور نوویؒ نے مجتہدین کی حسب ذیل اقسام لکھی ہیں:

۱۔ مجتہد مستقل ۲۔ مجتہد مطلق منتسب ۳۔ مجتہد فی المذہب ۴۔ مجتہد فی الفتیا

شوافع میں عام طور پر اس تقسیم کو شہرت حاصل ہے جبکہ احناف میں عام طور پر ابن الکمال کی تقسیم کو شہرت حاصل ہے۔ اس موقع پر دو باتوں پر غور کر لینا مناسب ہوگا۔ ایک یہ کہ مجتہدین کی ترتیب میں احناف و شوافع کے درمیان کوئی حقیقی فرق نہیں ہے دوسرے یہ کہ مجتہدین صرف تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جیسا ابن الکمال نے لیا یا چار قسم کے جیسا شوافع نے لیا۔ ان کی اتباع میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "واقعہ یہ ہے کہ مجتہدین کی ترتیب کی حد تک دونوں ترتیبوں میں ناموں اور اصطلاحات کے فرق کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ایک اچھے اور دوسرے کے بُرے ہونے کا سوال پیدا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کام کے اعتبار سے مجتہدین کی تقسیم حسب ذیل طریقہ پر کی جاتی ہے۔

۱۔ جو تاسیس اصول کرے اور تمام ابواب شرع میں مجتہد ہو۔ (۸۵)

۲۔ جو اصول میں اپنے امام کا مقلد ہو اور تمام فروعِ شرع میں مجتہد ہو۔ (۸۶)

۳۔ جو اصول و نصوص میں اپنے امام کا مقلد ہو اور جس مسئلہ میں امام کی نص نہ ہو اس میں امام کے نصوص سے اس کے اصول کے مطابق تخریج کرے۔ (۸۷)

کام کے اعتبار سے مجتہدین کی تین قسموں پر احناف و شوافع دونوں کا اتفاق ہے۔ البتہ بعض شوافع اور ان کی پیروی میں شاہ صاحبؒ مجتہد کی ایک چوتھی قسم بیان کرتے ہیں۔ وہ جو اپنے امام کے مذہب میں متبحر ہو متعارض روایات میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکے۔ اور اصول و نصوص اور جمہور اصحاب کی متفقہ تخریجات میں اپنے مذہب کا پابند ہو۔ (۸۸)

پہلی قسم کے مجتہد کو احناف کی اصطلاح کے مطابق مجتہد فی الشرع کہا جاتا ہے۔ اور شوافع کی اصطلاح میں مجتہد مستقل، دوسری قسم کے مجتہد کو احناف کی اصطلاح کے مطابق مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے اور شوافع کی اصطلاح کے مطابق مجتہد مطلق۔ تیسری قسم کے مجتہد کو احناف

کی اصطلاح کے مطابق مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے، اور شوافع کی اصطلاح کے مطابق مجتہد فی المذہب۔ اور چوتھی قسم کو قطع نظر اس کے کہ وہ مجتہد ہے یا مقلد احناف کی اصطلاح کے مطابق صاحب ترجیح کہا جاتا ہے۔ اور شوافع کی اصطلاح کے مطابق ''مجتہد فی الفُتیا'' یا تبحر فی المذہب کہا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام

معلوم ہوا کہ احناف وشوافع کی ترتیب میں جو فرق نظر آتا ہے، وہ حقیقی فرق نہیں بلکہ صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی کہ مجتہدین تین قسم کے ہیں یا چار قسم کے، اس سلسلہ میں حق تو وہ معلوم ہوتا ہے جو ابن الکمال نے کہا ہے کہ مجتہدین کی صرف تین قسمیں ہیں۔ باقی رہا مجتہدین فی الفتیا اسے مجتہدین میں شمار نہیں کیا جانا چاہیے۔ اس لئے کہ متعارض روایات میں ترجیح جو اس کا اصل کام ہے کسی حکم شرعی کا ادراک واستنباط نہیں جسے اجتہاد کہا جا سکے۔ استاذ ابوزھرہؒ نے صاحب ترجیح کو مجتہد ماننے میں تأمل کیا ہے اور اگر اسے مجتہد کہا جا سکتا ہے تو صرف اسی اعتبار سے کہ اسے ترجیح میں اجتہاد ہی حاصل ہو۔'' (۸۹)

۷

آئمہ کے اختلاف کی حقیقت وافادیت

آج دنیا میں جس قدر گہما گہمی اور سائنسی ترقی نظر آ رہی ہے، یہ تمام اختلاف ہی کی مرہون منت ہے۔ دنیا میں کوئی علمی و مادی ترقی بغیر تصادم و مزاحمت کے ممکن نہیں ہے۔ یہ اختلاف لیل و نہار، فصلوں اور موسموں کا اختلاف' زبان و رنگ و نسل کا اختلاف، یہ سب اختلافاتِ فطرت ہیں، اور انہیں پر دنیا کا دار و مدار ہے۔ اس کے متعلق ایک حکیم کا مقولہ ہے۔

"القلب میت و حیاته بالعلم والعلم میت و حیاتهٗ بالبحث والمناظرة"

''دل آدمی کا مردہ ہے اس کی زندگی علم سے ہے، اور علم انسان کا مردہ ہے، اس کی زندگی بحث و مناظرہ سے ہے۔''

''اسی لئے شاید وفات کے وقت حضور اکرم ﷺ کوئی ایسی بات لکھتے لکھتے رہ گئے کہ اگر وہ لکھ دی جاتی تو شاید امت میں اختلاف کا خطرہ مستقل طور پر ٹل جاتا۔ ''**ھلم اکتب لکم کتابا لن تضلو بعده**'''' لاؤ تمہارے لئے ایک ایسی بات لکھ دوں کہ اس کے بعد پھر کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے'' اگر کہیں یہ بات قید کتابت میں آجاتی تو ممکن تھا کہ امت کی امت "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ" سے نکل کر سب "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" کے نیچے داخل ہو جاتی مگر آخر کار تقدیر غالب آئی اور ایسے حالات رونما ہوئے کہ یہ تحریر وجود میں نہ آسکی۔''(۱)

فروعات میں اختلاف کی جنگ اسبابِ موت نہیں بلکہ اسباب بقا ہے

یہ خیر و شر کا تضاد و اختلاف تا قیامت رہے گا اور یہ فتح و شکست برابر جاری رہے گی۔ اسی کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے ۔

"وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ"(۲)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے۔

یعنی یہ جنگ اسبابِ موت نہیں بلکہ اسبابِ بقاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے احکام کی

تعبیر و تفسیر میں صرف متاخرین ہی نہیں، آئمہ اور تابعینؒ اور خود صحابہؓ تک کے درمیان اتنے اختلافات پائے جاتے تھے کہ شاید کوئی ایک بھی احکامی آیت ایسی نہ ملے کی جس کی تفسیر میں تمام متفق ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسا اختلاف ہے جس کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے، اور جو دین کے لئے مذموم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن اس صحت بخش اختلاف رائے کا ہرگز مخالف نہیں ہے جو دین میں متفق اور اسلامی نظام میں متحد رہتے ہوئے محض احکام وقوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق کی بناء پر کیا جائے۔

مذموم اختلاف

اسلام صرف اور صرف اس اختلاف کی مذمت کرتا ہے، جو نفسانیت اور کج نگاہی سے شروع ہو اور فرقہ بندی و باہمی نزاع تک نوبت پہنچا دے۔ اس اختلاف کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

" وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (۳)

"اور تم لوگ ان کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا، واضح احکام پہنچ جانے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہو گی۔"

پہلی قسم کا اختلاف ترقی کی جان ہے اور زندگی کی روح ہے۔ اس کے بغیر کوئی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ اس سے جماعت میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس اور تفکر و تدبر کا پتہ چلتا ہے، تاکہ جماعت کے ذہین اور اہل علم لوگ اصولوں میں متفق رہ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی خداداد قوت علمی اور تحقیق و اجتہاد کے ذریعے احکام و قوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق کریں۔ اس کی متعدد مثالیں خود آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش آ چکی ہیں۔ آپؐ نے صرف یہ نہیں کہ اس کو جائز رکھا بلکہ اس کی تحسین بھی فرمائی اور واضح طور پر ارشاد فرمایا:

"اختلاف أصحابي رحمة واسعة" (٤)

"میرے اصحاب کرام کا اختلاف بڑی رحمت ہے۔"

مجتہدین کے اختلاف کی اصل حقیقت

مجتہدین کے اختلاف کی اصل وجہ سنن میں امتیاز کرنا ہے۔ تاکہ یہ علم ہو سکے کہ شارع کے

نزدیک مقصود کیا ہے اور غیر مقصود کون سی بات ہے۔ جہاں کہیں بھی مجتہدین کا اختلاف ہوا ہے، اسی وجہ سے ہوا کہ ایک نے ایک چیز کو مقصود سمجھا اور دوسرے نے دوسری چیز کو۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ سے آمین بالجہر بھی ثابت ہے اور اخفاء بھی۔

ایک مجتہد کی رائے یہ ہے کہ مقصود آمین پکار کر کہنا ہے اور اخفاء جو ہوا ہے تو وہ بیان جواز کے لئے ہے۔ دوسرے مجتہد کی رائے ہے کہ مقصود اخفاء ہے کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا میں اخفاء مقصود ہے۔ اگر پکار کر کبھی کہہ دیا ہے تو وہ اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ آمین بھی کہا کرتے ہیں۔ اگر پکار کر آپ ﷺ آمین نہ کہتے تو کبھی خبر نہ ہوتی کہ آمین بھی آپ ﷺ کہا کرتے ہیں۔ یعنی پکار کر آپ ﷺ کا کہنا بیان جواز کے لئے ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ سے رفع یدین بھی ثابت ہے اور عدم رفع بھی ثابت ہے۔ اب یہاں مجتہدین کا اختلاف ہوا۔ ایک مجتہد سمجھے کہ رفع مقصود ہے اور ترک رفع جو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ مقصود نہیں اور دوسرے مجتہد جو عدم رفع کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سکون چاہیے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہو۔ یعنی سکون اختیار کرو پس مقصود عدم رفع ہے۔ رفع جو آپؐ نے فرمایا تو بیان جواز کے لئے ہے۔ جنہوں نے رفع کو مقصود سمجھا تو وہ اس حدیث کا یہ جواز نکالتے ہیں کہ یہ رفع جس سے آپؐ نے منع فرمایا یہ وہ نہیں جو رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے کے وقت کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ وہ رفع ہے جو سلام پھیرتے وقت کیا جاتا تھا۔ صحابہؓ جب نماز کا سلام پھیرتے تو ہاتھ اٹھا کر کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ یہ ممانعت حضور ﷺ نے اس پر فرمائی۔ (۵)

اختلاف کا ایک سبب عمل کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”ومن تلك الضروب أن يرو رسول الله عليه وسلم فعل، فعلا فحمله بعضهم على القربة، وبعضهم على الاباحة، مثاله ما رواه أصحاب الأصول فى قضية التصحيب ـ أى النزول بالأبطح عندالنفر ـ نزل رسول الله ﷺ به فذهب أبوهريرة وابن عمر الى انه على وجه القربة فجعلوه من سنن الحج وذهبت عائشةؓ وابن عباسؓ الى انه على وجه الاتفاق وليس من السنن ومثال آخر ذهب الجمهور الى أن الرمل فى الطواف سنة، وذهب ابن عباس الىٰ انه انما فعله النبى ﷺ سبيل الاتفاق لعارض

عرض، وهو قول المشركين طعنهم حمى يثرب ولیس بسنة۔" (٦)

"احکام فقہ کے متعلق صحابہ کرامؓ میں جو اختلافات ہوئے، ان کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا لیکن اس عمل کی حیثیت کے تعین میں اختلاف ہو گیا۔ بعض نے اس فعل رسول کو کار ثواب خیال کیا اور بعض نے ایک امر جائز سمجھا۔ اس کی ایک مثال عمل تحصیب ہے۔ جسے اصحاب اصول (محدثین) نے بیان کیا ہے۔ عمل تحصیب سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر حج کے دوران ابطح کی وادی میں فروکش ہوئے۔ اب آپ کا وہاں پر اترنا حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک تو کار ثواب تھا۔ لیکن انہوں نے اسے حج کی سنتوں میں شمار کیا۔ مگر حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک وہاں اترنا محض ایک اتفاقی امر تھا، نہ کہ کسی ثواب کے طور پر۔"

دوسری مثال یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف میں رمل (اکڑ کر چلنا) سنت ہے اور ابن عباسؓ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے فعل رمل ایک وقتی ضرورت کے تحت اتفاقیہ کیا تھا۔ یعنی مشرکین مکہ کا یہ طعن کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر ڈالا ہے۔ بایں سبب رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اکڑ کر چلنے کا حکم دیا ورنہ یہ عمل حج کی سنت نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اختلافات کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے الانصاف میں ارشاد فرماتے ہیں:۔ "اندریں حالات صحابہؓ کے درمیان جو باہمی اختلافات کا آغاز ہوتا ہے، اس کی وجہ چند بنیادیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ایک صحابیؓ نے کسی قضیے میں آپ کا کوئی فیصلہ یا ارشاد سنا مگر دوسرے نے نہیں سنا اور اپنے اجتہاد سے کام لیا۔" جس کی چند صورتیں پیش آئیں۔

اجتہاد کا حدیث نبوی ﷺ کے عین مطابق ہونا یہ اجتہاد کی اعلیٰ صورت ہے:

اختلاف کی پہلی صورت پر بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"منها ان صحابياً سمع في قضية أوفتوى، ولم يسمعه الآخر فاجتهد برأية في ذلك وهذا على وجوه احدها ان يقع اجتهاده موافق الحديث، مثاله ما رواه النسائي وغيره، أن ابن مسعودؓ سئل عن امرأة مات عنها زوجها ولم يفرض لها فقال، لم ار رسول الله ﷺ يقضي في ذلك ....، فاجتهد برأيه وقضى بأن لها مهر نسائها لا وكس ولاشطط، وعليها العدة، ولها الميراث فقام معقل بن يسار، فشهد بأنه ﷺ قضى بالمثل ذلك في امرأته منهم ففرح بذالك ابن مسعود فرحة لم يفرح مثلها قط بعد الاسلام" (۷)

''ایک یہ کہ وہ اجتہاد حدیث نبوی ﷺ کے مطابق نکلا۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو امام نسائی نے بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک عورت کے بارے میں استفسار کیا گیا جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا اور اس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسے معاملے میں رسول کریم کا کوئی فیصلہ مجھے معلوم نہیں۔ لوگ ایک ماہ تک ان کے ہاں آتے رہے اور اصرار کرتے رہے۔ آخر انہوں نے اجتہاد کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملنا چاہیے، نہ کم نہ زیادہ، نیز اسے عدت گزارنا ہوگی اور شوہر کی وراثت سے حصہ بھی پائے گی۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسارؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بطور شہادت فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے قبیلہ کی ایک عورت کے بارے میں ایسا ہی فیصلہ فرمایا۔ اس گواہی کے سبب حضرت ابن مسعودؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ بقول ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اب تک ایسی خوشی حاصل نہ ہوئی تھی۔''

یہ اجتہاد و قیاس کرنے کی وہ اعلیٰ مثال ہے جو بعد میں حضورﷺ کے ارشاد کی تصدیق سے اور زیادہ مضبوط و مستحکم ہوئی۔

حدیث کے معلوم ہو جانے پر اجتہاد سے رجوع کرنا احسن ہے

باہمی اختلاف کی دوسری وجہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ ''الانصاف'' میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''ثانیها ان یقع بینهما المناظرہ، و یظهر الحدیث بالوجه الذی یقع به غالب الظن فیرجع عن اجتهاده الی المسموع۔ مثاله ما رواه الأئمة من أن أباهریرةؓ کان من مذهبه أنه من أصبح جنباً فلا صوم له حتیٰ أخبرته بعض ازواج النبی ﷺ بخلاف مذهبه، فرجع''(۸)

''اگر دو صحابیوںؓ کے درمیان کسی مسئلہ کے متعلق بحث ہوتی اور اس ضمن میں کوئی ایسی حدیث سامنے آ جاتی جس کی صحت کا ظن غالب ہوتا، چنانچہ صحابیؓ اپنے اجتہاد سے رجوع کر کے سنی ہوئی حدیث کو اختیار کر لیتا۔ مثلاً وہ حدیث جس کو آئمہ حدیث نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ جو شخص طلوع صبح کے وقت تک جنبی رہا۔ اس کا روزہ نہیں ہوتا۔ جب بعض ازواج مطہراتؓ نے رسول کریم ﷺ کا عمل ان کے خیال کے خلاف بیان کیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے طرز فکر سے رجوع کر لیا۔''

فقہی اختلاف کا ایک سبب صحتِ حدیث پر گمانِ غالب کا نہ ہونا ہے

حضرت شاہ صاحبؒ "الانصاف" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وثالثها أن يبلغه الحديث ولكن لاعلى الوجه الذى يقع به غالب الظن، فلم يترك اجتهاده، بل طعن فى الحديث، مثاله مارواة اصحاب الأصول من أن فاطمة بنت قيس شهدت عند عمر بن الخطاب بأنها كانت مطلقة الثلاث فلم يجعل لها رسول الله ﷺ نفقة ولا سكنى فرد شهادتها وقال: لاأترك كتاب الله بقول امرأة لاندوى أصدقت أم كذبت لها النفقة واسكنى، وقالت عائشةؓ لفاطمة: ألاتتقى الله يعنى فى قولها لاسكنى ولا نفقة ـ ومثال آخر روى الشيخان انه كان من مذهب عمر بن خطابؓ أن التيمم لا يجزى للجنب الذى لايجد ماء فروى عنده عماد بن ياسرؓ انه كان مع رسول الله ﷺ فى سفر، فاصابته جنابة ولم يجد ماء فتمعك التراب فذكر ذلك لرسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ انما كان يكفيك أن تفعل هكذا، وضرب بيديه على الارض فمسح بهما وجهه و يديه، فلا يقبل عمر، ولم ينهض عنده حجة القادح خفى رأه فيه حتىٰ استفاض الحديث فى الطبقة الثانية من طرق كثيرة، واضحل وهو قادح فاخذ وابه" (۹)

"اگر ایک صحابیؓ کو کوئی حدیث پہنچتی مگر اس کی صحت کا گمان غالب نہ ہوتا تو وہ صحابیؓ اپنا اجتہاد ترک نہ کرتا اور اس روایت کو نادرست قرار دیتا۔ اس کی مثال فاطمہ بنت قیس کی وہ حدیث ہے، جسے اصحاب اصول نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ (۱۰) فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر بن خطابؓ کے روبرو آکر کہا کہ مجھ کو تین طلاقیں دی گئی تھیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا "لاسکنی ولانفقتہ۔" یعنی "اب نہ تو رہائش کی حقدار ہے نہ نفقہ کی۔" حضرت عمرؓ نے اس کا بیان ماننے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ ہم ایک عورت کے قول کے سبب کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے۔ خبر نہیں کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی۔ تین طلاقیں پانے والی کو نفقہ کا حق ملنا چاہیے اور رہائش بھی۔ نیز ان ہی فاطمہ کے قول کو سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت قیس کو کیا ہو گیا کہ وہ اللہ کا خوف نہیں کرتی اور کہتی ہے "لاسکنی ونفقہ۔" یعنی "مطلقہ ثلاثہ کو مکان اور نفقہ کا حق نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال شیخین (بخاری و مسلم) کی ایک روایت ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا خیال تھا کہ اگر جنبی کو غسل کے لئے پانی نہ ملے تو وہ تیمم سے پاکی حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن جب حضرت عمار بن یاسرؓ

نے بیان کیا کہ وہ ایک مرتبہ رسول کریمؐ کے ہم سفر تھے اور مجھے غسل کی حاجت ہوگئی لیکن پانی نہ مل سکا۔ انہوں نے مٹی میں اپنے سارے جسم کی لوٹ پوٹ کی اور رسول ﷺ سے اپنے اس عمل کا تذکرہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم کو صرف اتنا کر لینا کافی تھا یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنے چہرہ مبارک اور ہاتھوں پر مسح کیا۔ حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ کے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا اور کوئی غیر واضح ضعف کے سبب جو ان کو اس روایت میں نظر آیا، اور ان کے نزدیک یہ روایت دلیل نہ ٹھہری۔ اگر چہ بعد کے طبقہ میں یہ حدیث دوسرے کئی اور طریقوں سے مشہور ہوگئی۔ اس کے ضعف ہونے کا وہم ماند پڑ گیا اور لوگ اس تیمّم پر عمل پیرا ہوگئے۔''

فقہی اختلاف کی ایک وجہ تعبیر میں غلط فہمی ہے

اس کو حضرت شاہ صاحبؒ ایک مثال کے ذریعے یوں بیان فرماتے ہیں:

''ومنها اختلاف الوهم، فی التعبیر مثاله ان رسول الله ﷺ حج، فرآالناس، فذهب بعضهم الی انه کان متمتعاً، و بعضهم الی أنه کان قارناً و بعضهم الی انه کان مفرداً (۱۱)

''اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حج کیا اور لوگوں نے آپ ﷺ کو حج کرتے دیکھا۔ بعض نے کہا کہ (الف): آپ ﷺ متمتع تھے یعنی حج تمتع ادا کر رہے تھے اور بعض نے کہا کہ (ب): آپ ﷺ قارن تھے، حج قران ادا کر رہے تھے اور بعض نے کہا کہ (ج): آپ ﷺ مفرد یعنی حج افراد ادا کر رہے تھے۔''

(الف): حج تمتع یہ ہے کہ کوئی شخص حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرے اور احرام کھول دے پھر ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اور حج کرے۔

(ب): حج قران یہ ہے کہ کوئی شخص عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھے اور دونوں کو ادا کر کے احرام کھول دے۔

(ج): حج افراد وہ حج ہے کہ جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے۔

فقہی اختلاف کی ایک وجہ بھول چوک ہے

اس کو حضرت شاہ صاحب نے یوں بیان کیا کہ:

"ومنها اختلف السهو والنسيان، مثاله ماروى أن ابن عمرؓ كان يقول اعتمر رسول الله ﷺ عمرته فى رجب، فسمعت بذلك، عائشه فقضت عليه بالسهو" (۱۲)

''اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے ایک عمرہ ماہ رجب میں کیا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بھول گئے ہیں۔''

فروعی مسائل میں اختلاف کا ایک سبب نتیجہ کے اخذ کرنے میں مغالطہ کا پایا جانا ہے

اس کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے یوں بیان کیا کہ:

"ومنها اختلاف الضبط مثاله ماروى ابن عمرؓ عن ﷺ من أن الميت يعذب ببكاء أهله عليه۔ فقضت عائشه عليه بأنه لم يأخذ الحديث على وجهه مر رسول الله ﷺ يهودية يبكى عليها اهلها فقال۔ انهم يبكون عليها وانها تعذب فى قبرها، فظن العذاب معلولاً للبكاء فظن الحكم عاما على كل ميت" (۱۳)

''چنانچہ ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے، کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے اس پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جب سنا تو کہا کہ وہ حدیث کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودیہ کی قبر کے پاس سے گذرے، اس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے راوی نے یہ سمجھا کہ میت کے عذاب کا سبب اس کے گھر والوں کا رونا ہے۔ اور یہ گمان کرلیا کہ یہ حکم ہر میت پر عائد ہوتا ہے۔''

فروعی مسائل میں اختلاف کا ایک سبب حکم کی علت کے تعین میں اختلاف ہے

اختلاف کا ایک سبب علتِ حکم کے تعین میں اختلاف ہے۔ جس کی حضرت شاہ صاحبؒ یوں وضاحت فرماتے ہیں:

"ومنها اختلافهم فى علة الحكم، مثاله القيام للجنازة فقال قائل لتعظيم الملائكة فيعم المؤمن والكافر، وقال قائل لهول الموت فيعمهما وقال قائل مر على رسول الله ﷺ بجنازة يهودى فقام لها كراهية ان تعلو فوق رأسه فيخص الكافر" (۱٤)

''جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے تو یہ کہا کہ جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ حکم عام ہوا کہ میت کافر کی ہو یا مسلمان کی۔ بعض نے کہا کہ موت کے ہول کے سبب ان دونوں صورتوں میں عمومیت حکم

پیش نظر ہے۔ لیکن بعض صحابہؓ نے یہ کہا کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے قریب سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے بُرا سمجھا کہ ایک یہودی کی لاش آپ ﷺ کے سر سے اونچی ہو۔"

دو حکموں کے درمیان عدم موافقت

اختلاف کا ایک سبب دو مختلف حکموں کے درمیان عدم فوافقت ہے۔ جس کو حضرت شاہ صاحب "الانصاف" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومنها اختلافهم فی الجمع بین المختلفین مثاله رخص رسول الله ﷺ فی المتعة عام خیبر ثم نهی عنها ثم رخص فیها عام اوطاس ثم نهی عنها۔ فقال ابن عباسؓ کانت الرخصة للضرورة والنهی لا نقضاء الضرورة والحکم باق علی ذالك وقال الجمهور کانت الرخصة اباحة والنهی نسخاً لها-------------------و بالجملته فاختلفت مذاهب اصحاب النبی ﷺ واخذ عنهم التابعون کل واحد ما تیسرله فحفظ ما سمع من حدیث رسول الله و مذاهب الصحابة وعقلها وجمع المختلف علی ماتیسرله ورجع بعض الاقوال علی بعض واضمحل فی نظرهم بعض الاقوال وان کان ماثوراً عن کبار الصحابةؓ، کالمذهب المأثور، عن عمر وابن مسعودؓ فی تیمم الجنب اضمحل عندهم لما استفاض من الأحادیث عن عمارؓ و عمران بن حصینؓ و غیرهما، فعندذالك صارلکل عالم من علماء التابعین مذهب علی حیاله وانتصب فی کل بلد امام مثل سعید بن المسیب، وسالم بن عبدالله بن عمر فی المدینة و بعد هما الزهری، والقاضی یحیٰی بن سعید و ربیعة بن ابی عبدالرحمن فیها وعطاء بن ابی رباح بمکة، و ابراهیم النخعی والشعبی بالکوفة والحسن البصری بالبصرة و طاؤس بن کیسان بالیمن ومکحول بالشام" (۱۵)

"ایک سبب اختلاف کا یہ بھی ہے کہ دو مختلف حکموں کے درمیان موافقت نہ کر سکے۔ جیسا کہ جنگ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا متعہ (وقتی نکاح) کی اجازت دینا۔ پھر جنگ اوطاس کے موقع پر بھی اس کی اجازت دے دی اور بعد میں اس سے منع فرمایا۔ چنانچہ ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ اجازت متعہ ناگزیر حالات کے سبب تھی اور ممانعت ناگزیر حالات ختم ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ ایسے حالات میں یہ حکم بدستور باقی ہے۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس فعل کو روا رکھا گیا

تھا، اور جب ممانعت ہوئی تو یہ حکم ہمیشہ کے لئے منسوخ ہوگیا۔ الغرض صحابہ کرامؓ کے مذاہب مختلف ہوگئے، اور ان میں سے تابعین نے جس میں سہولت دیکھی اختیار کرلیا۔ پس رسول کریمؐ کے ارشادات اور صحابہؓ کے طریق کار سے جو کچھ جس نے سنا اسے یاد کرلیا اور اس کے پابند رہے اور حتی المقدور ان میں باہمی مطابقت کی اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی۔ اور ایسا بھی ہوا کہ ان کے نزدیک بعض اقوال اگر چہ وہ کبار صحابہؓ سے مروی تھے کمزور قرار پائے۔ جیسا کہ جنبی کے تیمم کرنے کے متعلق حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے ان کا جو مسلک منقول ہے، وہ کمزور پڑ گیا۔ اور عمارؓ اور عمرانؓ بن حصین وغیرہ سے مروی احادیث پر عمل عام ہوگیا۔ اور اسی طرح علماء تابعینؒ میں سے ہر عالم کا اپنی اپنی توجیہہ کے مطابق علیحدہ مسلک ہوگیا۔ اور اسی طرح ہر علاقے میں ایک امام بن گیا، جیسے سعید بن میبؒ اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ ان کے بعد زھری اور قاضی یحیٰی بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمانؒ مدینہ میں عطاء بن ابی رباح مکہ میں، ابراہیم نخعی اور شعبی کوفہ میں، حضرت حسن بصری بصرہ میں، طاؤس بن کیسان یمن میں، مکحول شام میں امام بنے۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اجتہاد

قرآن مجید جو مُنَزَّلٌ مِن اللہ ہے اس کے اندر صاف وصریح الفاظ میں یہ اعلان مرقوم ہے کہ:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا''(۱٦)

''آج کے دن میں نے تمھارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے، اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردی ہیں۔ اور اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا ہے۔''

مذہب اسلام اپنے پیش کردہ عقائد و احکام کے اعتبار سے ایک مکمل دین ہے۔ اس کی شریعت تا قیامت واجب اتباع ہے۔ اور پوری انسانیت کے لئے اصلاح وفلاح کا پیغام ہے۔ اس کے قواعد وضوابط سے جو قانونی نظام ترتیب وترکیب پاتا ہے وہ تمام پیش آمدہ مسائل کو محیط ہے۔ ہر زمانے اور ہر جگہ کی قانونی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ زمانے کے تمام انفرادی اور اجتماعی حالات کو محیط ہے۔ چونکہ زمانہ برابر رواں دواں ہے انسانی تہذیب وتمدن ترقی پذیر ہے اس بناء پر جدید معاملات ومسائل کے لئے قرآن وسنت، تعامل صحابہؓ، اجماع امت اور فقہی نظائر وشواہد کی روشنی میں استنباط واستخراج احکام کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اسی طرح شریعت

کے ذخیرے میں نشوونما اور اضافہ ہوتا رہے گا۔ درحقیقت امت مسلمہ کو بنی نوع انسان کی قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں نے بااحسن اس فرض کو نبھایا اور پوری انسانیت کی فکری، تہذیبی، اخلاقی معاشی، سیاسی قیادت کی جس کا اعتراف آج تک ساری دنیا کو ہے۔ جس کا اظہار ایک مشہور مغربی مصنف Wilfred Cantwallismith یوں کرتا ہے:

"Islamic form was given to almost every aspect of life whatever its content and it was an islamic pattern that gave the society cohesion as well as vitality. The centre of this unifying force was religious law, which regulated within its powerful and precise sweep every thing from prayer rites to property rights. The law gave unity to islamic society from Cordova to Multan. It gave unity also to the individual muslim, his entire life actively being organised into a meaning ful whole by this divine pattern". (14)

(14) Wilfred Cantwallismith, Islam in modern history, London, 1959, P.374

''زندگی کے تقریباً ہر شعبے کو خواہ وہ کسی بھی موضوع سے متعلق تھا، اسلامی رنگ میں رنگ دیا گیا تھا۔ یہی وہ اسلامی ڈھانچہ تھا جس نے اسلامی معاشرے کو یک جہتی بھی عطا کی اور زور اور ولولہ بھی۔ اس وحدت آموز قوت کا مرکز وہ دینی ضابطہ وآئین تھا جو اپنے طاقت ور اور صریح ولولے کے جلو میں ہر بات کو منظم و ترتیب سے نواز رہا تھا۔ عبادات سے لے کر حقوق ملکیت تک سب معاملات اسی کے زیر اثر تھے۔ اسلامی آئین نے مسلمان معاشرہ کو قرطبہ (ہسپانیہ) سے لے کر ملتان تک وحدت بخش رکھی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے مسلمان فرد کو بھی خود اس کی ذات میں وحدت سے نواز رکھا تھا۔ اس لئے اس کی ساری زندگی کو اس پاکیزہ سانچے نے عملاً منظم کر کے ایک بامعنی اور بھرپور کل بنا دیا تھا۔''

اسلام ایک ابدی دین ہے۔ جس کا نصب العین پوری انسانیت کی اصلاح وفلاح ہے جو تمام پیش آمدہ اور ممکن الوقوع مسائل کو محیط ہے۔ اس کے احکام میں لچک اور عمومیت ہے۔ اسلامی شریعت کسی معین عرصے کے لئے وجود میں نہیں آئی کہ اس کے بعد اس کا کام ختم ہو جائے بلکہ شریعت اسلامی ابدی اور دائمی ہے۔ اس لئے اس میں کبھی جمود نہیں رہا۔ ہمیشہ تحقیق وتجسس کا دروازہ کھلا رہا۔ اگر قرون اولیٰ کے مسلمان جمود پسند ہوتے اور کتاب وسنت سے مسائل اخذ کرنے کی ہمت وجرأت نہ کرتے اور محض اقوال پر ان کا دارومدار ہوتا تو آج جس قدر عظیم علمی و

ادبی انقلاب نظر آرہا ہے کبھی نہ ہوتا۔ آج ان کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ صرف فقہ کی کتابوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ان کی جرأت وبصیرت اور عقل وحکمت کے نمونے قدم قدم پر نظر آئیں گے۔ قاضی ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور ان کا بے حد احترام کرتے ہیں، مگر مقلد جامد نہیں ہیں۔ جہاں ان کی رائے ان کو صحیح معلوم نہیں ہوتی، بے دھڑک اختلاف کرتے ہیں۔ فقہ کی کوئی کتاب اٹھالیجئے، ان کا مدلل اختلاف تقریباً ہر صفحے پر نظر آتا ہے۔ یہی طریقہ کار آپ کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ کا ہے کہ استاد کی عظمت وعقیدت کے باوجود مسائل میں اختلاف رائے رکھتے تھے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام نظریاتی بحران کا شکار ہے۔ اپنے نظام حیات کے سلسلہ میں یورپ کی طرف سر جھکائے ہوئے ہے۔ آخر کیوں؟ اس کی ایک بڑی وجہ دین سے غفلت، مذہب سے دوری اور مغرب کی اندھی تقلید سے مسلمانوں کا سیاسی اور فکری انحطاط ہے۔ دوسری طرف اسلامی ریاستوں کی علاقائی تقسیم، ملکی تعصب اور حکمرانوں کی شرعی احکام سے بے اعتنائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر علوم کی طرح فقہ میں بھی ایک گونہ تعطل رونماء ہو چکا ہے۔ امت مسلمہ علمی انحطاط اور ذہنی پستی کا شکار ہو چکی ہے۔ جس کا اظہار علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں:

''ایک وہ زمانہ تھا کہ مغربی فکر اسلام کی ہر سطح پر خوشہ چین تھی۔ لیکن اب مسلم فکر سرعت کے ساتھ مغرب کی طرف گامزن ہے۔'' (۱۷)

ان حالات میں حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسا بیدار مغز، معاملہ فہم، دور اندیش، تجدیدی ذہن رکھنے والا آدمی پورے ماحول کی اس نامناسب کیفیت پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام خرابیوں کا بغور جائزہ لیا اور اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ موجودہ زمانے کے طرز فکر سے آگہی پیدا کی جائے، اور جن نتائج تک موجودہ علم نے رسائی حاصل کی ہے ان سے پورا استفادہ کیا جائے۔ اسلامی فکر کی روایات کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے اجتہاد کے لئے راہ ہموار کی جائے تاکہ علم کی ترقی کے ساتھ فکر کے نئے نئے راستے کھلتے رہیں۔

آپؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ نئی نسل مذہب کے اصل سرچشموں تک رسائی حاصل کر کے تقلید جامد کے طرز کہن کو ترک کرے۔ مسلمان کتاب وسنت کے اصل نصوص کو غور وفکر کا مرکز بنائیں۔ نظر میں وسعت اور فکر میں گہرائی پیدا کریں۔ خود ساختہ معاشرتی رسم ورواج کی بندشوں سے آزاد ہوں۔ وہ جدید طبقہ کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اسلام محض انفرادی نجات کا قائل نہیں

ہے بلکہ وہ پوری دنیا کے لئے راہ نجات ہے۔ اسلامی فکر کا اصل سرچشمہ قرآن کریم اور حدیث نبویہ ہیں۔ ان سے صرف نظر کر کے جو اجتہاد کیا جائے گا۔ وہ اجتہاد نہیں بلکہ شریعت اسلامی کے ساتھ اختلاف ہوگا۔ جس کو J.N.D Anderson یوں واضح کرتا ہے:

"It is not society that influences law, but the law that provides a divinely revealed form and standard to which Muslim society is under a perpetual duty to conform". (18)

(18) J.N.D Anderson, Islamic Law in the modern world, London. 1959, p7

''یہ سوسائٹی نہیں جو قانون کو متاثر کرتی ہے بلکہ یہ قانون ہے جو وحی کردہ ایک ایسا قاعدہ اور معیار مہیا کرتا ہے جس کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا مسلمان سوسائٹی پر دواماً فرض ہے۔''

اجتہاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ماضی سے فکری رشتہ کاٹ لیا جائے۔ تمام مجتہدین امت نے ہمیشہ ماضی سے اپنا رشتہ استوار رکھا ہے۔ ایسا کرنے سے نئے مجتہدات اصل سرچشمہ سے منسلک ہو سکتے ہیں۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ قدیم فقہ عصر حاضر میں بھی اسی طرح قابل عمل اور قابل نفاذ ہے، جس طرح ان حالات میں تھی۔ یہ کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ یہ ایک غیر حقیقت پسندانہ رائے ہے۔ اصول کی حدود میں رہتے ہوئے مختلف جزئیات کا استخراج اور نئے مسائل کی تخریج عہد سابق میں بھی علماء کرتے رہے ہیں۔ تدوین کے بعد بھی فقہ اسلامی پر برابر کام ہوتا رہا۔ اس کی تائید خود فقہی مذاہب کے اندرونی نظائر سے ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر فقہ حنفی میں خود امام صاحبؒ اور صاحبین کے اختلافی اقوال میں سے بعد کے فقہاء نے عصری تقاضوں کی روشنی میں اجتہاد ترجیحی کے ذریعے کسی ایک قول کو اپنا لیا اور مجلتہ الاحکام العدلیہ، فتاویٰ عالمگیری اور دیگر قانونی مجموعوں کی تدوین میں بھی اسی طریقہ کار کو اپنایا گیا ہے۔ اسی طرح فقہاء ہند نے زوجہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں فقہ حنفی پر مالکی مسلک کو ترجیح دی۔ بحیثیت مجتہد حضرت شاہ صاحبؒ یہ ضرور چاہتے تھے کہ جدید فکر کو اسلامی اسلوب کا قالب عطا کیا جائے۔ لیکن وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ اسی طرح کھول دیا جائے کہ امت مسلمہ کا تشخص باقی نہ رہے۔ اس کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ آپ کی یہ دلی خواہش تھی کہ مذاہب فقہ میں ایک گونہ ہم آہنگی اور یک جہتی پائی جائے۔ اس سلسلہ میں ان کا بنیادی موقف یہ تھا کہ مسلمان قرونِ اولیٰ کی طرف لوٹ جائیں۔ عوام علماء کی اطاعت واتباع کریں لیکن نہ اس میں پیغمبر کی طرح کسی شخص کا تعین ہو اور نہ جمود کی روح سرایت کرنے پائے۔ اس کے لئے

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک راہ اعتدال نکالی جس کو آپ لکھتے ہیں یوں ارشاد فرماتے ہیں

"وصیت اول این فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول شدن و ہر روز حصہ از ہر دو خواندن ندارد" ورقہ از ہر دو شنیدن و در عقائد مذہب قدماء اہل سنت اختیار کردن واز تفصیل وتفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردند اعراض نمودن بہ تشکیکات معقولیان خام التفات نکردہ و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن و آنچہ موافق باشد در خبر قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن وبدیشان التفات نہ کردن و قربت حق جستن بدوری ایشان" (۱۸)

"فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کرے۔ ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے کر اور ہر دو سے کچھ حصہ روزانہ پڑھے۔ اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے اور عقائد میں سلف اہل سنت کی روش اختیار کرے۔ آئمہ سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے اور خامہ کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے۔ فروعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں۔ فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب و سنت پر پیش کرے۔ جو موافق ہو اسے قبول کرے ورنہ نظر انداز کر دے۔ امت کو اپنے اجتہادات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے کبھی استغناء حاصل نہیں ہوا۔ ضدی قسم کے فقیہ حضرات، جنہوں نے بعض اہل علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب و سنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے، کسی کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ نہ اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا۔"

فقہی جمود کو توڑنے اور مذاہب اربعہ میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کلمات میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

”و نحن ناخذ من الفروع ما اتفق عليه العلماء لا سيماهاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية و الشافعية و خصوصاً في الطهارة و الصلوٰة فان لم يتيسر الاتفاق و اختلفوا فناخذ بما يشهد له ظاهر الحديث و معروفة“ (۱۹)

”ہم فروعی مسائل میں ان مسائل پر عمل کی کوشش کرتے ہیں جن پر علماء متفق ہوں۔ خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی۔ طہارت اور نماز کے مسائل میں یہ طریقہ اور پسندیدہ ہے۔ اگر اس میں اتفاق نہ ہوسکے تو جو ظاہر حدیث کے موافق ہو ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔“

دوسری جگہ تفہیمات میں اس مسئلہ کو حل فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”و نشافی قلبی داعية من العلماء الاعلیٰ تفصيلها ان مذهبی ابی حنيفةؒ و الشافعیؒ هما مشهوران فی الامة المرحومة الی ان قال و ان الحق الموافق العلوم الملاء الاعلیٰ اليوم ان يجعلا كمذهب احد يعرضان علی الكتب المدونة فی رسول الله“ (۲۰)

”اور ملاء اعلیٰ سے میرے دل میں ایک داعیہ ڈالا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شافعی اور حنفی دو مذاہب امت میں مشہور ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان دونوں کو ایک کر کے کتاب وسنت کی کتب مدونہ پر پیش کیا جائے۔“

اس قسم کے ارشادات سے حضرت شاہ صاحبؒ کی مختلف کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ملاحظہ ہو ”حجۃ اللہ البالغہ“، ”الوصیت“، ”تفہیمات“ وغیرہ جس سے حضرت شاہ صاحبؒ کے مؤقف کی صاف طور پر وضاحت ہوتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کا عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور مادی ترقی کا مقابلہ کرنا

شریعت اسلامیہ کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے آپؒ کا نظریہ بالکل واضح ہے کہ مسلمان عصری تقاضوں سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہوتے ہوئے ارتقاء پذیر دنیا کے ساتھ بھرپور ترقی کرتے چلے جائیں۔ اس کرہ ارض پر انسان کے حقیقی نصب العین یعنی توحید پر مبنی نظام کے قیام کی راہ ہموار کرتے رہیں۔ اس کام میں فقہ اسلامی کی حیثیت سے غیر متبدل اور اٹل حصہ تو ہر حال میں واجب النفاذ رہے گا۔ رہا متبدل حصہ تو وہ جس حد تک حالات اور زمانہ کی ضرورت کی تکمیل کرتا رہے گا اس حد تک قابل عمل رہے گا۔ جہاں جہاں اس میں اسلام کے اصولوں کی حدود میں عصری تقاضوں کے پیش نظر کسی قسم کے تغیر وتبدل کی ضرورت محسوس

ہوگی، قیاس واجماع کے اجتہادی ماخذ قانون استعمال کرتے ہوئے وہاں تغیر وتبدل روا رکھا جائے گا۔

آپؒ کے نزدیک فقہ اسلامی کا غیر منصوص حصہ کافی حد تک معاشرتی وسماجی رسم ورواج اور دیگر جغرافیائی وعلاقائی عوامل سے اثر پذیر ہے۔ چونکہ رسم ورواج ہر زمانے کے یکساں نہیں ہوتے اور جغرافیائی اختلافات بھی عرف ورواج میں تفاوت کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے ہرقوم کے الگ الگ عادات وخصائل ہوتے ہیں۔ جن سے وہ مانوس ہوتی ہیں۔ اس بناء پر تشریح کے باب میں ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ جس کو آپ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''پس اس سے بہتر اور آسان تر کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ شعائر وحدود اور مصالح عامہ کے باب میں اس قوم کی عادات کا اعتبار کیا جائے جس میں پیغمبر کی بعثت ہوتی ہے۔ بعد میں آنے والی نسلوں پر ان امور کے بارے میں زیادہ سختی نہ کی جائے اور ان کو فی الجملہ ہی ان باتوں پر باقی رکھا جائے، کیونکہ پہلے لوگ تو اپنے دلوں کی شہادت اور اپنی عادات کے باعث ان احکام کو قبول کریں گے۔ مگر بعد میں آنے والی نسلیں تو ان چیزوں کو ملت کے اماموں اور خلفاء کی سیرتوں کی روشنی میں قبول کریں گی۔ آج بھی اور ہر زمانے میں ہر قوم کا یہی خاصہ طبعی رہا ہے۔''(۲۱)

اس بات کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اس نے اپنی کوئی الگ شریعت لوگوں پر نہیں تھوپی بلکہ اس نے دیدہ وری سے قوم کے رسم ورواج ان کے طور وطریق زندگی، ان کے تہذیبی اور تمدنی حالات کا جائزہ لیا پھر ان میں قانون الہیٰ کے مطابق جو چیزیں خیر محض تھیں ان کو علی حالہا قائم رکھا، جو چیزیں شر محض تھیں، ان کو بالکل رد کردیا۔ اور جن چیزوں میں خیر اور شر دونوں کا اجتماع وامتزاج تھا ان میں حدوقد کرکے انہیں ایسا بنادیا کہ خیر غالب ہوگیا اور شر مغلوب۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جتنی شریعتیں تھیں اس کی تشکیل اس نہج پر ہوئی تھی۔ اور خود شریعت محمدی کی تعمیر اسی اصول پر ہوئی۔''(۲۲)

آپؒ کے اس نظریہ میں بڑی وسعت اور اعتدال وتوازن پایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر سابقہ فقہی مذاہب سے ہوتی ہے۔ مثلاً مسلمان ماہرین قانون نے شام وعراق اور مصر میں پائے جانے والے ان مقامی رسوم کو اپنالیا جو شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں تھیں۔ حنفی فقہاء نے

عرف وتعامل کو بڑا وزن دیا ہے۔ اس کی مثال ''بیع الوفا'' ہے جو ترکستان میں ایک عام رسم کے طور پر رائج تھی۔ یعنی ماحول اور علاقائی عوامل کی بناء پر قیاس واجماع کے اجتہادی ماخذ قانون استعمال کرتے ہوئے وہاں تغیر وتبدل روا رکھا۔

آپ کا مطمع نظر یہ تھا کہ علم ونظر کی راہنمائی میں کتاب وسنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالح وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں۔ نظائر اور ان کے احکام میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ شارع حکیم کے احکام کے وجوہ اور اسباب پر غور کریں جن کی بناء پر شارع حکیم نے یہ احکام نافذ فرمائے ہیں۔ اس کارخانہ حیات میں رہ کر دنیا اور اس کی ضروریات سے دامن کشی نہ شریعت کا مقصد ہے اور نہ دنیا پرستی میں بالکل محو ہو جانا صحیح راہ عمل ہے بلکہ ان دونوں میں راہ اعتدال پیدا کرنا اصل مقصود ہے۔

غلو کسی میں نہ آئے، اس سے خرابی پیدا ہوگی۔ اس عالم کون ومکاں میں دین اور دنیا دونوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ صحابہؓ اور آئمہ کرام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھانا ہوگا۔ فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پرستی کی حوصلہ افزائی کی بجائے اصل نظر کتاب وسنت پر مرکوز کرنی ہوگی۔ تب جا کر ہم شریعت کی اصل روح کو پانے میں کامیاب ہوں گے۔

اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور جدید طریقہ کار

اسلام کے ابتدائی عہد میں لوگ عہد نبوی ﷺ سے زیادہ قریب تھے۔ اور اس کا اثر ان کی زندگیوں میں راسخ تھا۔ اور رسول ﷺ کی حدیثیں تیسری صدی تک روایتاً نقل اور ذاتی طور پر حاصل کی جاتی تھیں۔ لوگ علم فقہ اور قرآن وحدیث اور لغت کے پڑھنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور اپنی زندگیوں کو علم کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ ان ہی علماء نے انفرادی اجتہاد کے ذریعے فقہ میں قواعد کے استنباط اور قانونی نظریات کی تاسیس میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ انہوں نے فقہ کی متنوع اور ہمہ جہت دولت کی بنیاد رکھ دی۔

اگر یہ انفرادی اجتہاد ابتدائی دور میں نہ ہوتا تو آج جس قدر فقہ اسلامی ایک گراں قدر بیش بہا خزانہ سے لبریز ہے، جس کی نظیر اقوام عالم میں نہیں ملتی، کبھی نہ ہوتا۔ اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ فقہ اسلامی میں دور سابقہ کی طرح زرخیزی وشادابی ہو، نئی مشکلات وضروریات کا حل ہو،

قانونی نظریات وقواعد اور حکیمانہ احکامات سے لبریز ہمہ گیری ہو۔ تو ہمیں اب انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کے نئے اسلوب کی بنیاد رکھنی ہوگی اور وہ مشکلات وخدشات جن کی وجہ سے انفرادی اجتہاد کے دروازہ کو بند کر دیا گیا تھا، اسے فرد کے ہاتھ سے نکال کر جماعت کے ہاتھوں میں دے کر ان خطرات سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں مختلف مکاتب فکر کے مستند جید، دین میں پختہ کار، پرہیز گار، مشہور وبلند پایہ علماء وفقہاء کا بورڈ بنانا ہوگا' جو قرآن وحدیث پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ آئمہ مجتہدین کی کتابوں پر دسترس رکھتے ہوں۔ ساتھ ہی دور حاضر کے مسائل سے بھی اچھی طرح آگاہ ہوں۔ ان کی امداد ومعاونت کے لئے ایسے ماہرین قانون، ماہرین اقتصادیات اور دیگر مختلف علوم وفنونِ جدیدہ کے ایسے ماہرین کی خدمات سے استفادہ کرنا ہوگا جو عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچے کھرے مسلمان ہوں اور جن میں اسلامی نظام کے لئے سچی تڑپ ہو۔ تا کہ علماء اور فقہاء جدید عصری معاملات میں ان کی رائے پر اعتماد کر سکیں۔ تا کہ ان تمام پیچیدہ مسائل کو حل کیا جائے جو دور حاضر کی پیداوار ہیں۔ اور یہ تمام کام اس وقت کی اسلامی حکومت سرانجام دے۔ اس کام کے لئے جو اخراجات آئیں، ان کو سرکاری سطح پر پورا کرنا چاہیے، تا کہ علماء کی کفالت کا معقول انتظام ہو۔ ساتھ ہی وسیع لائبریریوں کا جال بچھایا جائے جن میں وہ اپنے مباحث کی اشاعت کے لئے کتب ورسائل شائع کریں۔ یہ تمام تبدیلیاں شریعت اسلامیہ کے اصل ماخذ قرآن وسنت، آثار صحابہؓ، اجماع امت اور آئمہ مجتہدین کے اصول وقواعد کی روشنی میں ہونی چاہئیں۔ ان تمام سیاسی، قانونی، اقتصادی، معاشرتی، آئینی اور بین الاقوامی مسائل کا حل تلاش کیا جائے جو دور حاضر کی پیداوار ہیں۔

اس اجتماعی اجتہاد کی وجہ سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ قانون سازی کا سارا عمل اصول اجماع کے تحت ہوگا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اس اجتماعی اجتہاد کے ذریعے قرون اولیٰ کی طرف لوٹ جائیں گے۔ جس کی بنیاد خلافت راشدہ کے زمانہ میں رکھی گئی تھی۔ تیسرا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے ایسے تجدد پسند اذہان کی حوصلہ شکنی ہوگی جو علمی اور فقہی ضروریات سے بے خبر رہ کر اپنی ذاتی رائے کو اجتہاد کے نام سے مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ جس کو سوائے الحاد کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے تجدد پسند عناصر کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راستہ بند ہو جائے گا۔ اگر ہم اجتماعی اجتہاد کے اس اہم کام کو مکمل اور منظم اسلامی ادارہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم موجودہ پیچیدہ عصری مسائل کا شرعی حل پیش نہ کر سکیں۔

۸

تقلید

تقلید کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

تقلید کا لفظ ''قلادۃ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی ہار، پٹے یا قربانی کے وہ جانور ہیں جن کے گلے میں بطور نشانی پٹہ وغیرہ پڑا ہو۔(۱) قلادہ کے معنی ہار اور اسکی جمع قلائد ہے۔(۲) اس لئے تقلید کے لغوی معنی ہوں گے، ہار پہنا دینا۔ علماء اصول نے تقلید کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے:

الف) "التقليد، العمل بقول الغير من غير حجة" (۳)

''غیر کی بات پر بغیر کسی دلیل کے عمل پیرا ہونا۔''

ب) "قبول قول القائل وانت لا تعلم من اين قاله فقال"۔ (٤)

''کسی کہنے والے کی بات کو قبول کرنا، اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس نے کہاں سے یہ بات کہی۔''

ج) "العمل بقول من ليس قوله احدى الحجه بلا حجة" (٥)

''بغیر کسی حجت کے غیر کی بات پر عمل کرنا اگرچہ اس کا قول حجتوں میں سے نہ ہو۔''

د) "العمل بقول الغير من غير حجة ملزمة" (٦)

''غیر کی بات پر عمل کرنا بغیر حجت لازمہ کے۔''

ہ) "التقليد، العمل بقول غيرك من غير حجة" (٧)

''غیر کی بات پر عمل کرنا بغیر کسی دلیل کے۔''

ف) ڈکشنری آف اسلام میں تقلید کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"A term used in Muhammadan Law for the following of a religious leader without due inquiry".

''اسلامی قانون کی اصطلاح میں کسی مذہبی راہنما کی بغیر مناسب تحقیق پیروی کرنا۔''

تقلید کی ضرورت واہمیت

تقلید کے اصطلاحی معنی یہ ہوں گے کہ دوسرے کی بات حسن ظن کی بناء پر بلا دلیل مان لی جائے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بغیر عام انسان زندگی کے اس سفر کو طے نہیں کرسکتا اور نہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ عام انسانوں کی ایک علمی ضرورت ہے جس سے کسی صورت میں انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً عملی زندگی میں مریض کا طبیب کی بات پر اعتماد کرنا، مقدمے کے ہر فریق کا اپنے مشیر قانون یعنی وکیل کی اطاعت کرنا، متعلم کا معلم کی راہ نمائی قبول کرنا' یہ ایسے حقائق ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اگر ہر انسان کو زندگی کی ہر ضرورت کے بارے میں کامل مہارت حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ ایک ناممکن سی بات ہے۔ بلکہ یہ آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوجائیں۔ جب ان تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں میں جن کے اصول اپنے ہی جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، انسان ان کی رائے پر بے چوں چرا عمل پیرا ہوئے بغیر نہیں چل سکتا، تو یہ کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ ہر انسان شرعی امور میں بھی خود براہ راست اسلامی سرچشموں سے احکام واسرار اخذ کرنے کی پوری صلاحیت واہلیت رکھتا ہو۔ جس کی پوری تفصیل اجتہاد کے بارے میں گذر چکی ہے کہ کسی کی تقلید کئے بغیر قرآن وحدیث سے مسائل استنباط کرنا کس قدر مشکل ودشوار کام ہے۔ اس کے لئے کس قدر علوم وفنون کا جاننا ضروری ہے جو ہر کس وناکس کے لئے ناممکن سی بات ہے۔ ان کی گہرائیوں میں اتر کر ان کی بنیادوں کا پتہ لگانا، ان کی حکمت و مصلحت دریافت کرنا کس قدر مشکل ودشوار کام ہے۔ ہر ایک اسکا اہل نہیں۔ اس لئے غیر مجتہد کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ اہل علم کی پیروی کرے اور ان کے قول وفعل کو بلا چون و چرا تسلیم کرے۔

حجیت تقلید قرآن کے آئینہ میں

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد پاک ہے۔

"فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (۸)

"اگر تم لاعلم ہو تو علم والوں سے سوال کرو۔"

دوسری جگہ ارشاد مبارک ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (۹)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔"

"اُولِی الْاَمْرِ مِنکُم" سے مفسرین "اہل علم وفقہ" یعنی علماء وفقہاء کو بھی مراد لیتے ہیں۔ (۱۰)

"اُولِی الْاَمْرِ" کی تفسیر میں بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ دنیاوی معاملات میں اس سے مراد دنیاوی حاکم لئے جائیں گے اور شریعت کے معاملات میں اس سے مراد دینی حاکم یعنی مجتہد وعلماء ہوں گے

امام فخر الدین رازی تفسیر الکبیر میں لکھتے ہیں:

"ان اعمال الامراءِ والسلاطین موقوفة علی فتاویٰ العلماء و العلماء فی الحقیقة امراءُ الامراءِ فکان حمل لفظ اُولی الامر علیهم اُولیٰ" (۱۱)

"یعنی دنیاوی حاکموں کے اعمال علماء کے فتوؤں کے تابع ہوتے ہیں اور دراصل علماء ہی دنیاوی حکمرانوں کے بھی حکام کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اولی الامر کے لفظ کا استعمال دنیاوی حکمرانوں کی بجائے علماء ہی کے لئے زیادہ مناسب ہے۔"

تقلید کی ضرورت واہمیت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ" (۱۲)

"اور کہیں گے کفار اے کاش ہم سنتے یا عقل سے سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

قیامت کے دن کفار اس بات پر افسوس کریں گے کہ ہم نے دین کو خود اپنی عقل سے سمجھا اور نہ عقل والوں کی سنی۔"

"وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ" (۱۳)

"عام لوگوں کو جب امن یا خوف کی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے مشہور کرنا شروع کر دیتے ہیں اگر وہ ایسا کرنے کی بجائے اس سلسلہ میں رسول ﷺ اور اپنے میں سے صاحب فیصلہ لوگوں (مجتہد) کی جانب رجوع کرتے تو اس کی حقیقت ان میں سے وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق واجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

حجیت تقلید احادیث کی روشنی میں نیز تقلید کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم

"عن جابر قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلاً منا حجر فشجه فی رأسه فاحتلم فسأل اصحابه فقال هل تجدون لی رخصة فی التیمم قالو اما نجد لك رخصة وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی النبی ﷺ اخبر بذلك فقال قتلوه قتلهم الله الا سألوا إذا لم یعلموا فانما شفاء العی السوال انما كان یكفیه ان

ویعصر او یعصب علی جرحه خرقة ثم یمسح علیها و یغسل سائر جسده"

"حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم ایک سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک صاحب کو پتھر لگ گیا۔ جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا۔ اسی حالت میں انہیں غسل کی ضرورت پیش آگئی۔ ان صاحب نے اپنے ساتھیوں سے مسئلہ دریافت کیا کہ آیا وہ تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ تم تو پانی کے استعمال پر قادر ہو اس لئے ہمارے خیال میں تیمم جائز نہیں۔ اس پر ان صاحب نے غسل کر لیا جس کے نتیجے میں وہ وفات پا گئے۔ اس کے بعد ہم نبی کریم ﷺ کے حضور پہنچے اور یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اللہ انہیں سمجھے جنہوں نے اس کو جان سے مروا دیا۔ انہیں معلوم نہیں تھا تو دریافت کر لیتے۔ جہالت کا واحد علاج دوسرے سے دریافت کر کے علم حاصل کر لینا ہی ہے۔ شخص مذکورہ کے لئے تیمم کافی تھا اور یہ کافی تھا کہ زخم پر پٹی باندھ لیتے اور اس پر مسح کر لیتے اور پھر اپنا تمام بدن دھو لیتے۔"

یعنی غیر مجتہد کا علاج وشفاء اس حدیث کے مطابق سوال کرنا، پوچھنا اور تقلید کرنا تھا۔

"عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه"

(۱۵)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کو بے تحقیق کوئی فتویٰ دے دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہوگا۔"

اس حدیث سے واضح ہے کہ اگر تقلید جائز نہ ہوتی اور کسی کے فتویٰ پر بلا دلیل عمل جائز نہ ہوتا تو مفتی کی تخصیص کیوں کی گئی ہے یہاں تک کہ جس طرح مفتی کو غلط فتویٰ دینے کا گناہ ہوتا ہے، اسی طرح سائل کو بلا تحقیق عمل کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔ یہاں سائل کو باوجود تحقیق دلیل نہ کرنے پر عاصی نہیں ٹھہرایا تو بلاشبہ تقلید کا جواز ثابت ہوا۔

"ترمذی" کی حدیث میں روایت ہے۔ جس کو تمام محققین اہل حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی و اشار الی ابی بکرؓ و عمرؓ"

(۱۶)

"مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا۔ سو تم لوگ ان دونوں کی اقتدا کرنا اور اشارہ سے ابوبکرؓ و عمرؓ کو بتلایا۔"

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں واضح طور پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے:

"قال النبی ﷺ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرافعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکو اعلیھا و عضوا علیھا بالنواجذ" (۱۷)

"رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا۔ پس لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑے۔"

یعنی میرے بعد میرے خلفاء کی اطاعت و پیروی کرو۔ نبی کریمؐ کے عہد میں یہ دستور تھا کہ سب آپؐ کے حکم کی اتباع و پیروی کرتے تھے۔ دور دراز علاقوں میں جہاں آپ ﷺ کسی کو مجاز کرتے، ان کا اتباع ہوتا تھا۔ منکرین زکوٰۃ پر ابوبکرؓ اپنا اجتہاد پیش کرتے ہیں تو سب صحابہؓ بے چوں وچرا تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جانتے تھے کہ نص کے معنی مجتہد سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا اور وہر فہم کی رسائی اس حد تک ممکن نہیں۔ حضور اکرمؐ کے اصحابؓ میں سے چھ اصحابؓ بہت مشہور تھے۔ یہ اصحاب فتویٰ دیا کرتے تھے اور فقہی مسائل کا علم باقی اصحاب کو سکھاتے تھے۔ باقی صحابہؓ ان کی تقلید کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے ان کا ذکر اپنی کتاب الآثار میں کیا ہے۔

"ستہ" من اصحاب النبی ﷺ الفقه بینھم علی بن ابی طالبؓ و اُبیؓ و ابو موسیٰؓ علیحدہ و عمرؓ و زیدؓ و ابن مسعودؓ علیحدہ" (۱۸)

"یعنی اصحاب رسول ﷺ میں سے چھ اشخاص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ و اُبیؓ اور ابو موسیٰؓ اشعری ایک ساتھ اور حضرت عمرؓ، زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ"

امام شعبیؒ کا مقولہ ہے۔

"کان العلم یو خذ من ستة من اصحابه"۔ (۱۹)

"یعنی علم چھ صحابہؓ سے سیکھا جاتا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے لیکن ان میں مفتی اور فقیہہ صرف چھ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان مسائل کے لئے صرف احادیث کا جاننا کافی نہ تھا۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ اس کے لئے اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑتی ہے جو ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے وسیع علم کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے دور میں بھی یہ چھ صحابہ فقیہہ تھے اور باقی صحابہؓ ان کی تقلید کرتے تھے

موطا امام مالک کی روایت میں ہے ''ابو ایوب انصاریؓ حج کے لئے نکلے، راستہ میں اونٹنیاں گم ہوگئیں، اور حج کا وقت نکل جانے پر پہنچے۔ حضرت عمرؓ سے سارا قصہ بیان کر کے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ افعال عمرہ ادا کر کے احرام کھول دو اور اگلے سال حج کر کے میسر شدہ قربانی دے دو۔'' (۲۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ دور نبوی ﷺ میں بھی چند ایک صحابہؓ اجتہاد کرتے تھے۔ دیگر صحابہؓ بغیر کسی دلیل کے ان کے مسائل پر عمل کرتے تھے۔ ان سے کسی قسم کا کوئی تعارض یا دلیل طلب نہیں کرتے تھے جو ان کی تقلید کی واضح دلیل ہے۔

وجوب تقلید پر حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشادِ خاص: ۲۳۹

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا نام لکھ کر فرماتے ہیں:

"واما غیر ھولاء الاربعة فکانو یرون دلالة ولکن ما کان یمیزون الرکن والشرط من الآدب والسنن ولم یکن لھم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الاقلیلاً کائن عمرو عائشته وزید بن ثابت" (۲۱)

''یعنی ان چاروں کے سوا باقی لوگ تھے، وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن آداب سنن اور ارکان وشرائط میں امتیاز وتفریق نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا، وہاں وہ بجز بعض موقعوں کے دخل نہیں دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ، عائشہؓ، زید بن ثابتؓ۔''

یہی چند صحابہؓ حدیث وفقہ کے مسائل تعلیم کرتے تھے اور دیگر صحابہؓ ان کی تقلید کرتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ جو صحابہ اجتہاد نہ کر سکتے تھے وہ مجتہدین صحابہؓ سے دریافت کر کے ان کی تقلید کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کا لغات سبع کا صرف ایک ہی لغت میں پڑھنے اور لکھنے کا حکم دینا اور تمام اسلامی بلاد عرب وعجم میں بلا چوں وچرا تسلیم کر لینا اور اس کو واجب سمجھنا تقلید کی واضح دلیل ہے۔

وجوب تقلید پر آپؒ مزید ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمد ولی ذلك علی الصحابة وتبع التابعین اعتمد و اعلی التابعین وھکذا فی کل طبقة

اعتمد والعلماء علی من قبلهم" الخ(۲۲)

''یعنی معرفت اور شریعت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف پر اعتماد کیا ہے اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اسی طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پر اعتماد و اعتبار کرتے چلے آئے ہیں۔''

''عقد الجید''میں آپؒ تقلید کے جواز میں ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذلك باطلاً لاء نکروه" (۲۳)

''صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر چار مذہبوں کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا ہے کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اسی کی تقلید کر لیتے اور کسی معتبر آدمی نے اس پر سے انکار نہیں کیا۔ اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے۔''

تیسری جگہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید کے وجوب پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"فعند ذلكَ صَارَلکل عالم من علماء التَّابعَین مذهبٌ علی حیاله فانتصب فی کلِّ بَلَدٍ امام مثل سعید بن المسیب" " (۲۴)

''پس اس وقت تابعین علماء میں سے ہر عالم مجتہد کے لئے جدا جدا مذہب ہوا۔ اور وہ ہر ایک شہر میں امام قرار پایا۔''

اقسام تقلید: (تقلید شخصی و غیر شخصی)

تقلید کی دو قسمیں ہیں۔ ''شخصی'' اور ''غیر شخصی''

۱۔ تقلید شخصی: یہ ہے کہ ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب منسوب ہے اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا کو دلیل کے طلب کئے بغیر قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لئے کافی سمجھنا، قطع نظر اس سے کہ ان مسائل مفتیٰ بہا میں سے بعض مسائل خود اس امام مجتہد کے ہوں اور بعض اس کے شاگردوں کے اور بعض اس کے علماء مقلدین کے، مگر سب کا مجموعہ ایک مذہب معین کہلاتا ہو کہ جس کی نسبت ایک خاص امام کی طرف کی جاتی ہو۔

۲۔ تقلید غیر شخصی: یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کئے بغیر اپنا معمول ٹھہرانا۔ یعنی کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا اور کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا لے کر عمل کر لینا اور ایک معین مجتہد کے مذاہب کی جملہ مسائل مفتیٰ بہا میں پابندی نہ کرنا (۲۵)

جہاں تک تقلید غیر شخصی کا تعلق ہے تو یہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر دوسری صدی ہجری تک اس کا رواج قائم رہا۔ جس کو سابقہ بحث میں حضرت شاہ صاحب نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ جس کو آپ ''عقد الجید'' میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"لان الناس لم یزالوامن زمن الصحابته الی ان ظهرت المذاهب الاربعه یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر افکاره ولو کان ذلک باطلاً لانکروه"

(۲۶)

''صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر چار مذہبوں کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا ہے کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کر لیتے اور کسی معتبر آدمی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے۔''

رہا تقلید شخصی کا تعلق تو دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تقلید غیر شخصی بھی چلتی رہی۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:۔

"وبعد المأتین ظهر فیهم المذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هوالواجب فی ذلک الزمان۔" (۲۷)

''دو صدیوں کے بعد لوگوں میں خاص خاص مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے آدمی بہت کم تھے جو مجتہدین معین کے مذہب کی تقلید شخصی پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت یہی واجب ہو گیا تھا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک تقلید شخصی کے فوائد

آپؒ تقلید شخصی کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وفی ذلک (التقلید) من المصالح مالا یخفیٰ لاسیما فی هذه الایام التی قصرت فیهاالهمم جدا، واشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رای برایه" (۲۸)

''یعنی اس تقلید شخصی میں بہت سے فوائد ہیں جو مخفی نہیں۔ بالخصوص اس موجودہ دور میں جس میں کم ہمتی بے اندازہ ہے اور نفوس خواہش پرستی میں مستغرق ہیں۔ ہر شخص اپنی رائے پر مغرور ہو رہا ہے۔''

''فیوض الحرمین'' میں آپؒ اپنی طبیعت کا عدم تقلید کی طرف رجحان اور حضور اکرم ﷺ کی وصیت کو یوں ذکر فرماتے ہیں:

"وجبلنی تابی التقلید وتانف منه رأساً ولکن شی طلب منی التعبد به خلاف

نفسی وهنا نکته طویت ذکرها وقد تفطنت بحمدالله بسر هذه الجبلة وهذه الوصایة" (۲۹)

''اور میری سرشت تقلید کا انکار کرتی تھی۔ اس سے روگردانی کرتی تھی لیکن ایک شے مجھے میرے نفس کے خلاف باعتبار تعبد کے طلب کی گئی تھی اور اس مقام پر ایک نقطہ ہے جس کے تذکرہ کو میں نے موقوف کر دیا۔ سوالحمد اللہ مجھے اس جبلت اور وصیت کا سر (راز) معلوم ہو گیا۔''

اور "حجة الله البالغه" جلد اول میں فرماتے ہیں:

"اعلم ان الناس کانو قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد بعینه" (۳۰)

''چوتھی صدی سے پہلے سب لوگوں میں صرف تقلید شخصی ہی تنہا نہ پائی جاتی تھی بلکہ بعض لوگوں میں اس وقت تک تقلید غیر شخصی کا بھی وجود تھا۔''

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کے انحصار پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ووقف التقلید فی الاحصار عند هولاءِ الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسدالناس باب الخلاف و طرقه ولما کثر تشعب الاصطلاحات فی العلوم ولما عاق عن الوصول الی رتبة الاجتهاد ولما خشی من اسناد الی غیر اهله ومن لا یوثق برائه ولا بدینه فصرحو بالعجز والا عوازورد والناس الیٰ لتقلید هولاء کل من اختص به عن المقلدین وحظروا ان یتداول تقلید هم لما فیه من التلاعب ولم یبق الانقل مذاهبهم وعمل کل مقلدٍ بمذهب من قلده منهم بعد تصحیح الاصول واتصال سندها باالروایة لا محصول الیوم للفقه غیر هذا ومدعی الاجتهاد لهذا العهد مردود علی عقبه مهجور تقلیده وقد صار اهل الاسلام الیوم علی تقلید هولاء الائمة الاربعة" (۳۱)

''دیار احصار میں انہیں آئمہ اربعہ پر تقلید ٹھہر گئی اور ان کے سوا جو امام تھے، ان کے مقلدین ناپید ہو گئے۔ لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کر دیئے۔ اصطلاحات علمیہ مختلف ہو گئیں۔ لوگ رتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے باز رہ گئے۔ اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ کہیں اجتہاد ایسے شخص کی طرف مستند نہ ہو جائے، جو اس کا اہل نہ ہو یا اس کی رائے یا دین قابل وثوق نہ ہو۔ لہٰذا

علمائے زمانہ نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح کر دی۔ انہیں مجتہدین کی تقلید کے لئے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے، لوگوں کو ہدایت کرنے لگے اور چونکہ تداول (ہر ایک کی) تقلید میں تلاعب (کھیل تماشہ) ہے، لہٰذا کبھی اُن کی اور کبھی ان کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے۔ صرف نقل مذاہب باقی رہ گئی اور اس صحیح اصول واتصال کے بعد سند بالروایت سے ہر مقلد اپنے اپنے مجتہد کی تقلید کرنے لگا۔ فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں اور فی زمانہ مدعی اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور ہے (یعنی اس زمانہ میں اجتہاد کا دعویدار امام مردود ہے اور اس کی تقلید موجود نہیں رہی) اور اسی وجہ سے آج اہل اسلام انہیں چار آئمہ کی تقلید پر قائم ہو گئے۔''

اسی کو حضرت شاہ ولی اللہ ''عقد الجید'' میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

"ولما اندرست المذاهب الحقة الاهذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسوادالاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم" (۳۲)

''یعنی چوتھی صدی کے اندر جبکہ مذاہب اربعہ کی کتب مدون ہو کر اقطار عالم میں پھیل گئیں اور ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی پر ہر جگہ اور ہر شخص کو عمل کرنا آسان ہو گیا۔ ان آئمہ اربعہ کے علاوہ جو دیگر مذاہب چوتھی صدی سے قبل کچھ نہ کچھ پائے جاتے تھے وہ سب ختم ہو گئے ان چار مذاہب کے علاوہ کوئی مذہب اہل سنت والجماعت کا مروج نہ رہ گیا تو انہیں چاروں کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ٹھہرا۔''

فقہی جمود کے اسباب وعوامل:

(۱) نااہل افراد کی تقلید سے بچنے اور فقہی ارتقاء کو قائم رکھنے کی خاطر ائمہ اربعہ کی تقلید کو واجب کیا گیا

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ فکر ونظر بھی محدود ہو کر رہ گیا۔ فقہی ارتقاء رک گیا، حتیٰ کہ سترہویں صدی عیسوی میں سقوط بغداد کے بعد اجتہاد مطلق کا دروازہ بالکل بند کر دیا گیا۔ فقہ اسلامی چار مشہور مذاہب میں محدود ہو کر رہ گیا۔ اسی فقہی جمود کے بہت سے اسباب و عوامل ہیں۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں:

''پھر آہستہ آہستہ عربی تمدن میں زوال آگیا اور اس کے تمام شعبوں میں جمود طاری ہو گیا اور اجتہاد رک گیا۔'' (۳۳)

علامہ ابن خلدون ''مقدمہ ابن خلدون'' میں تقلید پر بحث کرتے ہوئے اس فقہی جمود کے بارے

میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ممالک اسلامیہ میں انہیں چاروں مذاہب کی تقلید عام ہوگئی۔ باقی جتنے مذاہب تھے، بھولی بسری داستان بن گئے اور خلافت کا دروازہ بند ہوگیا۔ اس لئے کہ علوم میں اصطلاحات بکثرت قائم ہوگئی تھیں۔ جن کی وجہ سے درجہ اجتہاد تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں نا اہل ہاتھ ڈال کر بغیر بصیرت تامہ کے فقہ میں جابجا کانٹ چھانٹ اور اضافہ نہ کردیں۔ تمام امت نے انہیں مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو اپنے اوپر واجب کرلیا۔'' (۳۴)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید کے چھٹے خطبے میں خاصی طویل بحث کرتے ہوئے اس فقہی جمود کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے ہیں۔ علامہ صاحب تقلید کے جواز میں تاریخی پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تاتاریوں کی غارت گری نے کتب خانوں کو تباہ کردیا۔ کثرت سے علماء شہید ہوگئے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایسی تباہی اور پریشان حالی میں یہی مناسب سمجھا گیا کہ آزاد خیالی اور اجتہاد کو روک کر بقیۃ السلف ملت کو ایک خاص طرز فکر اور مخصوص شعائر عمل پر استوار کیا جائے۔ ہنگامی طور پر یہ طریق غلط نہ تھا مگر اس کا غیر مستحسن نتیجہ یہ نکلا کہ تقلید ہمیشہ کے لئے ملت اسلامیہ کا شیوہ بن گئی۔'' (۳۵)

(۲) تاتاریوں کی تباہ کاری کے نتیجہ اسلاف کے اسلامی علمی ورثہ کی حفاظت کی خاطر ائمہ اربعہ کی تقلید کو رواج دیا گیا:

این جے کلشن کے مطابق۔

''عصر جدید کے کچھ مورخین کا خیال ہے کہ عقیدہ تقلید دراصل سترہویں صدی کے تاتاری حملوں سے پیدا شدہ، مخصوص حالات کا نتیجہ تھا۔ شریعت کی قیمتی میراث اپنے آپ کو چنگیز خان کے تباہ کن لشکروں سے محفوظ نہ رکھ سکی۔ تاریخی طور پر یہ صورت حال تین سو سال (تاتاریوں) سے پہلے پیدا ہوئی اور یہ غالباً بیرونی دباؤ کا نہیں بلکہ اندرونی وجوہات کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح دسویں صدی کے بعد مجتہدین کا کام محض پچھلے علماء کے کام کی وضاحت اور ان پر تبصرہ کرنا رہ گیا۔'' (۳۶)

مصر کے مشہور ومعروف عالم عبدالوہاب فقہی جمود پر بحث کرتے ہوئے اس کے تین بڑے بڑے اسباب بیان فرماتے ہیں:۔

حکمرانوں کی دین سے بے رغبتی اسلامی ریاست کی علاقائی تقسیم سے حکمران اندرونی اور بیرونی مسائل میں الجھ کر رہ گئے اور عوام بھی علوم وفنون سے بے رغبت ہو گئے چنانچہ دیگر علوم کی طرح فقہ میں بھی تعطل رونما ہو گیا جس کی تین بڑی وجوہات تھیں۔

۱۔مسلکی عصبیت

چار فقہی مذاہب کے فروغ کے بعد علماء انہی دائروں میں محدود ہو کر رہ گئے۔ اپنی اجتہادی کاوشوں کا محور اپنے مسلک کی تائید وتثبیت کو قرار دے لیا جس سے اجتہاد مطلق کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

۲۔نااہل افراد کا دین میں دخل

منصب اجتہاد کو نااہل افراد سے محفوظ رکھنے کے لئے کوئی مناسب اقدامات نہیں کیے جا سکے، کچھ عرصہ بعد بے دین ونااہل افراد نے اجتہاد کے نام پر دین سے تلاعب شروع کر دیا۔ چنانچہ مجبوراً اجتہاد کا سلسلہ روکنا پڑا۔

۳۔اخلاقی انحطاط اور قوت حافظہ کا فقدان نیز فکری وعلمی انحطاط

بہت سے علماء میں آہستہ آہستہ مسلکی تعصب نے حسد وعناد، انانیت اور جاہ پرستی جیسے اوصاف پیدا کر دیئے۔ چنانچہ اگر کوئی عالم اجتہاد کرتا بھی تو اس کی مخالفت ہوتی۔ اعتراضات کیے جاتے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اجتہاد کا سلسلہ بند ہی ہو گیا۔(۳۷)

تقلید کے جواز کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دوسری صدی تک مذاہب مجتہدین بکثرت پیدا ہو گئے۔ دوسری طرف لوگوں میں ہوا وہوس کا غلبہ دیکھا گیا۔ وہ رخصتوں کو تلاش کرنے لگے۔ جس امام اور مجتہد کا مسئلہ اپنی خواہش کے مطابق ملا دیگر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا اور باقی کو پس پشت ڈال دیا۔ اس سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ لوگ دین کو خواہشات کے تابع بنا دیں گے۔

تقلید کے اختیار کرنے کی ایک بڑی وجہ موجودہ دور میں فکری وعلمی انحطاط، اور تحقیق وتلاش کا فقدان ہے۔ بعض ایسی صلاحتیں مفقود ہوتی چلی گئیں جو اجتہاد کے لئے ناگزیر تھیں۔ مثلاً قوت حافظہ وغیرہ اس زمانے کے واقعات آج افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کیفیت کو آپؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"وفی ذالك من الصالح ما لا یخفیٰ لاسیما فی ھذہ الایام التی قصرت فیھا الھمم جداً، واشربت النفوس الھویٰ واعجب کل ذی راء ی براء یه"(۳۸)

''خصوصاً اس زمانے میں جبکہ ہمتیں نہایت ہی درماندہ ہوچکی ہیں اور نفوس کے اندر ہوا وہوس جاگزیں ہوگیا ہے اور ہر شخص جو ذرا بھی شد بد رکھتا ہے، من مانی کرنا ہی پسند کر رہا ہے''

تقلید شخصی کی ابتداء

مندرجہ بالا وجوہات سے علماء تابعین میں سے ہر ایک کا الگ الگ مسلک بن گیا۔ ہر ایک اپنے امام کا پیرو بن گیا۔ جس سے تقلید شخصی کی ابتداء ہوئی۔ اسے آپ ''الانصاف فی بیان سبب اختلاف'' میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

''فعند ذلك صار لكل عالم من العلماء التابعين مذهب على حياله، فانتصب فى كل بلد امام مثل سعيد بن المسيب و سالم بن عبدالله بن عمر فى المدينة و بعد ها الزهرى و القاضى يحيىٰ بن سعيد و ربيعة بن عبدالرحمن فيها و عطا بن ابى رباح بمكة، و ابراهيم النخعى، و الشعبى بلكوفة، و الحسن البصرى بالبصرة، وطأوس بن كيسان باليمن و مكحول بالشام فاظماء الله أكباداً إلى علومهم فرغبوا فيها'' الخ (۳۹)

''انہیں حالات میں علماء تابعین میں سے ہر ایک عالم کا اپنا ایک الگ مسلک بن گیا اور ہر شہر کا اپنا ایک امام بن گیا۔ مثلاً سعید بن مسیّب اور سالم بن عبداللہ بن عمر مدینے میں ان کے بعد وہیں زھری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بھی امامت کے منصب پر فائز ہوگئے۔ مکہ میں عطا بن رباح، کوفے میں ابراہیم نخعی اور شعبی، بصرہ میں حسن بصری، یمن میں طاؤس بن کیسان، اور شام میں مکحول امامت کے منصب پر فائز رہ کر تشنگان علم دین کی سیرابی کا سامان فراہم کرتے رہے۔

آئمہ اربعہ کی تقلید کی اصل وجہ

تقلید کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تقلید کو چار اماموں تک بند کیوں رکھا گیا ہے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ان چار اماموں کے علاوہ دیگر جتنے بھی مذاہب تھے وہ شہرت عام اور بقاء دوام حاصل نہ کر سکے اور خود بخود ختم ہوگئے۔ یہ چار مذاہب مضبوط بنیادوں پر قائم ہوئے اور ان مذاہب کے تمام مسائل غور وخوض کرنے کے بعد مدون و منضبط ہو چکے تھے۔ بعد میں جن حضرات نے آزادانہ اجتہاد کیا بھی تو وہ بھی مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب کے مقلد بن گئے اور اسی مسلک و مذہب کے مطابق فتویٰ دیا۔ اس لئے ان کے مذاہب تمام دنیا میں پھیل

گئے اور انہی پر تمام امت کا اجماع ہوا۔

مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی پر امت کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے آپؒ "حجۃ اللہ البالغہ"

میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ھذہ المذاھب الاربعہ المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من یعتد بھا منھا علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھذا" (۴۰)

"تمام امت نے یا امت کے قابل اعتبار افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے۔"

امت کا مکمل اعتماد

آپؒ عقد الجید میں مذاہب اربعہ پر امت کے مکمل اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"ولیس مذھب فی ھذہ الازمنة المتأخرة بھٰذہ الصفة الّا ھذہ المذاھب الاربعة"۔ (۴۱)

"اور آخری زمانوں میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں جس پر اعتماد کیا جائے۔"

مذاہب اربعہ کی تقلید خدا کا خاص فضل اور الہامی راز ہے۔

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کو خدا تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور الہامی راز قرار دیتے ہوئے مذاہب اربعہ کے متعلق آپؒ لکھتے ہیں:

"وبالجملة فالمذھب للمجتھدین سرٌّ اَلھَمَہُ اللہ تعالیٰ العلماء و جمعھم علیہ من حیث یشعرون او لا یشعرون" (۴۲)

"خلاصہ یہ ہے کہ مجتہدین کے مذہب کی پابندی یعنی تقلید شخصی ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا اور ان کو اس پر جمع فرمایا خواہ وہ اس تقلید شخصی کی خوبیاں سمجھیں یا نہ سمجھیں۔"

شاہ صاحب کے نزدیک مذاہب اربعہ اختیار کرنے کی تین بڑی وجوہات:

۱) مذاہب اربعہ اختیار کرنے میں عظیم مصلحت

آپؒ نے مذاہب اربعہ کی پیروی کی پہلی وجہ ان مذاہب کی تقلید کرنے میں عظیم الشان مصلحت کا پایا جانا اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑے فساد کا پایا جانا محسوس کیا۔ اس کی وضاحت آپ اپنی تصنیف "عقد الجید" میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اعلم ان في الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفي الإعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه احدها ان الأمة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لأن الشريعة لا تعرف إلا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم إلا بأن تأخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولابد في الاستنباط ان تعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج عن أقوالهم فيخرق الإجماع ويبنى عليها" (۴۴)

"جان لینا چاہیے کہ ان مذاہب کے اختیار کرنے میں ایک عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے۔ ہم اس کو دلائل سے بیان کرتے ہیں۔ اول امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت سلف پر اعتماد کریں گے۔ چنانچہ تابعین نے صحابہؓ پر تبع تابعین نے تابعینؒ پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے۔ عقل اس کی بجنسہٖ پر گواہ ہے۔ اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے معلوم ہوئی اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے سے پہلے والوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے۔ استنباط میں بھی مذاہب متقدمین کا علم ضروری ہے۔ تا کہ ان کے اقوال سے باہر نکل کر اجماع نہ توڑ دے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا قول مبنی کرے۔"

۲) سواد اعظم کا اتباع ہے

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی دوسری وجہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"وثانيها قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الأعظم ولما اندرست مذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الأعظم" (۴۵)

"دوئم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، سواد اعظم بڑی جماعت کی اتباع کرو اور چونکہ حق مذاہب ان چاروں کے علاوہ مفقود ہو گئے، تو ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے۔"

۳) قرن اولیٰ سے دوری

مذاہب اربعہ کو اختیار کرنے کی تیسری بڑی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وثالثها انّ الزّمان لمّا طال و بعد العهد وضيعت الامانات لم يجزان يعتمد على اقوال علماء السوء عن القضاته الجورة و المفتين التابعين لاهواء هم" (٤٦)

"سوئم جب خیر قرون بعید ترین ہوگیا اور امانتیں ضائع ہوگئیں تو کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ ظالم قاضیوں اور خواہش پرست مفتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جائے۔"

حضرت شاہ صاحب "آئمہ اربعہ کی تقلید کو ضروری قرار دیتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"ومما يناسب هذاالمقام التنبيه على مسائل ضلت فى بواديها الافهام وزلت الاقدام، وطغت الأقلام منها ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة۔ اومن يعتد به منها۔ على جواز تقليدها الىٰ يومنا هذا وفى ذلك من المصالح مالا يَخفَى لاسيما فى هذه الايام التى قصرت فيها الهمم جدا، واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذى راى برايه"۔ (٤٧)

"اس موقع پر کچھ ایسی باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق ان مسائل سے ہے جن میں فکری بے راہ روی، پائے ثبات کی لغزش اور قلم کی جسارت کی روایات وابستہ ہیں۔ ایک مسئلہ منجملہ ان مسائل کے یہ ہے کہ یہ چاروں مسالک باقاعدہ طور پر مدون اور موجود ہیں ان کی تقلید جائز ہے۔ اس بات پر پوری امت یا امت کا بڑا طبقہ آج بھی متفق ہے۔ اسی میں عافیت اور سلامتی ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جب کہ ہمتیں نہایت ہی درماندہ ہو چکی ہیں اور نفوس کے اندر ہوا وہوس جاگزیں ہوگیا ہے اور ہر شخص جس میں ذرا بھی شد بد ہے، من مانی کرنا ہی پسند کرتا ہے۔"

مذاہب اربعہ کے جواز اور تقلید کے متعلق علامہ ابن حجر مکی کی وضاحت:

"امافى زماننا فقال آئمتنا لايجوز تقليد غيرالآئمة الاربعة الشافعى و مالك و ابن حنيفة و احمد ابن حنبلؒ"(٤٨)

"ہمارے آئمہ یعنی مسلک شافعیؒ کے آئمہ کرام نے کہا کہ ہمارے زمانے میں چار اماموں، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کے سوا اور کسی کی تقلید جائز نہیں ہے۔"

مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب "الکلام الغرید" میں مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کسی مجتہد کے طریقہ کی صحیح پیروی صرف اس صورت میں ممکن ہوگی جب اس مجتہد کے طریقہ سے مکمل آگاہی حاصل ہو۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ان چار آئمہ کرام کے سوا اور کسی مجتہد کا طریقہ فقہی مسائل اور انہیں معلوم کرنے کے اصولوں کا مجموعہ ان کے طریقہ کی طرح مکمل طور پر مرتب اور مشہور نہیں۔ اس لئے ان چاروں کے سوا کسی اور مجتہد کی صحیح پیروی عملاً ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ میں صرف انہی چار آئمہ کرام کی تقلید پر اجماع پایا جاتا ہے۔'' (۴۹)

تقلید میں میانہ روی کا حکم نیز امام کو معصوم عن الخطا کہنے کی ممانعت

سابقہ دور میں مجتہد اور مقلد دونوں گروہ موجود تھے۔ مجتہد کتاب وسنت میں غور وخوض کرتے اور نصوص سے ظاہری اور پوشیدہ احکام کا استنباط کرتے اور مقلد وہ لوگ ہوتے تھے جو کتاب وسنت کی اس قدر تعلیم نہیں رکھتے تھے، جس سے وہ درپیش مسائل کا استنباط کرسکیں۔ اس لئے ان لوگوں کو جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ اپنے شہر کے فقہا میں سے کسی ایک فقیہہ کے پاس جاتے اور ان سے فتویٰ دریافت کرتے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرتے۔ لیکن موجودہ دور میں جمہور کے علاوہ علماء بھی اس میں شامل ہوگئے اور بجائے قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرنے کے معین امام کی کتابیں پڑھنے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو صرف اور صرف اس معین امام کے فقہی معلومات تک بند کردیا جس کے وہ مقلد ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی مسئلہ میں کوئی ایسا قول کہہ دے جو اس فتویٰ کے مخالف ہو جو اس کے امام نے دیا ہو۔ گویا وہ امام کو معصوم عن الخطاء سمجھتے ہیں جس کو آپؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

"واشهد لله وبالله انه كفر بالله ان يعتقد فى رجل من الامة ممن يخطى ويصيب ان الله كتب على اتباعه حتما وان الواجب على هو الذى يوجبه هذا الرجل على ولكن الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان قد وعاها العلماء وأراها الرواة وحكم بها الفقهاء وانما اتفق الناس على التقليد العلماء على معنى انهم رواة الشريعة عن النبى ﷺ وانهم اشتغلوا بالعلم مالم نشتغل فلذلك قلدوا العلماء فلو ان حديثا صحيح وشهد بصحتها المحدثون وعمل بهولاء لان متبوعه لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد" (۵۰)

''میں اللہ کے لئے اللہ کی قسم کھاتا ہوں، کہ امت میں کسی ایسے آدمی کے متعلق جو غلطی بھی کرتا ہو اور صحیح بھی کہتا ہو یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی اطاعت ضروری ہے، جسے وہ واجب کہے اسے واجب

سمجھنا ضروری ہے، یہ قطعاً کفر ہے۔ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے سے موجود ہے۔ علماء نے اسے حفظ اور ضبط کیا اور راویوں نے اسے بیان کیا۔ فقہاء نے اس کے مطابق فیصلے فرمائے۔ لوگوں نے علماء کی تقلید کو صرف اس لئے منطقہ طور پر قبول کیا کہ وہ درحقیقت شریعت کے آں حضرت ﷺ سے راوی ہیں اور علم ان کا مشغلہ ہے اور وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن اگر حدیث صحیح ہو محدثین اس کی صحت کے شاہد ہوں، عامتہ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہو، معاملہ واضح ہو چکا ہو پھر اس پر اس لئے عمل نہ کیا جائے کہ امام متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا بہت بڑی گمراہی ہے۔''

آپ کا ارشاد واضح ہے کہ وہ تقلید کے اس حد تک قائل ہیں کہ اہل علم کتاب وسنت سے روایت کرتے ہیں اور وہ علم دینیہ میں علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات اتنی زیادہ ہیں کہ عوام ان کی معلومات سے استفادہ کر سکیں۔ صحیح حدیث کا علم جب صحیح ذرائع سے پہنچ جائے تو علماء کے اقوال کو چھوڑ کر اس صحیح حدیث پر عمل کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا لیت ولعل نہ کیا جائے۔ خود آئمہ بھی اس امر کو جائز سمجھتے تھے۔ کہ کوئی حدیث ایسی ہو جس پر وہ اطلاع نہ پا سکے ہوں حتیٰ کہ بعض آئمہ سے یہ قول منقول ہے کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو اس کو ہمارا مذہب سمجھو اور ہمارے قول کو دیوار پر مارو۔

تقلید جامد کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کا نقطہ نظر

اسی تقلید جامد کے متعلق جو آج کل رائج ہے حضرت شاہ صاحبؒ حجتہ اللہ البالغہ میں اعز بن عبدالسلام سے نقل کرتے ہیں:

"ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذالك يقلده فيه، ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتاولهما بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده۔ وقال لم يزال الناس يسئلون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا انكار على احد من السائلين الى ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين" (۵۱)

''تعجب ہے کہ فقہا مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کا ضعف بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی

مدافعت بھی نہیں کرسکتا۔ اس کے باوجود اس کی تقلید کرتا ہے اور ظاہر کتاب وسنت اور قیاس صحیح کو ترک کردیتا ہے۔ کتاب وسنت کو ٹالنے کے لئے بہانے بناتا ہے تاکہ اپنے امام کو بچاسکے۔ لوگ ہمیشہ حسب اتفاق علماء سے دریافت کرتے رہے یہاں تک کہ مروجہ مذاہب اور متعصب لوگ پیدا ہوگئے جو امام کو پیغمبر کی طرح سمجھتے ہیں۔"

دوسری جگہ تفہیمات میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"درفرع پیروی علماء محدثین که جامع باشند میان فقه و حدیث کردن و درتفریحات فقهیه رابر کتاب و سنت عرض نمودن وآنچه موافق باشد در خیر قبول آوردن والا کالای بدبریش خاوند دادن وآلا هیچ وقت از عرض مجتهدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفه فقهاء که تقلید عالمے را دست آویز ساخته تتبع سنت لا ترک کرده اند شنیدن وبدیشان التفات نه کردن وقربت خدا جستن بدوری ایناں" (۵۲)

"فروع میں فقہاء محدثین کی پیروی کرنا، فقہی جزئیات کو کتاب وسنت پر پیش کرنا، موافق کو قبول کرنا، مخالف کو پھینک دینا، امت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اجتہادات کو کتاب وسنت پر پیش کریں۔ اور خشک فقیہ جن کے لئے تقلید سے بڑی کوئی دستاویز نہیں، کتاب وسنت کے تتبع کو ترک کیا ہوا ہے ان سے دوری میں خدا کی رضامندی ہے۔"

تقلید جامد کے رد کے ضمن میں اظہار کرتے ہوئے تفہیمات میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"وترى العامة سيما اليوم فى كل قطعة يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولوفى مسئله كالخروج من الملته كانه نبى بعث اليه وافترضت طاعة عليه وكان اوائل الامة قبل المأة الرابعة غير متقدمين بمذهب واحد" (۵۳)

"ہر علاقہ کے عوام مروجہ مذاہب سے ایک کی تقلید کرتے ہیں اسے ترک کرنا ارتداد کے برابر سمجھتے ہیں، گویا امام ان کا نبی ہے۔ اس کی اطاعت ان پر فرض ہے۔ چوتھی صدی سے پہلے یہ کیفیت نہ تھی"

آپؒ کے نزدیک حق، تفقہ اور ظاہریت کے بین بین ہے۔ آپ تفہیمات میں یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"منهم انی اقول لهولاء المسلمین بالفقهاء الحامدین علی التقلید یبلغهم الحدیث من احادیث النبی ﷺ باسناد صحیح وقد ذهب الیه جمع عظیم من الفقهاء المتقدمین ولا یمنعهم الاّ التقلید لمن لم یذهب الیه ولهولاء الظاهریة المنکرین للفقهاء الذین هم طراز حملته العلم دائمته اهل الدین انهم جمعیا علی سفاهة و سخافة والی ضلالة وان الحق امر بین بین" (۵۴)

''میں ان برائے نام فقہاء سے کہنا چاہتا ہوں، جن کو صحیح حدیث پہنچتی ہے اور وہ فقہا کا معمول بھی ہے، لیکن وہ اپنے علماء کی تقلید کے سبب اسے نہیں مانتے، اور یہ ظاہری حضرات جو فقہ کے انکار اور فقہاء اور آئمہ دین پر یقین نہیں رکھتے، سب کے سب بیوقوف اور غلط کار ہیں اور حق ان کے بین بین ہے۔''

آپؒ فقہی جمود کے بالکل قائل نہ تھے اور چاہتے تھے کہ چاروں اماموں کے اقوال میں سے جو مسلک حدیث وسنت کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ صرف حدیث ہی پر قناعت کر کے فقہ سے بے بہرہ رہنا یا صرف فقہ پر قناعت کر کے حدیث سے محروم رہنا یہ غلو اور افراط وتفریط (زیادتی وکمی کرنا) ہے جو درست نہیں۔ دونوں کو ملانا اور ان میں تطبیق پیدا کرنا ضروری ہے اور یہی بہترین طریقہ ہے۔ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایۃ میں موجود نہ ہو اور حدیث میں مذکور ہو تو اس کو ضرور لینا ہوگا اور یہ مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی جامعیت اور مخصوص فقہی مقام

آپؒ کے حنفی ہونے کے باوجود بعض مسائل میں حنفی مسلک کی جگہ کسی صحیح حدیث یا حدیث کے مطابق کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا جو رجحان انہیں وراثتاً ملا تھا، فقہی مسلک میں مخصوص مقام رکھتا ہے۔ جیسے کہ آپ کے والد بزرگوار فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے۔ حنفیت کے باوجود جن مسائل میں وہ صحیح حدیث یا کسی حنفی امام کے غیر معروف قول کو دیکھتے تو اس کے مقابلے میں دوسرے مذاہب کو ترجیح دیتے تھے۔ مثلاً قرأت فاتحہ خلف الامام اور نماز جنازہ میں قرآت فاتحہ۔ (۵۵)

اسی طرح امام ابوجعفر طحاویؒ، قاضی ابوبکر جصاصؒ، اسماعیل بن یحییٰ المزنیؒ ابن رشدؒ، شیخ السلام محمد بن قدامہ الحنبلیؒ، حافظ ابن تیمیہؒ، غزالیؒ کا اسلوب بھی یہی تھا۔ آئمہ اربعہ سے بعض کی طرف انتساب عقیدت اور ان کے علوم سے استفادہ کے باوجود بعض فروعی مسائل میں آئمہ

مجتہدین سے اختلاف کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے شافعیؒ، حنبلیؒ، حنفیؒ، اور مالکیؒ ہونے میں آج تک کوئی شبہ نہیں کرتا۔ اصولاً کسی امام صاحب مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے تو علماء امت میں اس کو اتباع و تقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا۔ جس طرح تاریخ فقہ میں علامہ شیخ محمد خضری نے شرح مہذب میں سیوطی کی یہ عبارت نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اجتہاد مطلق اگر کوئی ایسا مجتہد کرے جو کسی امام کی طرف منسوب ہو تو یہ اس انتساب کے منافی نہیں ہے جو کسی امام کی طرف ہو جس کی اس کی طرف نسبت ہو، جیسا کہ ابی اسحاق شیرازی اور ابن صباغ اور امام حرمین و غزالی کا تھا۔ امام کی طرف نسبت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد میں اس کے طریقہ پر چلتا ہے اور دلائل کا استقراء اور بعض کی ترتیب بعض پر اس کے موافق کرتا ہے۔ اس کے اجتہاد پر جاتا ہے اور کبھی وہ اختلاف کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کے طریقہ سے بجز چند مسائل کے نہیں نکلتا اور یہ اس کے مذہب شافعیؒ میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔'' (۵۶)

حضرت شاہ صاحبؒ کے حنفی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت

آپؒ کے حنفی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اور شہادت ''خدا بخش لائبریری پٹنہ'' میں صحیح بخاری کا وہ مکمل نسخہ ہے جو شیخ محمد بن شیخ ابو فتح بلگرامی الہ آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ آپ کے حلقہ درس میں استعمال ہوا ہے۔ اسی پر ان کے دست خاص کا اجازت نامہ ثبت ہے۔ اس اجازت نامہ کے آخر میں آپ نے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

''کتبه بیده الفقیر الیٰ رحمته الله الکریم الودود ولی الله بن عبدالرحیم بن وجیه الدین بن معظم العمری نسب، الدهلوی وحلنا، الاشعری عقیدة، الصوفی طریقه، والحنفی عملاً والشافعی درساً'' (۵۷)

اس نسخہ کو لکھا ہے اللہ کریم ودود کے فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین بن معظم العمری جس کا نسب دہلوی ہے، اشعری عقیدہ اور صوفی طریقہ کو حلال کہا ہے اور حنفی طریقہ کو عملاً اور شافعی طریقہ کو تدریساً درست مانا ہے۔ آپؒ کے حنفی ہونے کی دوسری بڑی شہادت مولانا محسن تیمی، حضرات دہلوی کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

''قلت ومن لطائف هذا الاسناد انه احتمع فی اوله اربعة آخرهم ابو عبدالعزیز اشترکوا فی اربع خصال وذلک انهم دهلویون سکنیٰ وعمریون صلبیة وانهم

صوفية اصحاب الزهد والورع وانهم حنفيون على مذهب النعمان ابى حنيفة وصاحبيهؓ۔ الخ (۵۸)

''میں کہتا ہوں منجملہ اس سند کی خوبیوں کے یہ امر ہے کہ اس کے شروع میں چار بزرگ جن کے آخر ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہ) ہیں ایسے ہیں جو چار امور میں شریک ہیں وہ چاروں سکونت کے اعتبار سے دہلوی ہیں۔ نسبی خاندان کے اعتبار سے عمری یعنی فاروقی ہیں۔ چاروں زاہد پرہیز گار صوفی ہیں۔''

چاروں امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ اور ان کی صاحبین کے مذہب کے موافق حنفی المذہب ہیں۔ ہیں۔ مذہب حنفی اور مقام حنفیت شاہ صاحب کی نظر میں ایک بہترین طریقہ ہے ''الانصاف'' میں ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''فا ذا كان انسان جاهل فى بلاد الهند اوفى بلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعى ولامالكى ولا حنبلى ولاكتاب من كتب هذه المذهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابى حنيفه ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حنيئذٍ يخلع ربقة الشريعة ويبقى سدى مهملاً''(۶۰)

''جب ایک عامی انسان علاقہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو جہاں کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی اوران کی کتب مذہبیہ میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تقلید کرے اوران کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لئے حرام ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ شریعت کی رسی ہی کو (اپنی گردن سے) اتار کر آزاد ہو جائے گا۔''

سنت کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کا طریقہ:

سنت کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کا طریقہ بتاتے ہوئے فیوض الحرمین میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''ذلك ان يوخذ من اقوال الثلثه قول اقربهم بها فى المسئلة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث فربّ شى سكت عنه الثلثة فى الاصول وما تعرضوا نفية ودلت الاحاديث عليه فليس بدمن اثباته والكل مذهب'' حنفى''(۶۳)

''وہ طریقہ انیقہ جو تمام طریقوں میں سنت معروفہ سے قریب تر ہے، یہ ہے کہ آئمہ ثلثہ (ابوحنیفہؒ ابویوسف محمدؒ) میں سے جس کا قول بھی سنت معروفہ احادیث نبوی سے قریب تر ہو وہ لیا جائے،

پھران فقہاء حنفیہ کی ترجیحات کی پیروی کی جائے، جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے عالم بھی تھے۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ آئمہ ثلثہ نے اصول میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی اور احادیث ان کو بتلا رہی ہیں تو لازمی طور پر ان کو تسلیم کیا جائے گا۔ اور یہ سب حنفی مذہب ہی ہے۔''

آخر میں مشہور اہل حدیث مصنف نواب صدیق الحسن کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ جیسا کہ وہ ''الحطہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان الشاہ ولی اللہ المحدث دھلویؒ قدمنی طریقتہ علی عرض المجتہدات علی السنۃ والکتاب و تطبیق الفقہیات بہما فی کل باب الی قولہ وطریقۃ ھذا کلہ مذھب حنفی''(٦٤)

ترجمہ: ''شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنا طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن وحدیث پر پیش کرتے ہیں اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن وحدیث پر تطبیق دیتے ہیں۔ ان کا یہ تمام طریقہ مذہب حنفی ہے۔''

۹

احادیث کا احیاء وترویج وتدریس

برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے احادیث کے احیاء وترویج اور تدریس کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔آپ نے احادیث کے مجموعوں پر مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ نظر ڈالی۔ان کی حکمتیں اور اسرار ورموز کو بیان فرمایا۔اس سلسلہ میں آپ کی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ ایک بے نظیر اور لاجواب تصنیف ہے جس میں علوم حدیث پر ایک نہایت جامع اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ احادیث میں پنہاں اسرار ورموز کو افشاء کیا گیا ہے۔اس کتاب میں احادیث نبوی ﷺ اس فراوانی اور کثرت سے استعمال کی گئی ہیں کہ اسے اگر بجائے خود ایک کتاب حدیث کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الالمن شرح اللّٰہ صدرہ لعلم لدنی وملاء قلبہ بسروھبی وان من اعظم نعم اللّٰہ علی ان اتانی منہ حظاً وجعل لی منہ نصیباً (۲)

''جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو علم لافی یعنی اپنی طرف سے براہ راست علم سے کھول دیں اور مخفی علوم سے بھر دیں، یہ علم اللہ کی عظیم نعمتوں میں بڑی نعمت ہے جس کا کچھ حصہ مجھے عطا کیا گیا اور میرے لیے اس سے حصہ مقرر کیا گیا۔''

مولانا عبید اللہ سندھی کی نظر میں حضرت شاہ صاحب کی علمی خدمات کا اعتراف اور جائزہ

مولانا عبید اللہ سندھی آپ کی ان علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''منجملہ دیگر کارہائے گراں مایہ کے آپؒ کا یہ کارنامہ واقعی قابل ذکر ہے کہ آپ نے ان تمام ناہمواریوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی فرمائی جو علم حدیث کے مطالعہ اور اس کی تحقیق کے سلسلہ میں عام طور پر اہل علم کے درمیان جڑ پکڑ چکی تھیں۔''(۳)

علم حدیث کے سلسلہ میں سابقہ کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ ''قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''و جمعی که ناظر اند در علم حدیث بطریق و راقیه نه بطریق تحقیق و اجتهاد جدا از دیگری نفهمیدند و از استاذان محقق معانی حدیث را فرا نگرفته اند در بسیاری از مسائل فقه و کلام دست و پا گم کرده و سوفسطائیه ملت مصطفویه گشته اند نه تقلید سلف را محکم کرده و نه طرق اجتهاد و تحقیق را استوار نموده'' (۴)

''یہاں ایک ایسی جماعت کا وجود ہے جو علم حدیث میں اجتہاد اور تحقیق کے طریقہ پر عمل پیرا نہیں۔ اور نہ اس نے محقق اساتذہ سے علم حدیث سیکھا ہے۔ یہ جماعت یقیناً ''وراقی'' مسلک پر گامزن ہے اور ملت مصطفیٰ کا ایک سوفسطائی (فسادی) گروہ ہے۔ اس گروہ نے نہ تقلید کا دامن ہی مضبوطی سے تھاما ہے اور نہ ہی اجتہاد کی راہ صحیح طور پر اختیار کی ہے۔ یہ جماعت مختلف احادیث کے اختلاف کو دور کرنے اور صحیح احادیث کو جمع کرنے میں ہمیشہ ناکام رہی ہے۔ پس وہ ایک حدیث کے اشارہ کو دوسری حدیث کے اشارہ سے ممیّز (فرق) نہ کرسکی۔ مزید براں دیگر فقہی اور کلامی مسائل میں الجھ کر رہ گئی۔''

مولانا عبید اللہ سندھی حضرت شاہ صاحبؒ کی عظیم خدمات احادیث کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''احادیث کی اس طرح درجہ بندی نیز محققین اور غیر محققین کے مابین ایک واضح امتیاز قائم کرکے آپ نے علم حدیث کے قالب میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ورنہ صورت تو یہ تھی کہ احادیث کے بارے میں شیخ الاسلام ابن حجر اور سیوطی کے عہد ہی سے اہل علم پر ایک غیر محققانہ طریقہ کے مزید پھولنے پھلنے کے مواقع یکسر ختم کردیئے۔ منجملہ دیگر کارہائے گراں مایہ کے شاہ صاحب کا یہ کارنامہ واقعی قابل ذکر ہے کہ آپ نے ان تمام ناہمواریوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی فرمائی، جو علم حدیث کے مطالعہ اور اس کی تحقیق کے سلسلہ میں عام طور پر اہل علم کے درمیان جڑ پکڑ چکی تھیں۔'' (۵)

اسناد کے معیار پر احادیث کی درجہ بندی

آپ کا احادیث کے سلسلہ میں ایک اہم کارنامہ اسناد کے معیار پر احادیث کی درجہ بندی

ہے۔ آپ نے احادیث کے مجموعہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول درجہ پر مؤطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو رکھا۔ اس لئے کہ ناقدین حدیث نے ان کتب کی اسناد کو روایۃً بالاتفاق صحیح قرار دیا ہے اور انہیں فقہاء نے سند کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

دوسرے درجہ پر جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کو رکھا ہے۔ صحت کے اعتبار سے یہ کتب درجہ اول کی کتب سے بہت قریب ہیں۔

درجہ سوم میں ان تمام احادیث کا شمار ہوتا ہے جنہیں علماء اسلاف نے روایت تو کیا ہے لیکن ان کی صحت کا کوئی التزام نہیں رکھا۔ مثلاً مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، بیہقی، طبرانی وغیرہ۔

درجہ چہارم میں آپ نے ان احادیث کو رکھا ہے جن کا اتہ پتا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا لیکن متاخیرین نے ان کو روایت کیا ہے۔ لہذا یہ قابل اعتماد اور معتبر نہیں۔ مثلاً کتاب الضعفا لابن حبان کامل ابن عدی وکتب الخطیب ومسند الخوارزمی۔ جیسا کہ آپ حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”وان شئت الحق فطوائف المبتدعين من الرافضية والمعتزلة وغيرهم يتمكنون باذنى عناية ان يلخصوا منها لاحاديث لايلتزم بصتحا شواهد مذاهبهم فالانتصار بها غير صحيح فى معارك العلماء بالحديث فيما يحب حفظه للناظر“(٦)

”حقیقت یہ ہے کہ بدعتی لوگ مثلاً روافض اور معتزلہ وغیرہ، تھوڑی سی توجہ سے ان احادیث سے اپنے مذہب کی تائید کے لئے شواہد اور گواہ لے سکتے ہیں۔ چنانچہ علماء احادیث کے نزدیک اس طبقے کی احادیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔“

مؤطا امام مالک کی سندِ حدیث کا سلسلہ، سلسلۃ الذہب یعنی کم واسطے سے روایت ہے نیز شاہ صاحب کے نزدیک صحیح بخاری موطا کی شرح ہے:

”احادیث کی اس طرح درجہ بندی نیز محققین اور غیر محققین کے مابین ایک واضح امتیاز قائم کر کے آپ نے علم حدیث کے قالب میں ایک نئی روح پھونکی۔ آپؒ نے احادیث کے مجموعوں پر مجتہدانہ نظر ڈالی۔ آپ نے مؤطا امام مالک کو صحیح بخاری کے مقابلے میں زیادہ مفید اور اہم قرار دیا۔ آپ کے خیال کے مطابق سند کے اعتبار سے مؤطا کی سند کا سلسلہ، سلسلۃ الذہب ہے۔ یعنی راوی اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان کم سے کم واسطے ہیں۔ یہ خصوصیت صحیح بخاری کو بھی

حاصل نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مؤطا امام مالک کے اکثر رواۃ مدینہ منورہ کے ہیں جنہیں عامۃ المسلمین معتمد علیہ مانتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ مؤطا امام مالک سے امام شافعی اور امام محمد دونوں نے پڑھا ہے اور مؤطا پر دونوں کی تنقید بھی موجود ہے۔ اس سے مؤطا کی تصحیح میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ آپؒ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی کو مؤطا کی شرح قرار دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ بے شک امام مالک کے استنباط کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے، بعض ان کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ بعض ان میں ضعف ثابت کرتے ہیں اور بعض ان کی تصحیح کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک نفس مؤطا کا تعلق ہے اس کی ترتیب و تہذیب میں امام مالکؒ نے جو کوشش اور جدوجہد کی ہے، اس بناء پر تمام مذاہب فقہ کے لئے مؤطا کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔" (۷)

شاہ ولی اللہؒ کا تجدیدی کارنامہ

مولانا عبیداللہ سندھی "مؤطا" کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الغرض میں اس کا قائل ہونے لگ گیا کہ امام مالک کی مؤطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں، جن کا سمجھنا اس زمانے میں مشکل ہے۔ مولانا موصوف آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک قرآن اور اس کے بعد "المسوی" اسلام کی تعلیم کا ایک مکمل نصاب ہے۔ میں یہ اسلام ساری دنیا کو سکھا سکتا ہوں۔ مسلمانوں کو ان کے آئمہ فقہ کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو عام حکمت کے اصولوں پر چنانچہ تعلیم اسلام کے سلسلہ میں جہاں مجھے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے، میں اس میں خدا کے فضل سے کامیاب رہا ہوں۔ خود اپنے اس تجربہ کے بعد میں شاہ ولی اللہ کے اس تجدیدی کارنامہ کی عظمت کو سمجھ سکا ہوں۔ میں نے آزما کے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مؤطا کو صحیح الکتب ماننے کی کیا قدر و قیمت ہے۔" (۸)

مؤطا کی اس اہمیت کے پیش نظر حضرت شاہ صاحبؒ نے مؤطا کی دو شرحیں لکھیں۔ ایک المسوی عربی میں اور دوسری المصفی فارسی میں۔ ان میں مسوی کو قبولیت خاص و عام حاصل ہوئی کیونکہ اس میں شرعی احکامات کی بھرپور تنقیح اور توضیح کی گئی ہے۔ اس کی بہت سی دیگر خصوصیات بھی ہیں۔ قرآن پاک کی نص سے ماخوذ احکامات، مستفیض احادیث سے ثابت شدہ احکام ہر

مسئلہ سے متعلق وہ اصول جو باعتبار روایت مضبوط اور معتبر ہیں، وہ مسائل جن پر جمہور صحابہ اور تابعین کا اتفاق ہے۔ نیز امام مالکؒ کے وہ استنباطات جن کی محدث فقہاء نے پیروی کی ہے اس میں نہایت وضاحت سے کھول کھول کر بیان کیے ہیں۔ بلاشبہ یہ شرح صحیح راہ کی طرف ایک روشن قندیل کا کام دیتی ہے۔ جیسا کہ آپ ''المسویٰ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''وفهمني الحق ان في ذلك فتحاً لابواب الخير وجمع الشمل الامة المرحومة'' (۹)

آپؒ مؤطا کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے اثر اور تاثیر سے جو منظّم نظام عالم وجود میں آیا۔ اس کی اساس اور تعلیمات اہل مدینہ ہی کے یہاں محفوظ رہ سکیں ہیں جن کو آگے چل کر امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں مدون کیا۔ ان اٹل حقائق کا لحاظ کرتے ہوئے مؤطا کو ہی حدیث اور فقہ کی تمام دیگر کتب پر مقدم تسلیم کرنا چاہیے۔'' (۱۰)

مئوطا کی تمام دیگر کتب حدیث اور فقہ پر اہمیت وافضلیت

مؤطا کی اہمیت وضرورت کا ذکر کرتے ہوئے آپؒ نے یہاں تک فرمایا کہ طالب علم جب عربی سمجھنے کے قابل ہو جائے تو اسے مؤطا پڑھائی جائے۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو وہ مؤطا کے پڑھنے سے محروم ہی رہ جائے کیونکہ یہ علم حدیث کی صحیح اور اصل بنیاد ہے۔ جس کے مطالعہ میں سعادت بھی ہے اور برکت بھی۔ ''وصیت نامہ'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''چوں قدرت بزبان عربی یافت مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ صمودی بخوانانند وہر گز آن را معطل نگزادند کہ اصل علم حدیث ہست وخواندن آن فیضہا دارد'' (۱۱)

اپنی مشہور تصنیف ''المصفّی'' میں موطا کی ضرورت اور اہمیت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''بیقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد وفقہ بمعنی معرفت احکام شرعیہ ازادلہ تفصیلیہ امروز مسدود داست الارزیك وجہ کہ مؤطا را پیش نہ گرد۔'' (۱۲)

''مجھے یہ بات یقین سے معلوم ہو چکی ہے کہ مؤطا کے بغیر موجودہ دور میں اجتہاد کا دروازہ بند ہے''

آپؒ کے نزدیک مؤطا امام مالکؒ ثالث اور حَکَم کے فرائض انجام دینے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں باہمی اختلافات کو دور کرنے کی ایک بنیاد بھی مل جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس میں درج

شدہ احادیث نہایت معتبر ہیں اور دور حاضر میں اس سے مستغنی ہو کر اجتہاد کا دروازہ مقفل ہی نظر آئے گا۔ (۱۳)

تطبیق بین المذاہب

۱) فقہ عہد خلفائے راشدین کے دور میں

دینی علوم میں قرآن وحدیث کے بعد فقہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اور بعد میں خلفاء الرشدین کے زمانے میں مدون شکل میں فقہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خیر القرون کے دور میں جو مسائل پیش آتے، صحابہ کرامؓ قرآن کریم اور صحبت نبوی ﷺ کے فیضان سے اسے باآسانی حل کر لیتے۔

۲) فقہ تابعین وتبع تابعین کے عہد میں

تابعین اور تبع تابعین کا دور آیا تو اسلامی مملکت کی وسعت کے باعث نت نئے مسائل نے جنم لیا۔ بقول سید محمد متین ہاشمی:

''دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی سے مجتہدین نظر آنے لگے۔ پھر بھی ایک معین مجتہد کے مذہب کو اختیار کرنے یا مخصوص شخص کے مذہب پر فتویٰ صادر کرنے یا کسی خاص شخص کے مسلک پر اعتماد کرنے کا رجحان عام نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس صدی کے اختتام پر یہ نظریہ عام ہو گیا اور لوگ کسی خاص مجتہد سے وابستہ ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ مجتہدین کی آراء کا اختلاف بھی ابھر کر سامنے آنے لگا۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد فقہی معاملات میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی خاص امام کی تقلید لوگوں کے درمیان زور پکڑ گئی۔ جوں جوں دن گذرتے گئے اختلافات، مناظروں اور مجادلوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ تقلید نے تقلید جامد کی حیثیت اختیار کر لی اور فقہی مذاہب میں غلو کی صورت پیدا ہو گئی۔'' (۱۴)

اس کیفیت کو حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''جب ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا عہد ختم ہو گیا تو خلافت ایسے لوگوں کو ملی جو بغیر استحقاق کے اس کے مالک ہوئے۔ وہ علم وفتویٰ واحکام اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ وہ فقہاء سے مدد لینے اور اپنے تمام احوال میں ان کو ساتھ رکھنے پر مجبور ہوئے۔ اس وقت تک ایسے علماء موجود تھے جو قدیم طرز پر برابر ثابت قدم اور دین خالص پر قائم تھے۔ جب انہیں خلفاء کی طرف بلایا

جاتا تو وہ دور بھاگتے اور ان سے اعراض کرتے۔ اس وقت کے لوگوں نے علماء کی یہ عزت دیکھی اور یا وجود حکام سے ان کے اعراض کے ان کی طرف متوجہ ہونے کو ملاحظہ کیا۔ یہ دیکھ کر لوگ حصول عزت اور طلب جاہ کی خاطر علم حاصل کرنے کی طرف جھک پڑے۔ چنانچہ پہلے جہاں فقہاء مطلوب تھے اب وہ خود طالب بن گئے۔ پہلے وہ سلاطین سے اعراض کرنے کی وجہ سے معزز تھے۔ اب وہ ان کے دروازوں پر جانے کی وجہ سے ذلیل ہو گئے۔ بیشک ان میں کچھ مستثنیات بھی تھے جن کو توفیق الٰہی شامل حال تھی۔"

دوسری جگہ آپ اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:۔"اس طرح اس بحث وجدل نے ایسی جہالت اور اس طرح کے غلط سلط شکوک واوہام کو جنم دیا جس کی کوئی حد نہ تھی۔ اس وقت فقیہ وہ تھا جو بہت بولتا اور جو اس کے منہ میں آتا کہہ دیتا۔ فقہاء کے قوی وضعیف اقوال بلا ان میں تفریق کئے یاد ہوتے۔ وہ انہیں باچھیں کھول کھول بیان کرتا۔ محدث وہ تھا جو صحیح اور غیر صحیح میں سقیم احادیث کو شمار کرتا اور اپنے جبڑوں کے زور سے انہیں کہانیوں کی طرح فر فر سناتا جاتا۔"

(۱۵)

ان حالات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ صورت تجویز کی کہ جامد تقلید سے اعراض برتا جائے اور اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ گو کہ یہ اجتہاد مستقل نہ ہو بلکہ کسی ایک امام کی تقلید اختیار کرتے ہوئے اصلی تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

مذاہب میں اتحاد واتفاق کا فروغ

فقہی مسائل کو طلباء کے سامنے پیش کرتے وقت آپ کی تمام توجہ اور کوشش اس امر کی جانب مرکوز رہتی کہ بالعموم مختلف اور بالخصوص حنفی اور شافعی مذاہب کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو حتی المقدور حل کیا جائے۔ ظاہر ہے اس صورت میں آپ ہمیشہ فقہی مسائل میں ایسی باتوں پر زور دیتے تھے جو بالاتفاق رائے دونوں مذاہب کے درمیان یکساں ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت اور ترجیح دینے کے مضر رساں نتائج سے آپ کی دور بین نگاہیں پوری طرح آگاہ تھیں۔ اس طریقہ ہائے تعلیم کے علمی اور عملی فوائد کے علاوہ اس نقطہ نظر کے پیش نظر طالبعلم میں وسعت نظر میں اضافہ اور تنگ نظری سے اجتناب پیدا ہوتا تھا۔ باوجود اختلاف مذاہب کے دلوں میں احترام ومحبت پیدا ہوتی تھی۔ اس نہج پر مختلف مذاہب کے درمیان اتفاق اور موافقت کو فروغ دیا جاسکتا تھا۔ اس قسم کی ہم آہنگی پیدا کرنے میں آپ کو کچھ

غیر معمولی مہارت ودیعت کی گئی تھی۔ خود بھی اس کا اقرار فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اعتدال پر مبنی مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کوشش یہ تھی کہ تمام مکاتب فکر کا آپس میں افتراق و اختلاف مٹ جائے۔ امت مسلمہ ان گروہ بندیوں سے نکل کر دین متین کی صحیح پیروکار بن جائے۔ وہ سلف صالحین کے سچے پیرو تھے۔ انہوں نے علماء متقدمین اور آئمہ اہلسنت کے عقائد کو نہایت واضح اور مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت کیا۔ ان کو معقولین کے خس و خاشاک سے ایسا صاف کیا ہے کہ بحث کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی۔ ''الجزء اللطیف'' میں اس کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:۔

''وعقائد قدمای اہل سنت بدلائل و حجج اثبات کرد انرا ز خس وخاشاک معقولیان پاک ساخت وبوجہی مقرر نمود کہ محل بحث نماند'' (۱۷)

''عقائد متقدمین اہل سنت سے ثابت کیا اور معقولیوں کی خس و خاشاک سے ان کو صاف کر دیا اور اس طرح ثابت کیا کہ اب بحث و مباحثہ کا موقع باقی نہیں رہا۔''

دوسری جگہ ''الجزء اللطیف'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''توفیق تشیید آں بکتاب وسنت و آثار صحابہ دادز و ہر تمیز آنچہ علم دین سنت منقول از حضرت پیغامبر ﷺ و آنچہ مدخول ست ومحرف و آنچہ سنت ست و آنچہ ہر فرقہ بدعت کردہ است افادہ ساختند'' (۱۸)

حکمت عملی کے اس دور کی کامیابی و درستگی بوسعت تمام مجھے بخشی گئی اور کتاب وسنت و آثار صحابہؓ سے اس کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی توفیق مجھے عطا فرمائی۔ جو علم، علم دین ہے اور جو کچھ حضرت پیغمبر ﷺ سے منقول ہے جو ان میں تحریف شدہ ہے یا بدعت ہے یا جو سنت ہے اس کی شناخت اور تمیز مجھے عطا فرمائی گئی ہے۔ شاہ صاحبؒ کا علمی کمال یہ ہے کہ وہ ان ارباب علم و فکر کے مختلف اقوال کو جمع کر کے ان میں تطبیق دیتے ہیں اور ان میں باہمی مطابقت پیدا کرتے ہیں۔

گروہ بندی کا خاتمہ

آپؒ نے اس امت کو جو مختلف گروہوں اور مذاہب میں بٹ چکی تھی، ایک راہ مستقیم پر لانے کی کوشش کی اور ان کے متبعین کے درمیان جو وسیع خلیج حائل تھی اسے پاٹنے (متحد و متفق

کرنے) کی حتی الامکان کوشش فرمائی۔ آپؒ زیر بحث مسائل کو پہلے قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اس کے بعد ان کے متعلق فقہاء کے اقوال وآراء کو کتاب وسنت کی روشنی میں جانچتے ہیں۔ فقہی اقوال جوان دونوں سے موافقت رکھتے ہیں، ان کو قبول کرتے ہیں اور جوان کے خلاف ہوتے ہیں ان کو رد کردیتے ہیں۔ اس معاملے میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ چاروں مذاہب میں باہم پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ کے لئے ختم ہوں۔ آپ نے ان کے باہمی اختلافات مٹانے اوران کے متضاد اقوال میں موافقت پیدا کرنے کے سلسلے میں قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ ''الدرثمین فی مبشرات النبی الامین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان مراد فيك ان يجمع الله شملاً من شمول الائمة المرحومة بك"(۱۹)

''آپ کے ہاتھوں قوم کا منتشر شیرازہ پھر درست ہونے والا ہے۔''

فروعی مسائل میں استنباط

فروعی مسائل میں شاہ ولی اللہ ہمیشہ اس بات کو قبول فرماتے تھے جس پر امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا اتفاق ہوتا تھا۔ نیز اختلاف کی صورت میں آپ وہ بات اختیار کرتے تھے جو ظاہر حدیث کے موافق ہوتی تھی۔ تفہیمات الٰہیہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"و نحن ناخذ من الفروع مااتفق عليه العلماء لا سيما هاتان الفرقتان العظيمتان الحنفية والشافعية وان لم يتيسر الاتفاق واختلفوا فناخذبما يشهد له ظاهر الحديث معروفة" (۲۰)

اورہم فروعات میں وہ کچھ لیتے ہیں جس پر مجتہدین علماء کا اتفاق ہوتا ہے اوراس میں کوئی شک نہیں کہ حنفیہ اور شافعیہ میں مذہباً بڑا فرق ہے اور اگر ان کے درمیان اتفاق نہ ہو سکے اور اختلاف کی صورت میں جو حدیث صریح معروف کا ظاہری حکم رکھتی ہو اسے بطور دلیل لیتے ہیں

فقہی مسائل میں بھی آپ کا یہی دستور تھا اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال آنکه عمل تودر مسائل فقیهه بر کرام مذهب است گفتم بقدر امکان جمع می کنم درمذاهب مشهوره مثلاً صوم و صلواة و وضو و غسل و حج بوصفی واقع شود که همه اهل مذاهب صحیح دانند وعند تعذرالجمع باقوی مذاهب از روی دلیل موافقت صریح حدیث عمل می نمایم" (۲۱)

بقدر امکان مشہور مذاہب میں تطبیق کی جائے اگر کسی جگہ تطبیق مشکل ہو جاتی تو پھر اس صورت میں آپ وہ مذہب اختیار فرماتے جو دلیل اور صریح حدیث کی روشنی میں زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ ان دونوں مذاہب یعنی شافعی اور حنفی کو ملا کر ایک کر دیا جائے۔ ان کی ان تمام باتوں کو قائم رکھا جائے جو ان میں اور حدیث کی دیگر کتب میں مشترک ہیں۔ ان تمام باتوں کو رد کر دیا جائے جن کی کوئی اصل سرے سے فراہم ہی نہ ہو سکے۔ آپؒ کے فلسفہ کا بنیادی عنصر ''الجمع بین المختلفات'' ہے، آپؒ کا کہنا تھا کہ مجھے ایک ملکہ عطا کیا گیا ہے جس کی بدولت میں تمام عقائد و اعمال، اخلاق و آداب کے متعلق یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین حق کی اصل تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے، وہ کیا ہے؟ وہ کون سی باتیں ہیں جو بعد میں دین حنیف کے ساتھ چسپاں کر دی گئی ہیں۔ آپ نے احادیث کی حیثیت کا تعین کیا اور اس کے اصولوں کو واضح کیا۔ آپؒ کہا کرتے تھے کہ کتاب وسنت و آثار صحابہؓ کے ساتھ ان کو تطبیق دینے میں مجھ پر کسی نے سبقت نہیں کی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی جامعیت کا بنیادی عنصر ''الجمع بین المختلفات'' ہے۔ آپ کو کتاب وسنت اور آثار صحابہؓ کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی توفیق بخشی گئی۔ مثلاً رفع یدین، قراۃ خلف الامام، آمین بالجہر، مسح راس، ومسئلہ ھدی، اہل سائمہ کی زکواۃ، حدیث مصراۃ وغیرہ۔ جس کو آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''الانصاف فی بیان سبب اختلاف'' میں وضاحت سے ذکر فرمایا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو امام بزدوی وغیرہ علماء کی کتابوں میں درج ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر اصول ایسے ہیں جو ان آئمہ کے اقوال وفتاویٰ کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں۔ مثلاً حضرات متاخرین علماء احناف نے فقہ حنفی کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ لفظ خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے۔ کسی تشریح بیان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے۔ یہ قاعدہ دراصل آئمہ متقدمین کے اس رویہ سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت ''وَاسجُدو اوَارکَعوا'' (یعنی سجدہ کرو اور رکوع کرو)۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو پوری طرح ٹھہرائے نہیں، کے باب میں اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ انہوں نے الفاظ آیت کے پیش نظر صرف مطلق رکوع اور سجدے کو فرض مانا ہے۔ رکوع اور سجود میں اطمینان کو فرض نہیں ٹھہرایا

اور حدیث کو آیت کا وضاحتی بیان نہیں قرار دیا۔ متاخرین نے اس سے یہ قاعدہ کلیہ وضع کرلیا مگر متعدد مسائل میں آئمہ نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس میں ان کا یہ اصول کسی طرح ٹوٹ جاتا ہے۔ آیت "وَامسحو بِرُؤسِکُم" میں محض سر پر مسح کرنے کا حکم ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ مگر حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ناصیہ (پیشانی) کا مسح فرمایا۔ متقدمین نے اس حدیث کو آیت مذکورہ کا بیان تسلیم کرتے ہوئے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت کا فتویٰ دیا۔ اس طرح آیت "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیُ فَاجلِدُوا الخ" یعنی زنا کار عورت اور زنا کار مرد کو سو کوڑے مارو اور آیت "وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقطَعُوٓا الخ" یعنی چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو اور آیت "حَتّٰی تَنکِحَ زَوْجًا غَیرَہٗ." یہاں تک وہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے وغیرہ میں خاص الفاظ موجود ہیں۔ اگر "اِنَّ الخَاصَ مُبَیِّنٌ فَلا یَلحقُہُ البَیَانَ" کا اصول امام اعظمؒ وغیرہ کے سامنے موجود تھا تو لازماً انہیں کسی حدیث کی بناء پر ان خاص لفظوں کی مزید وضاحت قبول نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مگر انہوں نے ان احادیث کو ان الفاظ خاص کی توضیح کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ جو ان مسائل سے متعلق تھیں یعنی تینوں آیات میں خاص الفاظ ہیں۔ "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیُ، وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقطَعُوٓا، حَتّٰی تَنکِحَ زَوْجًا غَیرَہٗ"، ان میں مطلق زنا، چوری اور نکاح کا حکم ہے۔ اس امر کی کوئی تاکید نہیں کہ زنا کرنے والا شادی شدہ نہ ہو۔ چوری کا مال دس درہم سے کم نہ ہو، نکاح کے بعد ملاقات بھی ہو چکی ہو۔ ان قیود کا پتہ صرف احادیث سے ملتا ہے تو وہ قاعدہ کہاں گیا کہ خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبین ہے۔ اس کے ساتھ کوئی تشریح بیان ملحق نہ کیا جائے۔

آپؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، قرآت نماز کے متعلق نص قرآنی "فَاقرَءُوا مَا تَیَسَّرَ مِنَ القُراٰنِ" "جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو۔" میں مَا تَیَسَّرَ عموم کو چاہتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں سے بھی قرآن پڑھ لیا گیا نماز ہو جائے گی اور حدیث "لَاصَلوٰۃَ اِلّا بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ" کا ظاہری مفہوم چاہتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی قرات ہر رکعت میں فرض ہے۔ لیکن قدماء نے آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث کو اس کا مخصص نہ مانتے ہوئے فتویٰ دیا کہ قرات فاتحہ فرض نہیں ہے۔ اس طرح ایک حدیث میں کہ جن کھیتوں کو باران، دریا اور چشمے سیراب کریں ان کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکواۃ نکالا جائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں۔ قدماء نے پہلی حدیث کے عموم کو

سامنے رکھتے ہوئے فتوٰی دیا کہ ہر مقدار کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ گویا انہوں نے دوسری حدیث سے مقدار کی تحدید و تخصیص نہیں کی۔ آئمہ کے اس طرح کے چند واقعات واقوال سے متاخرین نے یہ ایک کلی اصول مستنبط کر لیا کہ "العام قطعی کالخاص" یعنی لفظ عام بھی اپنے حکم اور مفہوم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ اس کے عموم کو محدود نہیں کیا جائے گا۔ لیکن جب اس پر اعتراض وارد ہوا کہ آیت "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ -" کے عموم کو تو قدماء نے قطعی نہیں مانا ہے کیونکہ "فَمَا اسْتَيْسَرَ" کا لفظ عام ہے جس کو اگر وہ اپنے عموم پر قائم رکھتے ہیں تو انہیں فتوٰی دینا چاہیے تھا کہ جو چھوٹی بڑی ہدی اور قربانی کا جانور بھی میسر آجائے اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ارشاد نبوی کی بناء پر ان کا فتوٰی یہ ہے کہ ھدی کے لئے بکرا یا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہیے۔ یہاں لفظ عام کی قطعیت خاص کی طرح قائم نہ رہی۔

یہی حال ان کے اس اصول کا بھی ہے کہ "لاعبرۃ بمفھوم الشرط والوصف" یعنی اگر کوئی حکم کسی خاص موقع پر دیا گیا ہو تو اس حکم کے اطلاق میں اس خاص موقع کی خصوصیات اور شرائط کا اعتبار نہ کیا جائیگا۔ یہ قاعدہ دراصل متقدمین کے اس مسلک سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت "وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ (اس کا ظاہری مفہوم) یہ ہے کہ جو لوگ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بوجہ ناداری اس کے اخراجات کے کفیل نہیں ہو سکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن متقدمین نے عدم استطاعت کی اس شرط کو قید جواز نہ مانتے ہوئے استطاعت والوں کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی۔ لیکن اونٹ کی زکواۃ کے بارے میں ان ہی متقدمین کے دوسرے اقوال وفتاوٰی، حضرات متاخرین کے اس اصول سے ٹکراتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں چرنے والے اونٹوں کی شرط مذکور ہے، جس کا آئمہ متقدمین نے لحاظ فرمایا ہے اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکواۃ کی فرضیت کا فتوٰی دیا ہے۔ اس شرط کو کالعدم قرار دے کر جنگل میں چرنے والے اور باندھ کر کھلائے جانے والے ہر قسم کے اونٹوں پر زکواۃ کو واجب نہیں ٹھہرایا ہے۔ اصول مذکورہ کے لحاظ سے چاہیے تھا کہ سائمہ (سال میں زیادہ بھر باہر چرنے والے جانور) اور غیر سائمہ (گھر کے چارہ پر چرنے والے جانور) ہر نوع کے اونٹوں میں زکواۃ فرض قرار دی جاتی اور اس لفظ السائمہ کے مفہوم سے حکم کو مقید نہ کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکواۃ کی فرضیت کا فتوٰی دیا گیا۔

اسی طرح حدیث ''مصرّاۃ'' میں، حدیثِ مصراۃ یہ ہے کہ جس نے کوئی بکری خریدی جس کے تھن میں دودھ روک کر اسے بیچا گیا ہو اس کو تین دن تک یہ اختیار ہے کہ چاہے تو بکری لے لے چاہے تو ایک صاع (3 کلو 538 گرام) غلہ کے ساتھ واپس کردے۔ آئمہ سلف نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس کے پیش نظر متاخرین نے یہ کلی اصول بنالیا کہ جب کوئی غیر فقیہہ راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو قیاس سے متصادم ہوتی ہو تو وہ واجب العمل نہ ہوگی۔ مگر جب ان پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر یہ اصول صحیح ہے تو قدماء نے حدیث قہقہ کو یعنی وہ حدیث جس میں اگر کوئی شخص زور سے ہنس دے تو اس کی نماز ہی نہیں بلکہ وضو بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ اس طرح بھول کر کھا لینے سے روزے کے نہ ٹوٹنے والی حدیث کو کیوں واجب العمل مانا' حالانکہ یہ حدیثیں خلاف قیاس بھی ہیں اور غیر فقہی راوی کی روایت بھی۔ آپؒ اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہ حنفی کا مشہور اصول ہے کہ کسی ایسے راوی کی خلاف قیاس روایت قبول نہ کی جائے گی جو ضابط اور عادل تو ہو مگر فقیہ نہ ہو۔ مثلاً حدیث مصراۃ محققین فرماتے ہیں کہ یہ اصول متفق علیہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں دو مذہب ہیں' ایک عیسیٰ ابن ابان کا مذہب ہے اور وہ وہی مذہب ہے اصول مذکورہ جس کی ترجمانی کرتا ہے۔ اکثر متاخرین نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا مذہب امام کرخیؒ کا ہے جن کے نزدیک خبر واحد کے مقبول ہونے کے لئے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں کیونکہ حدیث بہر حال قیاس کے مقابلہ میں واجب الاتباع ہے۔ بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے اس تشریح کے بعد فرماتے ہیں۔ یہ قول یعنی قول اول ہمارے آئمہ سے منقول نہیں۔ ان سے تو یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ روایت قیاس کے خلاف تھی۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ نے صریحاً فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس کو اختیار کرتا۔ پھر یہ واقعہ بھی حقیقت کی طرف تمہاری رہنمائی کرسکتا ہے کہ آئمہ متقدمین کے افکار واقوال کو سامنے رکھ کر متاخرین نے جو تخریجات کی ہیں ان میں اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی جی کھول کر تردید کرتے ہیں۔ (۲۲)

ظاہر ہے کہ اگر یہ اصول تخریج واستنباط آئمہ کے ہوتے تو ان تخریجات میں یہ اختلاف نہ ہوتا۔ آپؒ متاخرین کی باہمی ردّوقدح اور باہمی اختلافات کی اصل وجہ سے پردہ ہٹاتے ہوئے

رہتی مشہور تصنیف الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں ارشاد فرماتے ہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام جزئیات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں سب کی سب امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے اقوال ہیں۔ وہ ان فتاویٰ میں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا اصلی قول ہے اور فلاں قول ان روایتوں اور فتاویٰ کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے، اور یہ جو ان کتابوں میں علی تخریج الکرخی کذا امام کرخیؒ کی تخریج کے مطابق یوں ہے اور علی تخریج الطحاوی کذا امام طحاوی کی تخریج کے مطابق یوں ہے کے الفاظ آیا کرتے ہیں۔ ان کو گویا بے معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قال ابوحنیفہؒ کذا (امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے اور امام ابن الہمام و ابن النجیم وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ "دہ در دہ" (یعنی ماء کثیر جو ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اس کی حد محقق علماء نے یہ بیان کی ہے کہ وہ کم از کم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو) اور مسئلہ شرط تیمم (حنفیہ کے نزدیک تیمم کی اجازت اس وقت مل سکتی ہے جب کہ پانی سے ایک میل دور ہو) اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا دراصل یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں۔ ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتناء ہے۔ اسی طرح بعض لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد ان ہی جدلی بحثوں پر قائم ہے جو "المبسوط، الہدایہ اور التبیین" وغیرہ کتابوں کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذاہب کی بنیاد ان منطقی بحثوں پر نہیں ہے اور ان کے اندر بحث و جدال کے اس طرز کی ابتداء تو دراصل معتزلہ سے ہوئی تھی متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ فقہی مباحث میں اس قسم کی باتوں کی بھی گنجائش ہے نیز یہ کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی۔ (۲۳)

اوہام اور شکوک کی تصحیح

آپ کا فقہ میں زوال باہمی جنگ و جدل اور ان میں مختلف اوہام اور شکوک کا ذکر کرتے ہوئے الانصاف میں فرماتے ہیں: "کہ اس زمانے میں خواص علم دین سے کورے ہو چکے تھے اور ایسے لوگوں کی طرف فتوے حاصل کرنے کی خاطر رجوع ہو رہا تھا جو نہ علم حدیث سے کوئی بہرہ رکھتے تھے اور نہ تخریج و استنباط کی اہلیت رکھتے تھے۔ جیسا کہ تم اکثر متاخرین کے اندر یہ چیز با آسانی دیکھ سکتے ہو۔

علامہ ابن ہمام وغیرہ نے اس علمی وفقہی زوال پر شدید احتجاج کیا ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب فقیہ اور مجتہد کے الفاظ ایک ہی معنی میں بولے جاتے تھے مگر فقاہت کا معیار بدل چکا تھا۔ اس زمانے میں غیر مجتہد بھی فقیہ ہونے لگا تھا اور پھر یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی تعصبات لوگوں کے دماغوں پر بری طرح چھا گئے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان فقہی اختلافات میں سے خصوصاً جن مسائل میں صحابہؓ بھی مختلف تھے اور دونوں طرح کی رائیں ان سے منقول ہیں۔ مثلاً تشریق کی تکبیروں اور عیدین کی تکبیروں کا اختلاف، نکاح محرم کے جواز کا اختلاف، ابن عباسؓ کے تشہد اور ابن مسعودؓ کے تشہد کا اختلاف، آمین اور بسم اللہ کو نماز میں آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنے کا اختلاف، اقامت میں کلمات اذان کو ایک بار یا دو بار کہنے کا اختلاف وغیرہ۔ یہ ایسے اختلاف ہیں جن کی نوعیت بس ایک رائے اور مسلک کو دوسرے مسلک پر ترجیح دینے کی ہے ورنہ ان کی اصل مشروعیت میں آئمہ سلف کا کوئی اختلاف نہیں۔ یہ سب ہی مانتے ہیں کہ یہ تمام مذاہب کتاب وسنت سے مستنبط ہیں، اور جائز مشروع ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف جو کچھ تھا صرف اس امر میں تھا کہ فلاں مسئلہ میں جو دو پہلو ہیں ان میں اولیٰ کون سا ہے۔ ان کے اس اختلاف کی نوعیت بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ قرأت قرآن کے اختلافات کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اکثر اختلافات کی تعلیل (درست تاویل) بھی یہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اختلاف رائے رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں فلاں صحابی نے یہ فرمایا ہے جب کہ صحابہؓ سب کے سب ہدایت کی روشن شاہراہ تھے یعنی کسی صحابیؓ کا اختیار کیا ہوا مسلک خلاف شرع نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء حق مسائل اجتہادیہ میں تمام ارباب افتاء کے فتووں کو جائز سمجھتے ہیں اور قضاۃ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے آئے ہیں اور بسا اوقات اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ تم اس قسم کے مواقع پر تمام آئمہ کو دیکھو گے کہ وہ مسئلہ کو پھیلا کر بیان کرتے اور مخالف مسلک کو بھی ذکر کردیتے' پھر بعد میں اپنے مسلک کے بارے میں یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ یہ میرے خیال میں زیادہ محتاط مسلک ہے۔ یہ رائے زیادہ قابل اختیار ہے، یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ ہم تک صرف یہی علم پہنچا ہے۔ ''المبسوط آثار محمدؒ'' اور اقوال شافعیؒ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔'' (۴۴)

اس کے بعد تعصب کا سیلاب آیا، نگاہوں کی وسعت کم ہونے لگی۔ اب اختلاف کی نوعیت پہلی سی نہ رہی۔ اجتہادی اختلاف کی آڑ میں فرقہ پرستی وجود میں آگئی۔ لوگوں کا ذوق

تحقیق جمود سے بدل گیا۔ اس طرح اختلاف کی جڑوں کو مضبوط کر کے وہ محض اپنے ہی آئمہ کے اقوال پر سختی سے جم گئے جن پر فرقہ بندیوں کا محاذ جنگ قائم ہوا۔ اس لئے آپؒ امت کو ان فرقہ بندیوں سے نکالنے کے لئے صحابہ کرامؓ تابعین اور آئمہ سلف کے اسوہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کرو جن پر فرقہ بندیوں کا محاذ جنگ قائم ہو رہا ہے اور دیکھو کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد کے آئمہ سلف نے ہمارے لئے کون سا اسوہ چھوڑا ہے۔ ان تمام کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ نماز میں قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھتے تھے، بعض نہیں پڑھتے تھے، کچھ لوگ زور سے آمین پڑھتے تھے، کچھ آہستہ سے، بعض لوگ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے، بعض نہیں پڑھتے تھے۔ اگر ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو ''قے'' کرنے یا پچھنے لگوانے یا نکسیر ٹوٹنے کے بعد تجدید وضو کو ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی مطلقاً ضرورت نہیں سمجھتی تھی۔ کچھ لوگ شرم گاہ کے چھو لینے یا عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگا دینے کو ''ناقض للوضو'' (وضو کا توڑنا) سمجھتے تھے تو کچھ کا مسلک اس کے خلاف بھی تھا۔ بعض لوگ اگر آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد از سر نو وضو کرنا ضروری خیال کرتے تھے تو بعض ایسا خیال نہیں کرتے تھے۔ اونٹ کا گوشت کھانا اگر کسی کے نزدیک وضو کے لیے ناقض تھا تو دوسروں کے نزدیک ناقض نہیں تھا۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں اختلافات موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، کسی نے کسی کی اقتداء سے کبھی انکار نہیں کیا۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ اہل مدینہ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ اہل مدینہ نماز میں سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے نہ آہستہ اور نہ زور سے۔ امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر دہرائی نہیں حالانکہ اس نے پچھنے لگوانے کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی۔ جس کا فتویٰ اسے امام مالکؒ نے دیا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس طرح امام احمد بن حنبلؒ پچھنے اور نکسیر کو ناقض للوضو مانتے تھے۔ لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد پھر سے وضو نہ کیا ہو؟ تو آپ نے جواب دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ امام مالکؒ اور سعیدؒ بن المسیب کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں؟ جن کے نزدیک یہ چیزیں نواقض وضو میں سے نہیں ہیں۔ روایت ہے کہ امام ابو

یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین میں حضرت ابن عباسؓ کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے حالانکہ ان دونوں اماموں کا مذہب اس کے خلاف تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید کو اپنے دادا حضرت عباسؓ ہی کی تکبیر پسند تھی۔ امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مقبرے کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو محض ان کے لحاظ اور ادب سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا اور فرمایا بھی کہ بسا اوقات ہم اہل عراق کے مسلک پر بھی عمل کرتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے متعلق ''البزازیہ'' میں ہے کہ آپ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز پڑھ کر جب لوگ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کنویں میں ایک مرا ہوا چوہا موجود ہے۔ امام موصوف نے یہ سن کر فرمایا کہ تو پھر اس وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں یعنی مالکیوں کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا اس کا حکم ماء کثیر کا ہوتا ہے۔ اسی اسوہ اور اسی طریقہ وخیال پر ہم نے ہر مذہب کے قدیم وجدید علماء محققین کو پایا اور تمام آئمہ مذاہب نے اپنے پیروؤں کو اسی کی وصیت بھی فرمائی ہے۔

''الموقیت والجواہر'' میں ہے:۔ ''امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میری دلیل سے واقف نہ ہو اسے میرے قول پر فتویٰ دینے کا کوئی حق نہیں۔ خود امام موصوف جب کوئی فتویٰ دیا کرتے تو کہتے یہ نعمان ابن ثابت کی (یعنی میری) رائے ہے، جسے ہم نے اپنے علم وفہم میں بہتر سمجھ کر اختیار کیا ہے اگر کوئی اس سے بہتر اور احسن رائے پیش کرے تو پھر ہماری رائے کے مقابلے میں اس کی رائے صائب اور حق سے زیادہ قریب ہوگی۔''

امام مالکؒ کہا کرتے تھے کہ ''ہر شخص کے اقوال دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ لے لینے کے قابل اور کچھ رد کر دینے کے قابل۔ صرف ایک ذات اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات معصوم ہے۔''

''حاکم'' اور ''بیہقی'' نے امام شافعیؒ سے روایت کی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث پایۂ صحت کو پہنچ جائے تو اسی کو میرا مذہب سمجھو۔ ایک دوسری روایت میں امام ابوحنیفہ کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ میرا قول حدیث نبوی ﷺ کی مخالفت کر رہا ہے تو احادیث پر عمل کرو اور میرا قول دیوار پر دے مارو۔ ایک روز امام مزنی سے آپ نے فرمایا کہ ابراہیم میری ہر بات کی کورانہ تقلید نہ کرو بلکہ بذات خود اس میں غور کر لیا کرو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو کوئی وقعت حاصل نہیں تم میری یا کسی اور امام کی تقلید نہ کرو۔ انہوں نے کتاب وسنت سے احکام دین کی معرفت حاصل کی، تم بھی حاصل کرو۔ کسی شخص کو فتویٰ دینے کا استحقاق نہیں تاوقتیکہ وہ تمام آئمہ کے مذاہب اور اقوال سے پوری طرح واقف نہ ہو۔ اگر اس سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا گیا جس کے متعلق اسے معلوم ہے کے اس میں وہ تمام آئمہ جن کی عموماً پیروی کی جاتی ہے، متفق ہیں تو وہ یوں کہہ سکتا ہے کہ یہ جائز ہے اور وہ ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا اپنا قول اور فتویٰ نہ ہوگا بلکہ آئمہ مجتہدین کے قول کی ترجمانی ہوگی۔ لیکن اگر مسئلہ ایسا ہے جس میں علماء کی رائیں مختلف ہیں تو وہ اس کے جواب میں یہ تو کہہ سکتا ہے کہ فلاں امام کے نزدیک یہ جائز ہے اور فلاں کے نزدیک ناجائز۔ مگر اسے یہ حق نہیں ہے کہ بقیہ اقوال کو چھوڑ کر کسی ایک رائے کو اختیار کرکے فتویٰ دے دے الّا یہ کہ اس رائے اور مذہب کے دلائل سے بخوبی باخبر ہو۔

امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ وغیرہ علماء سے منقول ہے کہ جب تک کوئی شخص یہ معلوم نہ کرلے کہ ہم نے یہ رائے کہاں سے اخذ کی ہے' اس وقت تک وہ ہمارے اقوال پر فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔

امام افندیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شافعی المذہب آدمی نے دو ایک برس کی نمازیں چھوڑ دی ہوں اور اس کے بعد وہ حنفی مذہب اختیار کرلے تو پھر وہ کس طرح نماز کی قضاء کرے؟ آیا امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق یا حنفی مذہب کے مطابق؟ جواب دیا کہ جس مذہب کے مطابق اس نے قضاء کرلی' جائز ہے بشرطیکہ اس کے جواز کا اعتقاد رکھتا ہو۔ جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے یہ کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین طلاقیں پھر اس نے کسی شافعی المذہب فقیہ سے فتویٰ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ ''اس پر طلاق نہ پڑے گی'' اور تمہاری یہ قسم لغو مانی جائے گی۔ تو اس مسئلہ میں امام شافعی کی اقتداء کرنے میں اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اکثر صحابہ کرامؓ کی تائید اسی مسلک کو حاصل ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی ''امالی'' میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی فقیہ اپنی بیوی کو ان لفظوں میں طلاق دے کہ ''انت طالق' البتۃ'' اور وہ اپنے مذہب کے مطابق ایسی طلاق کو تین طلاق یعنی طلاق بائن سمجھتا ہو لیکن قاضی وقت فیصلہ دے کہ یہ طلاق رجعی ہے تو اُس کے لئے رجعت کرنے کی گنجائش ہے۔

اسی طرح تحریم وتحلیل اور معاشرہ اور لین دین کے ان تمام معاملات میں جن کے اندر فقہا اور آئمہ کی رائیں مختلف ہیں، ہر فقیہ پر لازم ہے کہ اگر دار القضاء سے اس کے مذہب فقہی کے خلاف فیصلہ ہو تو وہ اپنی رائے اور اپنے مسلک کو چھوڑ کر قاضی کے فیصلہ پر عمل کرے۔ (۲۵)

خداوند قدوس نے آپ کو ''الجمع بین المختلفات'' کا خصوصی علم دیا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے ''علم المصالح والمفاسد اور علم الشرائع والحدود'' دونوں دیئے گئے ہیں۔ ان تمام کے اسرار ورموز حکمت عملی یعنی تدبیر، معاشیات وسیاسیات اور عمرانیات کے شرعی اصول وضوابط سمجھائے گئے۔ کتاب وسنت وآثار صحابہؓ کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی توفیق بخشی گئی ہے۔ بلاشبہ آپ اپنی خداداد صلاحیت کے سبب ایک کامل محدث اور بصیرت افروز حکیم اور اپنے دور کے تمام محدثین کے امام مانے جاتے ہیں۔

حکماء کے دستگیر عارفین کے امام اور اپنے دور کے لسان اللہ تھے

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے اپنے اٹھائیس سالہ تصنیفی دور میں علوم ومعارف کا وہ انمول گنجینہ تیار فرمایا ہے کہ جو اپنی مثال آپ ہے۔ بقول شیخ محمد عاشقؒ الخیر الکثیر کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''طالبان حقیقت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ خداوند قدوس کسی کامل انسان کو اپنے علوم و اسرار کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بناتا ہے اور اسے بطور اپنے آلہ کار کے استعمال کرتا ہے اور اس کی زبان سے کلام کرتا ہے۔ اس زمانے میں اس بلند مقام پر قطب الدین ابوالفیاض ولی اللہؒ فائز ہیں جو محدثین میں سب سے بڑے محدث اور اپنے دور کے ولی ولسان اللہ ہیں۔'' (۲۶)

مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ اپنی مشہور تصنیف ''عبقات'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''تحقیق کرنے والوں میں سب سے افضل نکتہ بینوں کے سرمایہ افتخار حکماء کے دستگیر عارفین کے امام اور سب سے بڑے خدا شناس شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتوں سے بہرہ اندوز کرے۔'' (۲۷)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علمی اور روحانی مقام ومرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرتا اور ان سے اپنے دین کی دستگیری نہ فرماتا، یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے اور اس کی حفاظت دین کے ہزار طریقے ہیں لیکن بظاہر

تیرھویں صدی ہجری تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا کہ ایک جدید مذہب۔ یہ دو بزرگ ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔" (۲۸)

اللہ رب العزت نے آپ کو خلعت فاتحیت سے نوازا

آپ کو خلعت فاتحیت عطا کیا گیا اور آخری دور کا آغاز آپ کے ہاتھ سے کیا گیا۔ آپ نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت کیا اور انہیں اہل معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش نہیں رہ گئی۔ آپ پر کمالات اربعہ ابداع خلق و تدبیر اور تدلی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعداد کا خصوصی علم عطا کیا گیا۔

آپ کو "الجمع بین المختلفات" کا خصوصی علم عطا کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ان تمام علوم کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ صحیح بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گذرے تو اسے شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی کتاب "قواعد الکبریٰ" دیکھنی چاہیے جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی اس فن کے عشر و عشیر تک نہیں پہنچ پائے۔ (۲۹)

آپ کو حکمت عملی یعنی تدبیر معاشیات و سیاسیات و عمرانیات کے شرعی اصول و ضوابط سمجھائے گئے اور کتاب و سنت و آثار صحابہؓ کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی توفیق بخشی گئی۔ (۳۰)

آپ کا علمی اور روحانی مرتبہ اور مقام

آپ کے علمی اور روحانی مرتبہ اور مقام کا اندازہ آپ کے اس خواب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ فیوض الحرمین میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں "رأیتنی فی المنام قائم الزمان۔ میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ میں نے ایک خواب میں خود کو قائم الزمان دیکھا۔ قائم الزمان سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی اچھے نظام کے قیام کا ارادہ فرمایا تو اس نے مجھے اس کے لئے آلۂ جارحہ بنایا۔ اسی طرح اپنی مشہور تصنیف تفہیمات الٰہیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"فهمني ربي جل جلاله انك انعكس فيك نور الاسمين الجامعين نور الاسم المصطفوي والاسم العيسوي عليهما الصلوٰة والتسليمات ......الاخره۔"

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام سمجھایا کہ تمہارے اوپر دو جامع اسموں کا نور منعکس ہوا ہے۔ یعنی اسم مصطفوی ﷺ اور اسم عیسوی علیہما السلام تو عنقریب کمال افق کا سردار بن جائے گا اور قرب الٰہی کے تمام اقالیم پر چھا جائے گا۔ تیرے بعد کوئی مقرب الٰہی ایسا نہیں ہوگا جس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تیرا دخل نہ ہو یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نازل ہوں۔ عنقریب تجھ پر حق نازل ہوگا' جو نظام عالم کو توڑنے والا ہوگا جیسے بجلی گرتی ہے اور ہر اس چیز کو توڑ پھوڑ دیتی ہے جسے وہ چھولیتی ہے۔ تیرے آگے پیچھے دائیں بائیں سے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہوں گی اور حق کا آفتاب طلوع ہوگا جس سے اس دنیا کے شر کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔ عنقریب تیرے لئے یہ سب باتیں پوری ہو کر رہیں گی اور زمین نورانی ہو جائے گی اور اس پر سے ظلم و جور دفع ہو جائیں گے۔

آپ مجدد وقت تھے:

"التفہیمات الٰہیہ" میں آپؒ نے اپنے مجدد وقت ہونے کا اشارہ فرمایا ہے۔ ''اس وصی پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت یہ ہے کہ اگر یہ سارے متحارب و باہم مخالف گروہ میری پیش کردہ شریعت کی تفسیر پر غور کریں تو سارے اختلافات رفع ہو جائیں گے۔ اس وصی شاہ صاحب کی پیش کردہ شریعت کی تعبیرات برہان وجدان اور منقول سب پر منطبق ہوتی ہیں۔ یہ وصی قوم کے علوم کا واقف اسرار اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والی کسوٹی ہے۔ اگر امور اس وصی کے افکار کو سپرد کر دیئے جائیں تو وہ فلسفی سے اپنے فلسفہ کے ذریعہ، متکلم سے اپنے کلام کے ذریعہ، محدث سے اپنی حدیث کے ذریعہ، مفسر سے اپنی تفسیر کے ذریعے، فقیہ سے اپنی فقہ کے ذریعے، نحوی سے اپنی نحو کے ذریعے اور صوفی سے تصوف کے ذریعے گفتگو کرے گا۔ اور ہر ماہر فن کو عاجز و مبہوت کر دے گا۔ یہ وصی ان کو وہ باتیں بتلائے گا جن سے وہ واقف نہیں اور ان اسرار کی نشان دہی کرے گا جو ان پر ہنوز پوشیدہ ہیں۔ (۳۱)

سید متین ہاشمی آپؒ کے علمی، ادبی اور روحانی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ دعاوی محض دعاوی نہیں ہیں بلکہ آپ نے اپنے اٹھائیس (۲۸) سالہ تصنیفی دور میں علوم و معارف کا وہ انمول گنجینہ تیار فرما دیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ علوم متداولہ کے علاوہ بہت سارے ایسے علوم ہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ کی ایجاد کہے جا سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر عرصہ دراز تک فحول علماء کی ایک جماعت علوم کا سرمایہ مدون کرنا چاہے تب بھی وہ اتنا کام انجام نہیں دے سکتی جتنا کہ محض ایک فرد واحد کی نوک قلم نے انجام دے دیا۔ اس کو سوائے فیض الٰہی اور فضل خداوندی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۳۲)

علامہ عبدالحی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں عنایت احمد کاکوروی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کے ایک درخت تھے۔ جس کی جڑیں ان کے گھر میں اور شاخیں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت والتحیات کے ہر فرد کے گھر میں تھیں۔ علامہ رشید رضا مصری حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے لائق صد احترام خانوادہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ جنہوں نے علوم حدیث کے احیاء و ترویج و اشاعت اور تدریس و تبلیغ کے سلسلے میں بے مثالی خدمات انجام دیں۔'' (۳۳)

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی کتاب ''علم الکلام'' آپؒ سے اپنی عقیدت اور علمی اور روحانی مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔ ''ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہیں کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھلانا تھا، کہ آخیر زمانے میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسین تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔'' (۳۴)

بلاشبہ آپ اپنا دور کے ایک کامل فقیہ بصیرت افروز حکیم اور محدثین کے امام مانے جاتے ہیں۔

۱۰

شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ اعتدال اور اکبر کا دین الٰہی

حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریہ اعتدال پر تحقیقی نظر ڈالنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس پس منظر کو سامنے رکھا جائے جو شاہ ولی اللہ کی تحریک اعتدال کا محرک بنا۔

شاہ ولی اللہؒ نے جس دور میں آنکھ کھولی یہ دور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کا انتہائی نامساعد دور تھا۔ ہندوستان میں سینکڑوں سالہ مسلم سلطنت کی سیاسی بساط خود مسلمانوں کی فکری اور علمی کج رویوں کی بدولت الٹنا شروع ہوگئی تھی۔ برطانوی راج کے گہرے تسلط کا آغاز ہو چکا تھا۔ فکری اور اعتقادی لحاظ سے مغلیہ سلطنت کا آخری دور جسے اکبر کے وسطی دور سے شمار کیا جاسکتا ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے انتشار و بدعملی اور بداعتقادی کا دور تھا۔ اکبر نے اپنی سیاسی قوت کو پائیدار رکھنے کی خاطر مسلمانوں کے اعتقادی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا۔ نتیجتاً ہندو نظریہ زندگی کو ترقی و ترویج کے ساتھ مسلمانوں کی سماجی اور معاشی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرنے کے مواقع ملے۔ بنیادی عقائد اسلامیہ کے صحیح خدوخال پر بے عملی اور بدعملی کا گردوغبار چھانے لگا۔ اس ضمن میں براعظم کے معروف مورخ و محقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا یہ بیان قابل غور ہے کہ اکبر کا ماحول ایسا تھا جس میں خوشامدیوں اور چاپلوسوں کو ایک بے نظیر موقع ہاتھ آیا۔ ہندو پنڈت ایک بادشاہ کے متعلق جعلی پیشین گوئیاں لے کر آئے جو دنیا میں بہت طاقتور مذہب کا محافظ ہوگا۔ کچھ مسلمان بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے پیشین گوئیوں کی ایسی کتابیں پیش کیں جن میں تقریباً صاف صاف کہا گیا تھا کہ اکبر ''مہدی'' ہے اور پہلے ہزار سال گزرنے کے بعد دین کا احیاء کرے گا۔'' (۱)

اکبر جیسے مضبوط سیاسی حکمران کو راسخ الاعتقادی سے دور کرنے میں ابوالفضل اور فیضی جیسے چالاک اور شاطر علماء کی مدد و اعانت نے عامۃ الناس کی سوچ اور فکری اٹھان پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔ اس صورت حال نے برصغیر کی پوری ملت اسلامیہ سے راسخ الاعتقادی

کی صداقت ثابت نہیں ہوئی اسلام کے بعد اس دور کا سب سے مشکل باب ہے۔ علاوہ ازیں اکبر کے
سیاسی نظریات اور اس کی دینی اختراعات نے مسلمانوں کی اخلاقی، سیاسی زندگی کو بری طرح
متاثر کیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:

”راسخ الاعتقادی کے نقطۂ نگاہ سے سیاسی صورت حال اور بھی زیادہ خراب تھی جہاں علماء کا انحصار
اپنی روزی کے لئے حکومت پر نہیں تھا، وہاں سانحہ یہ تھا کہ اسلام اپنی راسخ العقیدہ شکل میں اب بھی
درس گاہوں میں پڑھایا جاتا اور مساجد کے منبروں سے اس کی تبلیغ ہوتی تھی، مگر سیاسی حیثیت
سے راسخ الاعتقادی کو کامل معزول کیا جا چکا تھا، اور یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ پھر کبھی اقتدار پر
قبضہ جما سکے گی۔ صرف اس کی پشت پناہی پر ایک سوال منڈلا رہا تھا۔ ایسی حالت میں ضعیف
الاعتقادی کا اقتدار پر قبضہ قائم ہو چکا تھا۔ غیر مسلموں کی قوت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور
اسلام کے عقائد اور بنیادی اصولوں کی تخریب کا خطرہ تھا۔ کیا مسلم ملت اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی
تھی؟“ (۲)

فرقہ پرستی اور فکری انتشار نے اکبر کے بعد برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کو ایک ایسے
دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جو دو انتہاؤں کے درمیان جا کر ختم ہوتا تھا اور مسلمانوں کی سیاسی،
سماجی، فکری اور بالخصوص اعتقادی سالمیت ہر لحہ بھیانک خطرات سے دوچار تھی۔

ہندو تصوف، یونانی فلسفہ اور عباسی علم الکلام کے اثرات نے توہمات کا گہرا نفوذ کر کے
اسلام کے معتدل نظام عدل و اعتدال کو مسخ کر دیا تھا۔ لیکن راسخ العقیدہ مسلمان بآسانی شکست
تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ دین اسلام کی فطرتی افتاد کسی انتہا کی جانب سفر کرنے کی اجازت نہیں
دیتی۔ یہ بنیادی عقائد سے لے کر اعمال کی جزئی سے جزئی وضاحتوں میں میانہ روی کی افتاد
ہے۔ انتہائی دگرگوں تاریخی صورت حال کے باوصف اسلام کے نظام راسخ الاعتقادی نے
ضعیف الاعتقادی کی یلغار سے ہار نہ مانی۔ جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ۱۶۰۲ء میں ابوالفضل
کے قتل اور پھر ۱۶۰۵ء میں اکبر کے انتقال کے بعد وہی دربار شاہی جو بد اعتقاد لوگوں کا مرکز تھا
اس میں راسخ العقیدہ عناصر اتنے قوی ثابت ہوئے کہ انہوں نے اپنے تمام اسلامی مدرسوں اور
اداروں کی بحالی کی ضمانت جہانگیر سے حاصل کر لی جو اکبر نے اپنے دور میں بند یا معطل کر دیئے
تھے۔ لیکن اکبر اور اس کے حواریوں کے بوئے ہوئے بیج نے اسلام کے بنیادی عقائد پر جو منفی
اثرات مرتب کر دیئے تھے ان کا ازالہ ہی دین اسلام کی حقیقی صورت پذیری کا ضامن ہو سکتا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا پہلا کام

اسلام کی راہ اعتدال تلاش کرنے اور اس پر امت کو گامزن کرنے کے لئے آپؒ کے پاس سب سے پہلا کام امت مسلمہ میں راسخ الاعتقادی کو نہ صرف بحال بلکہ دوبارہ غالب اور طاقتور بنانا تھا۔ اسلام میں راہ اعتدال کی ابتداء عقیدہ کے راسخ ہونے سے منسلک ہے' اس کے لئے اصل ضرورت عامتہ الناس کے دلوں کو دلائل اور روحانی تربیت کے ذریعے فتح کرنے کی تھی۔ ہندی فلسفہ زندگی کے اکبری اثرات نے صوفیت کے تصورات کو بہت زیادہ پھیلا دیا تھا۔ اس لئے شیخ احمد سرہندیؒ نے راسخ الاعتقادی کی تبلیغ وترویج کے لئے ابتداء میں تصوف اور مروجہ تصوف کا سہارا لیا۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے مشاہدات وعقلی ادراک کو اپنی فکری ترجیحات کا ذریعہ بنا کر وحدت الوجود کے واحدانتی فلسفے کے تار و پور بکھیرنے شروع کئے۔ اس میدان میں شیخ کو مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن راسخ الاعتقادی کا راز افشا ہونے کے بعد وہ اپنے راستہ سے نہ ہٹے اور عقلی دلائل وبراہین کے ذریعے وحدت الوجود کے غیر اسلامی افکار کو رد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ گویا یہ وہ پہلا پتھر تھا جو شیخ احمد سرہندیؒ نے بدعت وتوہمات کے تالاب میں پھینک کر فکر وتفقہ کی انقلابی لہریں پیدا کیں اور یہی لہریں آگے چل کر راسخ الاعتقادی کے لئے ایک بہتا ہوا شفاف دریا ثابت ہوئیں۔

۱۷۰۷ء میں عالمگیر اول کے انتقال کے بعد سیاسی طور پر مغلیہ سلطنت کا تیز تر زوال شروع ہوا۔ مرہٹوں اور دکن کی سلطنتوں نے جس قدر سیاسی زوال کے اسباب فراہم کئے' اسی قدر مسلمانوں کی راسخ الاعتقادی کو نقصان پہنچایا اور پھر پچاس سال کے عرصہ میں یعنی اٹھارویں صدی عیسوی میں برصغیر پر مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی گرفت باقی نہ رہی۔ جہاں کہیں مرہٹوں کے حملے ہوئے تھے ان سے ایک اوسط درجے کے مسلمان پر یہ دردناک حقیقت واضح ہو جاتی تھی کہ اب اس کی املاک اس کی زندگی حتیٰ کہ اس کی عزت وآبرو بھی محفوظ نہیں۔ (۳)

مسلکی کشاکش میں راہ اعتدال

حضرت شاہ ولی اللہ کا دور سیاسی، معاشی اور اعتقادی لحاظ سے برعظیم کے مسلمانوں کے لئے کئی ''انتہاؤں'' کے درمیان دگرگوں کیفیت کا دور تھا۔ ہمہ گیر فکری انتشار اور سیاسی زوال کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مختلف فقہی اور مسلکی انتہاؤں کی کش مکش سے نکال کر اعتدال کی راہ پر لگایا جائے تا کہ وہ عظمت رفتہ کی بحالی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ چنانچہ اس عظیم کام کا بیڑا آپؒ

نے اٹھایا۔ اشتیاق حسین قریشی یوں رقم طراز ہیں۔

''ایک ممتاز عالم دین کی حیثیت سے نمایاں ہونے میں انہیں زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ محمد شاہ جیسے ناکارہ حکمران نے بھی دارالحکومت کی چاردیواری کے اندر ''مدرسہ رحیمیہ'' کے لئے ایک عمارت دے کر ان کی قدرومنزلت کا اعتراف کیا۔'' (۴)

شاہ ولی اللہ نے اس حقیقت کا بخوبی ادراک کرلیا تھا کہ معاشرے کی اخلاقی تباہی، معاشی عدم اعتدال اور انتہا پسندی نے مسلمانوں کے ملی وجود کو سنگین خطرات سے دوچار کردیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اخلاقی نظام کے احیاء کی خاطر جس تحریک کا آغاز کیا، وہ اپنے جوہر حقیقی میں متعدد فکری، اعتقادی، معاشی اور معاشرتی انتہاؤں اور بے اعتدالیوں کے خلاف ''اعتدال'' کی قابل قبول تحریک تھی۔ وہ جانتے تھے کہ راسخ الاعتقادی کے علاوہ سیاسی تحفظ کے لئے بھی اعتدال کی راہ ہی مسلمانوں کی بقاء کا واحد ذریعہ ہے۔ فرقہ وارانہ آویزش، فروعی، فقہی مناقشات، مسالک کے تنازعات بالخصوص اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین پائی جانے والی انتہا پسندانہ مخاصمت نے فکری زوال اور سیاسی تباہی کے لئے میدان ہموار کردیا تھا۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس تمام کج روی کی بنیادی وجہ مسلمانوں کی اپنے دین سے ناآشنائی، انتہا پسندی اور علماء کی تنگ نظری ہے۔ انتہا پسندی اور تنگ نظری کا یہ عالم تھا کہ قرآن حکیم کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا علماء وقت کے نزدیک بھی انتہائی معیوب فعل تھا۔ لیکن اعتدال کی راہ پر پہلے قدم کے طور پر آپؒ نے انقلاب برپا کرنے کا تہیہ کیا اور فتح الرحمان کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا۔ (۵)

عام لوگوں تک قرآنی تعلیمات پہنچانے کے انقلابی اقدامات کے علاوہ شاہ ولی اللہ کو سب سے بڑی فکر اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں پائے جانے والے فکری تفاوت کو کس طرح ختم کیا جائے تا کہ مسلمانوں کے آپس میں متحارب گروہوں میں فکری انتہا پسندانہ رویوں سے ہٹ کر اعتدال کا متوازن اور روادارانہ طرز عمل اختیار کیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر آپؒ نے ایک کتاب ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' کے عنوان سے مدون کی۔ مذکورہ کتاب کے بنیادی مقصد کو واضح کرتے ہوئے آپؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ان اللّٰہ تعالیٰ القی فی قلبی وقتاً من الأوقات میزاناً أعرف به سبب کل اختلاف وقع فی الملة المحمدیة علیٰ صاحبها الصلوات و التسلیمات و أعرف به

ماهو الحق عندالله و عند رسوله و مكنني من أن أبين ذالك بيانا لايبقى معه شبهة ولااشكال ثم سئلت عن سبب اختلاف الصحابة و من بعدهم في الاحكام الفقهية خاصة فانتدبت لبيان بعض مافتح علي به ساعتئذ بقدر مايسعه الوقت يحيط به السائل فجاءت رسالة مفيدة في بابها و سميتها "الانصاف في بيان اسباب الاختلاف" الخ (٦)

''امت محمدیہ ﷺ کے مابین اختلاف کے اسباب معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شک میرے قلب وذہن پر ایسا القاء فرمایا کہ جس سے میں یہ جان سکوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک حق کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے مجھے اظہار بیان کی ایسی قوت بھی دی کہ میں (اختلافی) مسئلہ کی وضاحت کرسکوں۔ ایسی وضاحت کہ پھر اس میں کوئی شبہ یا اشکال باقی نہ رہے۔ جب مجھ سے یہ پوچھا گیا کہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد اختلاف (علمی) کی وجوہات کیا ہیں؟ بالخصوص فقہی مسائل میں اختلاف، تو وقت کی کمی اور مسائل کی قوت اخذ وحفظ کو سامنے رکھتے ہوئے ان حقائق کا ایک حصہ بیان کرنے پر آمادہ ہوگیا اور اس مسئلہ پر ایک مفید رسالہ تیار ہوگیا جس کا نام میں نے ''الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف'' رکھا۔'' الخ

افراط وتفریط سے قوم کو بچانے کی خاطر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے محولہ بالا کتاب کے ذریعے تاریخ کی روشنی میں اسلاف کے علمی اختلافات کا تذکرہ کیا ہے۔ تاریخ کے منطقی استدلال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ، فقہاء یا آئمہ کا علمی اختلاف امت کے لئے باعث رحمت تھا، جب کہ تقلید کے اندھے پن نے ان علمی اختلافات کو امت کے مابین نزاع ونفرت کا موجب بنا دیا۔ اس کی وجہ سے مسلمان من حیث الامت اپنی اجتماعی قوت سے محروم ہوگئے۔ باہمی مسلکی تنازعات نے اجتہاد کے حقیقی مفاہیم کو فروعی تشریحات کا نام دیکر انتہا پسندی کے رجحان کو پروان چڑھایا اور اس طرح اجتہاد کی ضرورت واہمیت بھی ماند پڑنے لگی۔

شاہ ولی اللہؒ نے سب سے پہلے منصب اجتہاد اور مجتہد کی خصوصیات کی تشریح کرکے ان اختلافات کو نرم اور کم کرنے کی سعی کی جو مسلمانوں کو اعتدال کی راہ سے بے راہ کرکے انتہاپسندی کی طرف لے جانے کا موجب بنے تھے۔ اس ضمن میں مورخ ومحقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کہتے ہیں:۔

''شاہ ولی اللہؒ نے دینی تفکر کے لئے عام اجازت کا راستہ ہموار کئے بغیر اس کا مداوا اس طرح

کرنے کی کوشش کی کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہ ہونے پائے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اجتہاد کے لئے تبحر علمی اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ کوشش کی کہ ماضی کے مفکرین نے جو اتفاق آرا حاصل کیا تھا اس کا احترام کیا جائے" آگے لکھتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہ کی فکر انتہا پسندی کے برعکس سراسر اعتدال پسندانہ تھی۔ ان کے طرز عمل سے جدید تفسیر و تشریح کے ذریعے ان تازہ اختلافات کا بھی سد باب ہوتا تھا جو گزشتہ تفکر سے ہم آہنگ نہیں ہوتے تھے۔ یہ اصول بھی مقرر کیا کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ان مجتہدین کے فیصلوں پر عمل کریں جو اہل ہوں۔" (۷)

اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ باہمی تنازعات کی اصل وجہ اعتقادی انتہا پسندی تھی جس نے اٹھارہویں صدی میں فرقہ وارانہ منافرت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہ صورت حال مسلمانوں کو بتدریج فکری پراگندگی اور انحطاط کی طرف لے جانے کا سبب تھی۔ شاہ ولی اللہ نے ان فروعی اجتہادی اختلافات کے خلاف دلائل کی روشنی میں محاذ قائم کیا۔ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونے والے مسلمانوں کے انتہا پسند طبقوں کو باہم دیگر مربوط کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے مسلک معتدل کی چند مثالیں:

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ دلی خواہش تھی کہ چاروں مذاہب میں باہم پائے جانے والے متضاد اقوال میں موافقت پیدا کی جائے خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے مذاہب اربعہ کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے:

"سالته ﷺ عن هذه المذاهب الاربعة و هذه الطريق ايها اولىٰ عنده بالاخذ واحب فغامض على قلبى منه ان المذاهب والطرق كلها سواء لافضل لواحد على الاخر"(۸)

آپؒ کسی پابندی کے بغیر مذاہب اربعہ اور آئمہ حدیث کے مسائل پر عمل کرتے ہیں اور حنفی ہونے کے باوجود وہ محدثین اور شوافع اور دیگر آئمہ کے معمولات کو پسند فرماتے ہیں اور ان میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام

احناف اور شوافع کے نزدیک امام کی اقتداء میں سورت فاتحہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق نزاع مشہور ہے لیکن شاہ صاحبؒ راہ اعتدال اختیار فرماتے ہیں:

"وان كان ماموماً وجب عليه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم يقراء الاّ عند الاسكاته، وان خافت فله الخيرة فان قرأفليقراء بفاتحة قراء ة لايشوش على الامام، وهذا اولىٰ الاقوال عندى وبه يجمع بين احاديث الباب،"۔ (۹)

''مقتدی کو چاہیے کہ امام کے پیچھے خاموشی سے سنے اگر امام آواز سے پڑھے، اگر امام آہستہ پڑھ رہا ہو تو مقتدی جس طرح چاہے پڑھے، لیکن اس طرح پڑھے کہ امام کی قرأت میں تشویش اور پریشانی نہ ہو۔''

رفع یدین اور وتر

رکوع وغیرہ میں رفع یدین اور وتروں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"والحق عندى فى مثل ذالك ان الكل سنة ونظيره الوتر بركعة واحدة اوبثلث والذى يرفع احب الى ممن لا يرفع فان احاديث الرفع اكثر واثبت غيران لا ينبغى لانسان فى مثل هذه الصور ان يثير علىٰ نفسه فتنة عوام بلده"۔ (۱۰)

''میرے نزدیک حق یہ ہے کہ رفع یدین کرنا نہ کرنا دونوں سنت ہیں۔ اسی طرح ایک رکعت اور تین رکعت وتر پڑھنے والا اور رفع یدین کرنے والا مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ پسند ہے۔ کیوں کہ رفع یدین کی احادیث زیادہ ہیں اور صحیح ہیں۔ لیکن انسان کو ایسے اعمال کی وجہ سے اپنے خلاف عوام میں ہنگامہ بپا نہیں کرانا چاہیے۔''

قنوت

"واختلفت الاحاديث، ومذاهب الصحابة، والتابعين فى قنوت الصبح وعندى ان القنوت وتركه سيان، ومن لم يقنت الاعند حادثه عظيمة، اوكلمات يسيرة اخفاء قبل الركوع احب الى لان الاحاديث شاهدة على ان الدعاء على رعل وذكوان كان اوّلا ثُمّ ترك و هذا ان لم يدل على نسخ مطلق القنوت لكنها تومى الى ان القنوت ليس سنة مستقره"(۱۱)

''صبح کی قنوت سے متعلق احادیث میں اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب مختلف ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، قنوت پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں اور اہم حوادث پر چند کلمات پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہیں۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ قبیلہ رعل وذکوان پر بددعا ترک کردی گئی۔ اس سے گو علی الاطلاق قنوت کا ترک ثابت نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ واضح ہے کہ یہ مستقل اور دائمی سنت نہیں۔''

جمع بین الصلوٰتین

عذر کی وجہ سے نماز جمع کرنے کے متعلق آئمہ کے اختلاف کو یوں حل فرماتے ہیں:

"فشرع لهم جمع التقديم و التاخير لكنه لم يواظب عليه ولم يعزم عليه مثل مافعل في القصر"۔ (۱۲)

"شارع حکیم علیہ اسلام نے جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کی اجازت دے دی۔ لیکن نہ اس پر ہیشگی کا حکم دیا نہ اس پر تاکید فرمائی۔ جیسے نماز قصر کے لئے تاکید نہیں فرمائی۔"

آپؒ کے نزدیک نماز کے دراصل تین ہی اوقات ہیں۔ عصر، ظہر سے نکالی گئی ہے اور عشاء مغرب سے اخذ کر لی گئی ہے تاکہ دونوں نمازوں میں فاصلہ کم ہو اور نیند سے پہلے ہی ذکر سے غفلت نہ ہو۔

صلوٰۃ الوتر

وتروں سے متعلق آئمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فقہائے احناف واجب کہتے ہیں اور آئمہ حدیث اور آپؒ کی رائے کے مطابق سنت ہیں:

"والحق ان الوتر سنة هو او كدالسنن بينه عليؓ و ابن عمرؓ و عبادةؓ بن الصامتؓ" (۱۳)

"وتر سنت موکدہ ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ اور عبادہ بن صامتؓ سے یہی منقول ہے۔"

آپؒ کی یہ دلی آرزو تھی کہ چاروں مذاہب میں باہم پائے جانے والے تنازعات ہمیشہ کے لئے ختم ہوں۔ آپ نے ان کے باہمی اختلافات مٹانے اور ان کے متضاد اقوال میں موافقت پیدا کرنے کیلئے ان کے باہمی اختلاف کے وجوہ و علل کو نہایت معقول اور مدلل پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

"واعلم ان التخريج على كلام الفقهاء و تتبع لفظ الحديث لكل منهما أصل أصيل في الدين ولم يزل المحققون من العلماء في كل عصر، ياخذون، فمنهم من يقل من ذا، ويكثر من ذلك ومنهم من يكثر من ذا و يقل من ذلك، فلا ينبغي ان يهمل امر واحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين و انما الحق البحث ان يطابق احدهما بالآخر، وان يحير خلل كل بالأخر وذلك قول الحسن البصرى، سنتكم والله الذى لااله الاهو بينهما بين الغالى والجافى فمن كان من أهل الحديث ينبغى

له أن يعرض ما اختاره و ذهب اليه على رأى المجتهدين من التابعين و من بعدهم و من كان اهل التخريج ينبغى له ان يحصل من السنن ما يحترز به من مخالفة الصريح الصحيح، و من القول برأيه فى مافيه حديث او أثر بقدر الطاقة" (١٤)

''واضح ہو کہ فقہاء کے کلام سے کسی مسئلہ کی تخریج اور اس کے لئے عبارت حدیث تتبع دین کی اصل بنیاد ہے اور ہر زمانے میں محققین ان طریقوں کو اختیار کرتے رہے۔ ان میں سے بعض ایک طریق کم اور دوسرے کو زیادہ اور بعض ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم اختیار کرتے تھے۔ فرق صرف تناسب میں ہوتا تھا۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ دونوں فریق (اہل حدیث اور اہل فقہ) کے لوگ کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں سے ہر ایک کو دوسرے سے ہم آہنگ کیا جائے اور ایک کی کمی کو دوسرے سے پورا کیا جائے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی نہیں کہ تمہارا طریق کار صحیح وہ ہے جو دونوں کے بین بین ہے۔ پس جو اہل حدیث سے ہے، اسے چاہیے کہ جس مسلک کو اس نے اختیار کیا اور اپنا مذہب بنالیا ہے وہ اسے تابعین اور ان کے بعد والوں میں جو مجتہدین تھے کی آراء سے موازنہ کرے اور جو اہل تخریج میں سے ہے اسے چاہیے کہ وہ طریق سنت کے معاملے میں اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کرے کہ کسی صریح اور ثابت شدہ حدیث کی مخالفت سے بچا رہے، جس مسئلہ میں حدیث یا اثر (روایات) موجود ہے اس کے بارے میں حتیٰ الوسع اپنی رائے استعمال نہ کرے۔''

آپؒ نے طریق اہل حدیث اور طریق اہل تخریج دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر کے ایک مسلک معتدل کی بنیاد ڈالی تا کہ مسلمانوں کے درمیان افراط وتفریط کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔ اس طرح مسلمانوں میں اختلافات کم ہوں اور وسعت نظر کے ساتھ محققین واجتہاد کا راستہ کھل جائے۔ اس مقصد کے لئے آپؒ نے حنفیت کی کثرت ہندوستان میں اور شوافع کی اکثریت حجاز میں دیکھی۔ اس لئے انہوں نے ان دونوں میں اتحاد کی ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"ونشاء فى قلبى داعية من جهة الملاء الاعلى تفصيلها ان مذهب ابى حنفية والشافعى هما مشهوران فى الامة المرحومة وهما اكثر المذاهب تبعا و تصنيفاً وكان جمهور الفقهاء والمحدثين والمفسرين والمتكلمين والصوفيه متمذهبين

بمذهب الشافعي و جمهور الملوك و عامة اليونان متمذهبين بمذهب ابي حنيفة وان الحق الموافق لعلوم الملاء الاعلى اليوم ان يجعلا كمذهب واحد يعرضان على الكتب المدونة في حديث النبي ﷺ من الفريقين فما كان موافقا بها يبقى ومالم يوجد اصله يسقط(۱۵)

''ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں آئمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں۔ کثرت اتباع اور کثرت تصنیف کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ جمہور فقہاء اور محدث مفسر اور متکلم اور صوفیاء، شافعی مذہب کے پابند تھے اور اکثر بادشاہ اور یونان کے رہنے والے حنفی مسلک کے پابند تھے۔ ملاء اعلیٰ کی نظر میں حق اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کی جزئیات کو مکتب حدیث پر پیش کیا جائے اور معلوم رہے کہ دونوں مذاہب کے اہل علم نے فن حدیث میں تصنیفات کی ہیں۔ جو مسائل حدیث کے موافق ہوں، قبول کر لئے جائیں اور جن کا اصل حدیث سے نہیں ہے انہیں کلیتًا ساقط کر دیا جائے۔ نقد و نظر کے بعد جن مسائل میں اتفاق پیدا ہو جائے انہیں دانتوں میں تھام لیا جائے۔ اگر اختلاف ہو تو انہیں دو قول تصور کر کے دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔''

شاہ صاحبؒ کا مسلک

حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کا مسلک تقلید اور عدم تقلید کے بین بین ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کی جامعیت پائی جاتی ہے۔ نہ وہ موجودہ عرفی معنوں میں حنفی ہیں، جس کے آج کل ہمارے حنفی بھائی مراد لیتے ہیں۔ اور نہ عدم تقلید کے حامی ہیں جس کا ہمارے اہل حدیث بھائی دعویٰ کرتے ہیں۔ آپؒ اس لحاظ سے بالکل منفرد ہیں۔ جس کی وضاحت آپؒ کے وصیت نامے سے ہو سکتی ہے۔ جس میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ایں فقیر چنگ زون است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل پیوسته بتدبر ہر دو مشغول شدن وہر روز حصه از ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن ندارد ترجمه ورقے از ہر دو شنیدن۔ و در عقائد مذہب قدمائے اہل سنت اختیار کردن۔ واز تفصیل و تفتیش آنچه سلف تفتیش نکرده اند اعراض نمودن وبه تشکیکات معقولیان خام التفات نکردن و در فروع پیروی علماء محدثین که جامع باشند۔ میاں فقه و حدیث

کردن ودائماً تفریحات فقهیه را بر کتاب وسنت عرض نمودن و آنچه موافق باشد در خبر قبول آوردن والاّ کالائے بدبریش خاوند دادن، امت راہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن منفشفه فقہاء که تقلید عالمے را دستاویز ساخته تتبع سنت را ترک کرده اند نشنیدن وبریشاں التفات نه کردن وقربت حق جشن بدوری ایشاں" (۱۲)

"اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب وسنت کونہایت مضبوطی سے پکڑا جائے اور برابر ان میں تدبر جاری رکھا جائے اور اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے خود نہ پڑھ سکتا ہو تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی ہر روز سن لیا کرے اور عقائد میں قدماء اہل سنت کا مسلک اختیار کیا جائے۔ سلف نے جس چیز کی کھود کرید نہیں کی، اس کے پیچھے نہ پڑا جائے اور معقولیان خام جو شبہات پیدا کرتے ہیں ان کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے۔ فروع فقہ میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جو حدیث اور فقہ کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب وسنت پر ضرور پیش کیا جائے۔ پھر جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کیا جائے ورنہ کالائے بد بریش خاوند والا معاملہ کیا جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ امت کسی وقت مجتہدات فقہا کو کتاب وسنت سے جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ ایسے منقشف خشک فقیہہ جو کسی عالم کی بات کو دستاویز بنا کر سنت کے تتبع سے بے پروا ہو گئے ہیں، ان کی بات تک نہ سنی جائے۔ ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جائے بلکہ ان سے دور رہ کر خدا کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔"

حاملان تقلید اور مخالفان تقلید کے درمیان نکتہ اعتدال

اس وصیت سے آپؒ کا فقہی مسلک اور کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔ آپ کا عادلانہ اور معتدل نظریہ حاملان تقلید اور مخالفان تقلید دونوں کو نقطۂ اعتدال پر جمع کرتا ہے اور ایک ایسے جامع مسلک کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جس کے ذریعے مذاہب اربعہ میں باہمی تطبیق ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری راہ ہو ہی نہیں سکتی۔ جس کی مزید وضاحت آپ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"ونحن ناخذ من الفروع ما اتفق علیه العلماء لاسیماهاتان الفرقتان، العظیمتان

الحنفية و الشافعية و خصوصاً في الطهارة و الصلواة فان لم يتيسر الاتفاق و اختلفوا فناخذ بما يشهدله ظاهر الحديث و معروفه"(۱۷)

''ہم فروعی مسائل میں ان مسائل پر عمل کی کوشش کرتے ہیں جن پر علماء متفق ہوں خصوصاً دو بڑے گروہ حنفی اور شافعی۔ طہارت اور نماز کے مسائل میں یہ طریقہ اور بھی پسندیدہ ہے اگر اس میں اتفاق نہ ہو سکے تو جو ظاہر حدیث کے موافق ہو، ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔''

مندرجہ بالا اقتباس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت حنفی اور شافعی مسلکوں کو باہم ملا لینا چاہیے اور ان دونوں فقہوں سے جو بھی موافق بالکتاب والسنۃ ہو اختیار کر لینا چاہیے۔

مروجہ غلط تقلید کی مخالفت

حضرت شاہ صاحب'' ضروری سمجھتے تھے کہ عوام علماء کی اطاعت و اتباع کریں لیکن اس کو پیغمبر کی طرح معصوم عن الخطاء نہ سمجھیں۔ آپ آئمہ کی جلالت و منزلت اور علمی وسعت کے باوجود ان پر اس قدر حسن ظن نہیں فرماتے جس سے صحیح حدیث کو نظر انداز کرنے کی نوبت آجائے۔ جس کی وضاحت آپ اس طرح فرماتے ہیں:

"کنتم کالخصوص فی استحصانات الفقهاء من قبلکم ان الحکم ماحکمه الله ورسوله ورب انسان منکم یبلغه حدیث من احادیث نبیکم فلا یصل به و یقول انما العمل به مذهب فلان لاعلی الحدیث" الخ(۱۸)

''تمہاری توجہ پوری طرح فقہا کے استحصانات اور تفریعات کی طرف ہیں اور تم نہیں جانتے کہ درحقیقت حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے رسول کا اور تم میں سے بہت سے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی حدیث پہنچ جاتی ہے لیکن وہ اسے اس لئے قابل عمل نہیں سمجھتا کہ اس کا عمل فلاں مذہب پر ہے۔''

آپ'' اس مروجہ غلط تقلید کو ختم کرنے کے لئے مذاہب کو باہم آمیز کیا تا کہ یہ مروجہ غلط تقلید جس میں افراط و تفریط پایا جاتا ہے اس کو اعتدال کی راہ پر لائے۔

ایک جگہ اس کی مزید وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"انما اتفق الناس علی تقلید العلماء علی معنی انهم رووا ان الشریعة عن النبی ﷺ اشتغلوا بالعلم مالم نشتغل فلذلك قلد و العلماء فلوان حدیثا صح و شهد لصحتها

المحدثون وعمل به هوء لاء لان متبوعة لم يقل به فهذا هو الضلال البعيد" (۱۹)

"لوگوں نے علماء کی تقلید کو صرف اس لئے متفقہ طور پر قبول کیا کہ وہ درحقیقت آنحضرت ﷺ سے راوی ہیں اور علم ان کا مشغلہ ہے اور وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین اس کی صحت کے شاہد ہوں، عامتہ المسلمین نے اس پر عمل کیا ہو، معاملہ واضح ہو چکا ہو، پھر اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ امام یا متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا' بہت بڑی گمراہی ہے۔"

موجودہ غلط تقلید کو دیکھ کر آپؒ کو یہ خواہش ہوئی کہ ایک ایسا جامع مسلک اختیار کیا جائے جس کے ذریعے مذاہب اربعہ میں تطبیق ہوجائے جس کو آپ نے اپنے ایک مکتوب کلمات طیبات میں یوں تحریر فرمایا:

"سوال آنکہ عمل تو درمسائل فقہیہ بر کدام مذہب است گفتم بقدر امکان جمع می کنم درمذاہب مشہورہ مثلاً صوم وصلواته ووضوء و غسل وحج بوضع واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح داند وعند تعذرالجمع باقوی مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل می نمایم و خدائے تعالیٰ ایں قدر علم دادہ است کہ فرق میاں ضعیف وقوی کردہ شود ودرفتویٰ بحال مستفتی کار میکنم مقلد ہر مذہبی باشد اور از ہماں مذہب جواب می گویم خدائے تعالیٰ بہر مذہبے از مذہبے مشہورہ معرفتے دادہ است الحمداللہ تعالیٰ" (۲۰)

آپؒ کے نزدیک حق بات، تفقہ اور ظاہریت کے بین بین ہے جیسا کہ آپ تفہیمات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"ومنهم انى اقول لهولاء المسلمين بالفقهاء الحامدين على التقليد يبلغهم الحديث من احاديث النبى ﷺ باسناد صحيح وقد ذهب اليه جمع عظيم من الفقهاء المتقدمين ولا يتبعهم الاالتقليد لمن لم يذهب اليه ولهولاء الظاهرية المنكرين للفقهاء الذين هم طراز حملة العلم و آئمة اهل الدين انهم جميعا على سفاهة وسخافة والىٰ ضلالة وان الحق امر بين بين" (۲۱)

''میں ان برائے نام فقہاء سے کہنا چاہتا ہوں جو تقلید جامد کا شکار ہیں جن کو صحیح حدیث پہنچتی ہے اوران ظاہری علماء حضرات سے کہنا چاہتا ہوں کہ جو فقہ کے انکار اور فقہاء اور آئمہ دین پر یقین نہیں رکھتے یہ سب بے وقوف اور غلط کار ہیں اور جبکہ حق ان کے بین بین ہے۔''

مندرجہ بالا عبارت سے واضح طور پر عیاں ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار میں ہمیں قرآن حکیم اور احادیث نبوی کو اولیت دینی ہوگی اور اس نقطہ کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب انتہا پسندی سے محفوظ رہے ہیں۔اس لئے انہوں نے انتہا پسند گروہ کے علماء پر کھل کر تنقید کی ہے اور واضح طور پر بتایا ہے کہ اس انتہا پسندی کی بناء پر دونوں گروہ صداقت کی راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حق ان کے بین بین ہے۔

اس ضمن میں آپ نے ''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ نے سب سے پہلے فقہی اختلافات کا مدلل جائزہ تاریخی تناظر میں پیش کیا۔ پھر تفسیری اور تشریحی اختلافات کی وجوہات کو تدریج کے ساتھ پیش کر کے ماضی حال اور مستقبل کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کی کوشش بھی کی۔ ماضی کے جن اختلافی موضوعات کے اسباب ودلائل آپؒ نے بیان کئے ہیں ان میں حدیث نبوی ﷺ سے واقفیت اور عدم واقفیت کا اختلاف، فعل رسول ﷺ کی تعین، نوعیت میں اختلاف، وہم وتعبیر کا اختلاف سہو ونسیان کا اختلاف، ضبط مدعائے حدیث کا اختلاف، تعین علت کا اختلاف اور طرز تطبیق کا اختلاف کے موضوعات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔جن کو تفصیل کے ساتھ باب ھفتم میں بیان کیا جاچکا ہے۔ ان علمی وتحقیقی مباحث کی روشنی میں آپؒ نے درحقیقت فکری اختلافات کی ان منفی صورتوں کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی ہے جو دین اسلام کی اعتقادی صداقتوں کے خلاف فرقہ پرستانہ انتہا پسند رجحانات کو ہوا دینے کے مترادف تھیں۔ اور جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ بداعتقادی کی تاریک راہوں پر گامزن ہو چکی تھی۔

دنیاوی مسائل کا حل

مسائل زندگی میں پیدا ہونے والے اختلافات اور تنازعات کو دینی نقطہ نظر سے مٹانے کے لئے شاہ ولی اللہؒ نے یہ معیار مقرر کیا کہ:

"فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" (۲۲)

"پس اگر تمہارے مابین کسی چیز پر جھگڑا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔"

قرآن حکیم کا حوالہ دینے کے بعد شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"فلم یبح اللّٰہ تعالیٰ الرد عندالتنازع الی احد دون القرآن والسنة، وحرم بذالك الرّد عند التنازع الی قول قائل لانه غیر القرآن والسنة، وقد صح احماع الصحابة کلهم اولهم عن اخرهم واجماع التابعین اولهم عن آخرهم علی الامتناع والمنع من ان یقصد منهم احد° الی قول انسان منهم او ممن قبلهم، فیاء خذه کلهم" (۲۳)

"اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور تنازع کے موقع پر قرآن وسنت کے علاوہ کسی دوسری طرف رجوع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اسی طرح اختلاف کے وقت کسی قائل کے قول کی طرف رجوع کرنا بھی حرام قرار پایا۔ اس لئے کہ قائل کا قول بھی قرآن وسنت کے منافی ہے۔ شروع سے آخر تک تمام صحابہؓ اور تمام تابعینؒ کا اجماع ہے کہ ان میں سے کسی انسان کے قول کی طرف یا ان سے پہلے کے کسی انسان کے قول کی طرف رجوع کرنا اور اس کی ہر بات کو تسلیم کر لینا ممنوع ہے۔ اور اس سے روکا گیا۔"

فکری اور اعتقادی انتہا پسندی کی بنیادی وجہ:

شاہ ولی اللہؒ کے اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حقیقت کا بخوبی ادراک کر چکے تھے کہ مسلمانوں میں اعتقادی اور فکری انتہا پسندی کی بنیادی وجہ قرآن سے عدم فہمی اور قرآن سے باہر شخصی آراء اور تاریخی عدم مطابقت نے مسلمانوں کے مختلف مکتبہ ہائے فکر کو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قرآن وسنت ہی ایک ایسا معیار ہے۔ جو تمام مسلمانوں کو فکری اور نزاعی مسائل پر متحد و متفق رکھ سکتا ہے۔ آپ نے اعتدال کے قیام کی خاطر نہ صرف بنیادی اعتقادی مسائل ہی کی تشریح و توضیح پر اکتفاء کیا بلکہ اپنے وقت کے ان تمام مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ جو انتہا پسندانہ یا بھم ویدانتی رجحانات کے زیر اثر مسلمانوں کو دیگر اعتقاد کی طرف مائل کرنے کا سبب تھے۔ اور شخصی عقائد کا حصہ بنتے جا رہے تھے۔

عقیدہ وحدت الوجود میں اعتدال کی راہ

مجددالف ثانیؒ کے زمانے سے وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیوں کے مابین سبب نزاع بنا ہوا تھا۔ آپؒ نے اس مسئلہ پر بھرپور توجہ دی۔ اور اسے یوں حل کرنے کی کوشش کی کہ یہ

اختلافات محض الفاظ و معانی کا پھیر ہے۔ مسئلہ یا عقیدہ وحدت الوجود کی شدید مذمت کی بجائے ایک معتدل اور سب کے لئے قابل قبول معیار مقرر کیا کہ ''صوفیت کا کوئی مشاہدہ جو قرآن وسنت سے مطابقت نہیں رکھتا اسے رد کر دینا چاہیے۔'' (۲۴)

یہ ایک ایسا معیار ہے اور تھا جس سے کسی مسلمان صوفی یا عالم کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اہل سنت اور اہل تشیع میں نکتۂ اعتدال

اس طرح مغلیہ سلطنت کے دور زوال کے ساتھ ہندوستان میں اہل سنت اور اہل تشیع کی گہری مخاصمت نے مسلمانوں کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اس کے تباہ کن اثرات مسلم حکومت کے وجود پر مرتب ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں کے مابین پائے جانے والے شدید اختلافات کو ختم کرنا ملی تقاضا بھی تھا اور دینی فریضہ بھی۔ اہل سنت کے مخاصمانہ اور اہل تشیع کے انتہا پسندانہ رجحانات عام مسلمانوں کو غلط نظریات و بداعتقادی کی طرف لے جانے پر بھی مجبور کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کے دو متوازی فرقوں کے درمیان اعتدال اور رواداری کے جذبات پیدا کرنے اور بکھری ہوئی قوت کو یکجا کرنے کے لئے خلافت کے موضوع پر ایک جامع کتاب لکھی۔ (۲۵) اس میں سارے مسئلہ کے متنازع پہلوؤں پر مصالحانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے پہلے تین خلفاء کی مقدس شخصیات کو اس طرح واضح کیا کہ اہل تشیع کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔ اسلام کے نظریہ اعتدال اور جذبہ رواداری کو رواج دینے کے لئے شاہ ولی اللہؒ نے کمال جرأت مندی کے ساتھ اہل سنت کی تنگ نظری کے برعکس آواز اٹھائی اور قرار دیا کہ اہل تشیع دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔

معاشی انحطاط اور انتہا پسندی میں اعتدال کی راہ

فکری اور اعتقادی انتہا پسندی کے علاوہ اٹھارویں صدی برعظیم کے مسلمانوں میں سیاسی زوال پذیری کے ساتھ ساتھ معاشی انتہا پسندی اور عدم اعتدال حد درجہ نفوذ کر گئے تھے۔ اور معاشی بے آہنگی سے بھی اختلافات اور اعتقادات میں انتہا پسندانہ رجحانات کا اضافہ ہوتا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ نے اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کو اصلاح احوال کے لئے ضروری سمجھا اور اس ضمن میں متفرق مجموعات کے علاوہ ''حجتہ اللہ البالغہ'' کی جلد اول میں مختلف عنوانات کے تحت چار مکمل ابواب باندھے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

''معاشی انتہا پسندی اور عدم اعتدال و توازن نے پورے معاشرے کو فکری بے راہ روی اور بے

اعتدالیوں کا شکار بنا رہا ہے۔ مختلف عوامل معاشی اوران کی کارکردگی کے مابین عدم اعتدال نے معاشی انحطاط کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ جن گروہوں اور طبقوں کو معاشرے کی فلاح و بہبود کا ضامن ہونا تھا، تقسیم دولت اور تقسیم کار میں عدم اعتدال نے انہیں درندہ بنا دیا ہے۔ جن افراد کو مناسب اور حسب استطاعت پیشے اختیار کرنا تھے وہ ان سے ہٹ کر بے راہ روی اختیار کر چکے ہیں۔ اس طرح جبر، بے کاری اور بے راہ روی سے غارت گرانہ معاشی استحصال عام ہوتا جا رہا ہے۔'' (۲۶)

اس ضمن میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

''اتفاقات توجد فولد الحداد و جاره' یتیسّره من صناعة الحداد ما لا یتیسّر له' من غیرها و لا لغیره منها و قاطن ساحل البحر یتأتی منه صید الحیتان دون غیره و دون غیرها و بقیت نفوس اعیت بها المذاهب الصالحة فانحدروا الیٰ اکساب ضارة بالمدینة کا سرقة و القمار و التکدی'' (۲۷)

''اتفاقات حال کی مناسبت مثلاً لوہار کے بیٹے اور اس کے پڑوسی کے لئے لوہار کی صنعت جس قدر آسان ہوتی ہے دوسرے کے لئے اس قدر آسان نہیں ہوتی۔ اور اس (لوہار) کو بھی دوسرے پیشے اختیار کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ساحل سمندر پر آباد لوگوں کے لئے مچھلیوں کا شکار دوسروں کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اس کے لئے دوسرا پیشہ زیادہ آسان نہیں ہوتا۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے لئے مناسب پیشے اختیار کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ شہر کے لئے نقصان دہ کاموں کی طرف چل پڑتے ہیں مثلاً چوری کرنا، جوا اور نقب زنی۔''

ملت اسلامیہ کے لئے ایک ہمہ گیر نظریہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اعتدال کی راہ تمام اعتقادی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی تنظیموں کے لئے واحد راہ ہے۔ جو کسی بھی قوم کی سالمیت اور بقاء کی ضامن ہوسکتی ہے۔ آزادی، کامیاب حکومت اور اچھی زندگی سب کا دارومدار شاہ صاحبؒ کی تعلیمات میں اعتدال پسندی پر ہے۔ یہی دین اسلام کی تعلیمات کا ماخذ و نچوڑ بھی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی منطقی اور باریک بینی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی نظر سے اٹھارویں صدی کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں تھا۔ نہ اعتقاد، نہ معاش، نہ معاشرت اور نہ سیاست۔ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں معاشی عدم اعتدال کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"معاشیات کی صحت مندی دولت کی مناسب اور عادلانہ تقسیم سے حاصل ہوسکتی ہے۔ غیر مساویانہ تقسیم، جس سے دولت اور وسائل چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو انتہائی افلاس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ شدید عدم توازن اور عدم اعتدال کا موجب بن کر معاشرے کے اندر ایسی آویزشوں کو بروئے کار لاتے ہیں جن سے فلاح و بہبود ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ (۲۸)

ملت اسلامیہ کے لئے شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ ہمہ گیر تھا۔ انہوں نے اپنے دور کے ماضی اور اٹھارہویں صدی کے مستقبل کا عمیق مطالعہ کر کے جو نتائج اخذ کئے وہ یہ تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی ابتری، اعتقادی کمزوری، اور معاشی تنگ دستی کی وجوہات دین اسلام سے لاعلمی اور ویدانتی (ہندوانہ) نظریات کی کشاکش ہے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال سے نکال کر انتہا پسندانہ رجحانات اپنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اسلام اپنے جوہر میں ایک مکمل اکائی ہے۔ اسلام فکری، اعتقادی، معاشی، سیاسی، معاشرتی یا اخلاقی انتہا پسندی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ہر قدم پر یگانگت اور رواداری کا حکم دیتا ہے۔ اس حکم کی تعمیل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ مسلمان اپنی زندگی کے فکری اور عملی میدانوں میں اعتدال کی راہ اختیار نہیں کریں گے۔ اور احترام فکر و عمل کے فلسفہ کو نہیں اپنائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حوالہ جات

باب ا

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ الجزء اللطیف (مشمولہ انفاس) مطبع احمدی۔ دہلی۔ ص ۲۰۲۔

(۲) شاہ ولی اللہؒ۔ انفاس العارفین۔ مطبع احمدی دہلی۔ ص ۴۴۔۴۵

(۳) شاہ ولی اللہؒ۔ مسلسلات۔ مطبع احمدی دہلوی۔ ص ۴۳۔۴۴

(۴) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲۔

(۵) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲۔

(۶) شیخ محمد اکرام۔ رود کوثر۔ فیروز سنز۔ لاہور ۱۹۵۸ء۔ ص ۴۹۵۔

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ۔ الامداد فی مآثر الاجداد۔ اس میں شاہ صاحب کا پورا نسب نامہ درج ہے۔

(۸) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲۔

(۹) شاہ ولی اللہ دہلویؒ، القول الجمیل، مطبع اعزازیہ، دیوبند، بھارت۔ ص ۱۱۴۔

(۱۰) شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء، مطبع صدیقی۔ بریلی، بھارت (دیباچہ)۔ ص ۴۔

(۱۱) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲، ۲۰۳۔

(۱۲) ڈاکٹر مظہر بقا۔ اصول فقہ۔ ص ۵۵، منہاج الدین اصلاحی شرکت پریس لاہور، ۱۹۷۳ء۔

(۱۳) ڈاکٹر مظہر بقا۔ اصول فقہ۔ ص ۵۵، منہاج الدین اصلاحی شرکت پریس لاہور، ۱۹۷۳ء۔

(۱۴) رود کوثر۔ ص ۵۶۴۔

(۱۵) رود کوثر۔ ص ۵۷۵۔

(۱۶) رود کوثر۔ ص ۵۷۶۔

(۱۷) اصول فقہ۔ ص ۵۶۔

(۱۸) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲۔

(۱۹) شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، فالکن پریس۔ لاہور۔ ص ۱۵۱۔

(۲۰) شاہ ولی اللہ دہلوی۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل۔ فالکن پریس۔ لاہور۔ ص ۱۵۷۔

(۲۱) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۳۔

(۲۲) عاشق الٰہی میرٹھی۔ تذکرۃ الرشید مجبوب المطابع دہلوی۔ ص ۳۰۔

(۲۳) فیوض الحرمین۔ ص ۴۴۔

(۲۴) شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء۔ مطبع صدیقی بریلی۔ (دیباچہ) ص ۴۔

(۲۵) ملفوظات عزیزی۔ ص ۴۰۔

(۲۶) شاہ ولی اللہؒ۔ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن۔ مطبع ہاشمی میرٹھ۔ ۱۲۸۵ھ۔ (مقدمہ) ص ۲۔

(۲۷) فتح الرحمٰن۔ (مقدمہ) ص ۱۔

(۲۸) رحیم بخش، حیات ولی، مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ ۱۹۵۵ء۔ ص ۵۴۷۔

(۲۹) شاہ ولی اللہ۔ الفوز الکبیر، مع فتح الخبیر۔ مطبع علمی لاہور (دیباچہ) ص ۲۔

(۳۰) الفوز الکبیر مع فتح الخبیر، ص ۱۷۶۔

(۳۱) خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات۔ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔ ۱۹۷۸ء۔ ص ۲۱۵۔

(۳۲) نزہۃ الخواطر۔ ج ۴، ص ۴۱۔

(۳۳) محمد اقبال قریشی۔ انور شاہ کشمیری کے علوم ومعارف۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ کراچی۔ ص ۳۵۔

(۳۴) اصول فقہ، ص ۶۷۔

(۳۵) فقہی اختلاف کی اصلیت، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

(۳۶) ماہنامہ بینات، اکتوبر ۱۹۸۳ء، ص ۵۰۔

(۳۷) نواب صدیق حسن خان، "اتحاف النبلاء" مکتبہ نظامی کانپور، بھارت۔ ن۔ م۔ ص ۷۱۔

(۳۸) الندوہ، ماہنامہ، دسمبر ۱۹۰۷ء، ص ۱۲۔

(۳۹) اصول فقہ، ص ۴۷۔

(۴۰) فہرست کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۱ء۔ ص ۸۸۔

(۴۱) ماہنامہ القرآن، بریلی، بھارت۔ ستمبر ۱۹۷۳ء، (حاشیہ) ص ۴۳۔

(۴۲) منظور احمد نعمانی، ماہنامہ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، دسمبر ۱۹۸۱ء، دہلی۔ ص ۳۸۶۔

(۴۳) الحسنی عبدالحی، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآبادی (دکن) ۱۹۵۷ء۔ ص ۴۱۵۔

(۴۴) خلیق احمد نظامی، سیاسی مکتوبات، مکتبہ رحمانی، لاہور۔ ص ۲۲۱۔

(۴۵) حیات ولی۔ ص ۵۷۷۔

(۴۶) نزہۃ الخواطر۔ ج ۴، ص ۲۳۰۔

(۴۷) اصول فقہ حاشیہ۔ ص ۱۷۔

(۴۸) اصول فقہ حاشیہ۔ ص ۱۷۔

(۴۹) شاہ عبدالعزیز، فتاوٰی عزیزی، مطبع مجتبائی۔ ص ۱۲۸۔

(۵۰) نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۴۱۔

(۵۱) حیات ولی۔ ص ۵۷۷۔

(۵۲) اصول فقہ۔ ص ۷۲۔

(۵۳) معراج محمد بارق، مقدمہ البلاغ المبین، مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ ص ۴۰۔

(۵۴) ڈاکٹر جمال الدین سیال، محاضرات، جامعۃ الدول العربیہ۔ ۱۹۵۷ء۔

(۵۵) امام خان ابو یحییٰ، تذکرہ علماء حدیث، ہند، جید برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء۔ ص ۴۴۔

(۵۶) امام خان ابو یحییٰ، تذکرہ علماء حدیث، ہند، جید برقی پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء۔ ص ۴۴۔

(۵۷) مولانا مناظر احسن گیلانی، تذکرہ شاہ ولی اللہ۔ ص ۲۷۵۔

(۵۸) رود کوثر۔ ص ۵۱۔۵۲۔

(۵۹) ہمعات۔

(۶۰) رود کوثر۔ ص ۵۱۷۔۵۱۸۔

(۶۱) الفرقان، ماہنامہ۔ شاہ ولی اللہ نمبر۔ ص ۳۶۶۔

(۶۲) مناظر احسن گیلانی، تذکرہ شاہ ولی اللہ۔ ص ۲۷۵۔

(۶۳) ملفوظات عزیزی۔ ص ۴۰۔

(۶۴) فیوض الحرمین۔ ص ۴۴۔

(۶۵) نواب صدیق حسن خان۔ ابجد العلوم۔ ص ۹۴۔

(۶۶) نواب صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء۔ ص ۹۸۔

(۶۷) رود کوثر۔ ص ۵۶۰۔

(۶۸) حیات ولی۔ ص ۳۸۴۔

(۶۹) مولانا مودودی، تجدید و احیائے دین۔ ص ۱۱۱۔۱۱۲۔

(۷۰) حیات ولی۔ ص ۴۸۴۔۴۸۵۔

(۷۱) نزہتہ الخواطر، ج ۲۔ ص ۴۰۶۔

(۷۲) مولانا شبلی نعمانی، تاریخ علم الکلام، ج ۱۔ ص ۸۷۔

(۷۳) اتحاف النبلاء۔ ص ۳۰۔

باب ۲

(۱) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۲۔

(۲) تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ ص ۱۱۴۔۱۱۵۔

(۳) فیوض الحرمین۔ ص ۶۲۔

(۴) الجزء اللطیف۔ ص ۲۰۵۔

(۵) رود کوثر۔ ص ۵۰۸۔۵۰۹۔

(۶) حیات ولی۔ ص ۳۷۶۔

(۷) فیوض الحرمین۔ ص ۲۰۔

(۸) فیوض الحرمین۔ ص ۱۹۱۔

(۹) ملفوظات عزیزی۔ ص ۹۳۔

(۱۰) الفرقان۔ شاہ ولی اللہ نمبر۔ ص ۳۹۹۔

(۱۱) محمد عطاء اللہ، حنیف، مکتوبات شاہ ولی اللہ، دہلوی، المکتبہ السلفیہ، لاہور۔ ۱۹۸۳ء ص ۱۹۔

(۱۲) شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۱، مطبع شرکتہ امین دہلی ۱۳۷۳ھ۔ ص ۱۵۹۔

(۱۳) تفہیمات الٰہیہ، ج ۲۔ ص ۲۵۰۔

(۱۴) انفاس العارفین۔ ص ۲۴۔

(۱۵) فیوض الحرمین۔ ص ۱۳۶۔۱۳۷۔

(۱۶) مکتوبات، حیات ولی۔ ص ۲۹۱۔

(۱۷) مکتوبات، حیات ولی، ص ۲۹۲۔

(۱۸) ملفوظات عزیزی۔ ص ۴۰۔

(۱۹) ملفوظات عزیزی۔ ص ۲۱۔

(۲۰) تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ ص ۲۹۴۔

(۲۱) ملفوظات عزیزی۔ص ۴۲۔

(۲۲) ملفوظات عزیزی۔ص ۴۳۔

(۲۳) تفهیمات الٰهیه۔ج ا،ص ۸۔

(۲۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی۔تفہیمات، ناشر ترجمان القرآن۔ج ا،ص ۱۳۔

(۲۵) تفهیمات الٰهیه۔ج ا۔ص ۱۱۰۔۱۱۱۔

(۲۶) تفهیمات الٰهیه. ج ۱. ص ۲۸۵.

(۲۷) تفهیمات الٰهیه۔ج ا۔ص ۲۸۵۔

(۲۸) تفهیمات الٰهیه۔ج ا۔ص ۲۸۱ .

(۲۹) تفہیمات۔ج ا۔ص ۲۸۲۔۲۸۳۔

(۳۰) تفہیمات، ج ا۔ص ۲۸۴۔

(۳۱) تفہیمات الہیہ۔ج ا،ص ۲۸۷،۸۸۔

(۳۲) تفهیمات الٰهیه، ج ۳۔ص ۴۹۔۵۰۔

(۳۳) تفهیمات الٰهیه، ج ۱، ص ۲۷۶. ۲۷۷.

باب ۳

(۱) افکار ولی اللہ۔باب ۴۔ص ۵۔

(۲) الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر۔ص ۳۱۔

(۳) شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ بالغہ، جلد دوم، صفحہ ۱۱۹۔

(۴) تفهیمات الٰهیه، ج ۱، ص ۲۷۹.

(۵) مکتوبات شاہ ولی اللہ۔ص ۴۸۔

(۶) حجة الله البالغه، ج ۱، ص ۲. (مقدمه)

(۷) انفاس العارفین، ص ۲۹۸۔

(۸) انفاس العارفین. ص ۲۹۸، الجز اللطیف. ص ۷۔

(۹) انفاس العارفین. ص ۲۹۹، الجز اللطیف. ص ۸.

(۱۰) فیوض الحرمین، ص ۶۲.

(۱۱) انفاس العارفین، ص ۲۰۹.

(۱۲) ملفوظات عزیزی۔ ص ۴۰۔

(۱۳) فیوض الحرمین، ص ٦۵۔

(۱۴) فیوض الحرمین، ص ٦۵۔

(۱۵) فیوض الحرمین، ص ٦۔

(۱٦) فیوض الحرمین، ص ۴۴۔

(۱۷) تفہیمات ۔ص ۴۴۔

(۱۸) تفہیمات الٰہیہ ۔ج ۱۔ص ۲۸۲۔۲۸۷۔

(۱۹) افکار شاہ ولی اللہ ۔ص ۵۸۔

باب ۴

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، عقد الجید ۔ص ۷۔۸۔

(۲) عقد الجید ،ص ۱۰۔

(۳) عقد الجید ۔ص ۱۰۔

(۴) عقد الجید ۔ص ۱۰۔۱۱۔

(۵) عقد الجید ۔ص ۱۱ تا ۱۵۔

(٦) عقد الجید ،ص ۱۵۔

(۷) عقد الجید ۔ص ۱۷۔

(۸) عقد الجید ۔ص ۱۸۔

(۹) عقد الجید ۔ص ۱۹۔

(۱۰) عقد الجید ۔ص ۹۔

(۱۱) عقد الجید ۔ص ۱۹۔

(۱۲) عقد الجید ۔ص ۱۹۔

(۱۳) عقد الجید ۔ص ۱۹۔

(۱۴) عقد الجید ،ص ۱۹۔

(۱۵) عقد الجید ۔ص ۲۵۔

(۱٦) عقد الجید ۔ص ۲۵۔۲٦۔

(۱۷) عقد الجید ۔ ص ۳۰۔

(۱۸) عقد الجید ۔ ص ۳۱۔

(۱۹) عقد الجید ۔ ص ۳۲۔

(۲۰) عقد الجید ۔ ص ۳۳ تا ۳۵۔

(۲۱) عقد الجید ۔ ص ۵۲۔

(۲۲) عقد الجید ۔ ص ۵۴ تا ۵۷۔

(۲۳) عقد الجید ۔ ص ۶۹۔۷۰۔

(۲۴) عقد الجید ۔ ص ۵۹۔

(۲۵) عقد الجید ۔ ص ۱۳۔

(۲۶) عقد الجید ۔ ص ۱۴۔

(۲۷) عقد الجید ۔ ص ۲۰۔

(۲۸) عقد الجید ۔ ص ۴۰۔

(۲۹) عقد الجید ۔ ص ۴۵۔

(۳۰) عقد الجید ۔ ص ۴۵۔۴۶۔

(۳۱) عقد الجید ۔ ص ۲۰۔

باب ۵

(۱) عقد الجید ۔ ص ۷۔۸۔

(۲) عقد الجید ۔ ص ۷۔۸۔

(۳) عقد الجید ۔ ص ۶، مصفیٰ ۔ ص ۱۱۔

(۴) عقد الجید ۔ ص ۶۔

(۵) تفہیمات الٰہیہ ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۴۵۔

(۶) تفہیمات الٰہیہ ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۴۵۔

(۷) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المصفیٰ ۔ ج ۱، ص ۱۱۔

(۸) شاہ ولی اللہ ۔ الانصاف للدہلوی، باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ ۔ ص ۴۶۔

(۹) المصفیٰ ۔ (مقدمہ) ج ۱ ۔ ص ۱۱۔

(۱۰) عقد الجید، ص ۸۴۔

(۱۱) عقد الجید، ص ۸۴۔

(۱۲) عقد الجید، ص ۸۵۔

(۱۳) عقد الجید، ص ۸۵۔

(۱۴) عقد الجید۔ ص ۸۵۔

(۱۵) عقد الجید۔ ص ۸۵۔

(۱۶) عقد الجید۔ ص ۸۵۔

(۱۷) عقد الجید۔ ص ۸۵۔۸۶۔

(۱۸) مصفیٰ۔ ج ۲، ص ۳۵۱۔

(۱۹) ابوزھرہ محمد۔ اصول فقہ دار الفکر، العربی، مصر ۱۳۶۶ھ۔ ص ۳۹۹۔

(۲۰) سعد الدین، التفتاز، التلویح علی التوضیع، مطبع محمد علی الصیحح۔ مصر ۱۹۵۷ء۔ ص ۱۱۷۔

(۲۱) ازالتہ الخفاء، ج ۱۔ ص ۴۔

(۲۲) ابو اسحاق ابراہیم، الشاطبی، موافقات، مکتبہ التجارت الکبریٰ، مصر۔ ج ۴۔ ص ۶۰۔

(۲۳) ازالتہ الخفاء۔ ج ۱۔ ص ۴۰۔

(۲۴) عقد الجید۔ ص ۸۔۹۔

(۲۵) عقد الجید۔ ص ۹۔

(۲۶) ابوحامد، محمد الغزالیؒ، المستصفیٰ من علم الاصول المطبع المنیریہ بولاق، مصر ۱۳۲۵ھ، ج ۲۔ ص ۸۹۔

(۲۷) الانصاف۔ ص ۱۷، حجتہ اللہ البالغہ، باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع۔ ص ۱۴۸۔۱۴۹

(۲۸) حجتہ اللہ البالغہ، فصل۔ ص ۱۵۹۔ و الانصاف للدھلوی، التقلید فی مذاھب الاربعۃ۔ ج ۱ ص ۹۷۔

(۲۹) عقد الجید۔ ص ۳۶۔

(۳۰) عقد الجید۔ ص ۳۶۔

(۳۱) حجتہ اللہ البالغہ۔ ج ۱۔ ص ۱۲۴۔

(۳۲) حجتہ اللہ البالغہ۔ ج ۱۔

(۳۳) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۲۲۔

(۳۴) القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹۔

باب ۹

(۱) القرآن۔ سورۃ یوسف۔ آیت ۴۰۔

(۲) القرآن، سورۃ اعراف۔ آیت ۱۵۴۔

(۳) القرآن، سورۃ الاحزاب۔ آیت ۳۶۔

(۴) القرآن، سورۃ النساء۔ آیت ۶۵۔

(۵) القرآن، سورۃ النساء۔ آیت ۱۷۶۔

(۶) القرآن، سورۃ یونس، آیت ۱۵۔

(۷) الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم۔ ص ۳۵۔

(۸) الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم۔ ص ۳۵۔

(۹) القرآن، سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۳۱۔

(۱۰) القرآن، سورۃ البقرہ۔ آیت ۱۸۸۔

(۱۱) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری۔ کتاب المغازی، ادارہ، الطباعۃ المنیریہ، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج ۲، ص ۵۹۱۔

(۱۲) قاری طیب۔ اجتہاد وتقلید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۵۰۔ ۵۱۔

(۱۳) شمس الائمہ سرخسی، اصول فقہ، ج ۲۔ ص ۱۳۰۔

(۱۴) القرآن، سورۃ الزمر، آیت ۱۶۔ ۱۷۔

(۱۵) القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت ۱۷۔

(۱۶) القرآن، سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۶۸۔

(۱۷) الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح، باب العلم۔ ص ۳۶۔

(۱۸) (الحدیث، مشکوٰۃ المصابیح، باب العلم فی القضاء والخوف۔ فصل ۲، ص ۳۰)، سنن ابی داؤد، باب اجتہاد الرائی فی القضاء۔ ج ۳۔ ص ۳۰۳۔

(۱۹) (حجۃ اللہ البالغہ، باب اسرار الترغیب والترہیب۔ ج ۱۔ ص ۱۱۳)، سنن النسائی، تحریم الی غدر، ذکر الاختلاف علی یحییٰ ابن ابی۔ ج ۸ ص ۲۲۹۔

(۲۰) القرآن، سورۃ النساء۔ یت ۲۳۔

(۲۱) ترمذی، باب الرضاع، ص ۴۲۳۔

(۲۲) حجتہ اللہ البالغہ، بحث فی اسرار الیرغیب والترھیب۔ ص ۱۱۳۔

(۲۳) بخاری، باب من مات وعلیہ النذر، ص ۸۹ ق۔ ج ۸ ص ۱۴۲۔

(۲۴) صحیح البخاری، نور محمد، اصح المطابع، کراچی، ص۔ ۵۹۱۔

(۲۵) ابوبکر، الفصول فی الاصول، لاہور، مکتبہ علمیہ ۱۹۱۸ء، ص ۴۹۔

(۲۶) مولانا محمد عاشق الٰہی، تاریخ اسلام، مدینہ پبلشنگ، کراچی۔ ج ۲، ص ۲۴۶، ص ۷۰۔

(۲۷) کشف المغطا عن کتاب المؤطاء، مطبع مرتضیٰ، دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۴۸۔

(۲۸) کشف المغطا، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد۔ ص ۱۳۹۔

(۲۹) علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔ ص ۳۴۴۔

(۳۰) حجتہ اللہ البالغہ۔ ص ۱۲۷۔

(۳۱) مولانا شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔ ص ۳۴۴۔

(۳۲) مشکواۃ المصابیح، ج ۲، ص ۷۸۸۔

(۳۳) مولانا شبلی نعمانی، الفاروق، ص ۳۴۸۔

(۳۴) ازالتہ الخفاء۔ ص ۸۶۔

(۳۵) القرآن، سورۃ النور، یت ۴۔

(۳۶) الفاروق۔ ص ۳۴۸۔

(۳۷) القرآن، سورۃ البقرہ، یت۔ ۲۳۳۔

(۳۸) القرآن، سورۃ البقرہ، یت ۲۳۶۔

(۳۹) القرآن، سورۃ البقرہ۔ یت ۲۲۹۔

(۴۰) القرآن، سورۃ البقرہ، یت ۲۲۰۔

(۴۱) القرآن، سورۃ آل عمران، یت ۱۵۹۔

(۴۲) القرآن، سورۃ النساء۔ یت ۳۔

(۴۳) القرآن، سورۃ النساء۔ یت ۶.

(۴۴) القرآن، سورۃ النساء۔ یت ۱۳۴.

(۴۵)القرآن، سورۃ النساء۔یت ۱۲۸ .

(۴۶)القرآن، سورۃ النساء۔یت ۱۱۴ .

(۴۷)القرآن،سورۃ البقرہ،یت۱۹۴۔

(۴۸)سورۃ بنی اسرائیل،یت۲۶۔

(۴۹)سورۃ النور، یت ۔ ۵۵.

(۵۰)القرآن،سورۃ النساء،یت۵۹۔

(۵۱)القرآن،سورۃ النحل،یت۴۴۔

(۵۲)ابوبکر جصاص،الفصول فی الاصول،لاہور،مکتبہ علمیہ ۱۹۱۸ء،ص ۶۳ تا ۶۸۔

(۵۳)القرآن،سورۃ الحشر،یت۲۔

(۵۴)الفصول فی الاصول۔ص ۶۸۔

(۵۵)شمس الائمہ سرخس،اصول فقہ،قاہرہ،دار الکتاب العربی ۱۳۷۲ھ۔ج ۲،ص ۱۳۹۔

(۵۶)القرآن،سورۃ رعد،یت۴۔

(۵۷)القرآن،سورۃ البقرہ،یت۱۷۹۔

(۵۸)القرآن،سورۃ البقرہ،یت۲۶۔

(۵۹)سورۃ یٰسین،یت۷۸۔۷۹۔

(۶۰)القرآن،سورۃ النحل،یت۹۰۔

(۶۱)امام شوکانی،ارشاد الفحول،قاہرہ،ادارہ الطباعۃ المصریہ،۱۳۴۷ھ،ص۱۷۷۔

(۶۲) ابوالحسین بصری، کتاب المعتمد ، دمشق، المعہد العلمی الفرنسی للدراسات العربیۃ ۱۹۶۴ء،ص۴۲۶۔

(۶۳)امام شافعیؒ،رسالہ شافعی فی الاصول الفقہ ،بولاق ،مطبعہ امیریہ،۱۳۲۱ھ،ص ۶۸۔۶۹۔

(۶۴)علامہ شہرستانی،الملل والنحل،دار الکتب ،مصریہ،قاہرہ،ص۱۸۵۔

(۶۵) امام غزالی، المستصفیٰ من علم الاصول، قاہرہ، المکتبہ التجارۃ الکبری ۱۹۳۷ء، ج ۲،ص ۵۹۔۶۰۔

(۶۶)ابوبکر جصاص،الفصول فی الاصول،ص۹۴۔۹۳۔

(۶۷)ابوبکر جصاص،الفصول فی الاصول،ص۹۶۔۹۷۔

(۶۸) علامہ ابوزہری مصری، تاریخ المذاہب الفقہ، ص ۸۰۔
(۶۹) علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۶۷۔
(۷۰) شاہ ولی اللہ، عقد الجید، ص ۹۔
(۷۱) مقدمہ المصفیٰ، ج ۱، ص ۱۱۔
(۷۲) المصفیٰ، مقدمہ، ج ۱، ص ۱۱۔
(۷۳) الانصاف، ص ۴۶۔
(۷۴) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۳۵۔
(۷۵) مقدمہ المصفیٰ، ج ۱۔ ص ۱۱۔
(۷۶) ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، الموافقات، ج ۴، ص ۲۹۲۔
(۷۷) القرآن، سورۂ نحل، آیت ۱۳۰۔
(۷۸) امام شعرانی، عبدالوہاب، الیواقیت والجواہر، مکتبہ التجارۃ الکبریٰ، ۱۳۲۵ھ، ص ۶۲۔
(۷۹) بحوالہ تیسیر التقلید، ص ۴۱۔
(۸۰) عقد الجید، ص ۱۴۔
(۸۱) عقد الجید، ص ۱۰۱۔
(۸۲) عقد الجید، ص ۱۱۔ ۱۵۔
(۸۳) المصفیٰ، ص ۱۹۔
(۸۴) ابواعلیٰ مودودی، تفہیمات، حصہ سوم، ۳۰۔ ۳۲۔
(۸۵) الانصاف، ص ۲۱۔
(۸۶) الانصاف، ص ۴۷۔
(۸۷) عقد الجید، ص ۱۱۔
(۸۸) عقد الجید، ص ۱۲۔
(۸۹) ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ (حاشیہ)، ص ۴۲۷۔ ۴۲۸۔

باب ۷

(۱) ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، الاعتصام، مکتبہ التجارۃ الکبریٰ، مصر، ج ۲، ص ۱۴۸۔
(۲) القرآن، سورۃ البقرہ، یت ۲۵۱۔

(۳) القرآن، سورۃ ال عمران، یت ۱۰۵۔

(۴) رواہ البیہقی، رواہ الدارقطنی بحوالہ قاری محمد طیب، اجتہاد وتقلید، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۴۳۔

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی، اشرف الجواب، ج ۲، ص ۲۳۴۔

(۶) شاہ ولی اللہ، الانصاف، مکتبہ علمیہ، لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۸۔۹۔

(۷) الانصاف، ص ۷۔

(۸) الانصاف، ص ۷۔

(۹) الانصاف، ص ۷۔۸۔

(۱۰) صحاح ستہ کے مورخین۔

(۱۱) الانصاف، ص ۹۔

(۱۲) الانصاف، ص ۱۰۔

(۱۳) الانصاف، ص ۱۰۔

(۱۴) الانصاف، ص ۱۱۔

(۱۵) الانصاف، ص ۱۲۔

(۱۶) القرآن، سورۃ المائدہ، ایت ۳۔

(۱۷) محمد اقبال، تشکیل جدید الہیات، اسلامیہ اردو مطبع، بزم اقبال، لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۲۳۶۔

(۱۸) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۴۰۔

(۱۹) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۰۴۔

(۲۰) تفہیمات، ج ۱، ص ۲۱۱۔

(۲۱) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۹۴۔

(۲۲) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۹۰۔

باب ۸

(۱) تاج محمد دہلوی، لغات القرآن اصح المطابع کراچی، ص ۲۴۸۔

(۲) وحید الزمان، القاموس الفرید، صابری دار الکتب، لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۵۴۶۔

(۳) محب اللہ بہاری، مسلم الثبوت، المطبعۃ المیریہ، بولاق، مصر ۱۳۵۲ھ، ج ۲، ص ۳۵۰۔

(۴) الشوکانی محمد القاضی، ارشاد الفحول، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۳۷ء، ص ۲۹۵۔

(۵) ابن ہمام، کمال الدین محمد، التحریر فی اصول فقہ، مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۵۱ھ، ص ۵۲۷۔

(۶)

(۷) ابن حاجب، ابو عمرو، مختصر منتہی الاصول، المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، بولاق، مصر ۱۳۱۹ھ، ص ۲۳۔

(۸) القرآن، سورۃ النحل، آیت ۴۳۔

(۹) القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹۔

(۱۰) علامہ شوکانی، فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۳، بحوالہ فتح البیان، ج ۲، ص ۲۸۳۔

(۱۱) مولانا خیر محمد، خیر التقلید، تالیفات اشرفیہ، ملتان، ص ۲۳۔

(۱۲) القرآن، سورۃ الملک، آیت ۱۰۔

(۱۳) القرآن، پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۸۳۔

(۱۴) ابوداؤد، ج ۱، ص ۴۹۔

(۱۵) ابوداؤد، ج ۱، ص ۴۸۔

(۱۶) ترمذی شریف، حدیث حذیفہ، ص ۴۲۔

(۱۷) مشکوٰۃ المصابیح، باب اعتصام والسنۃ، ص ۲۰۔

(۱۸) الفاروق، ص ۳۳۹۔

(۱۹) الفاروق، ص ۳۳۹۔

(۲۰) کشف المغطاء عن کتاب الحج، ص ۲۶۱، ۲۶۲۔

(۲۱) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۷۔

(۲۲) عقد الجید، ص ۳۶۔

(۲۳) عقد الجید، باب فی بیان اختلاف المجتہدین، ص ۳۳ ق۔ ج ۱ ص ۱۲۔

(۲۴) حجۃ اللہ البالغہ، باب اسباب اختلاف الصحابہ والتابعین فی الفروع، ج ۱ ص ۲۰۳۔

(۲۵) خیر التقلید فی سیر التقلید، ص ۱۴۔

(۲۶) عقد الجید، ص ۳۳۔

(۲۷) الانصاف، ص ۵۹۔

(۲۸) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۲۳ اق، ج ۱ ص ۳۲۵۔

(۲۹) فیوض الحرمین۔ ص ۱۸۸۔

(۳۰) حجۃ اللہ بالغہ، ج ۱، ص ۱۲۲۔

(۳۱) مقدمہ ابن خلدون (مقدمہ) ص ۴۔

(۳۲) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، ص ۵۶۔ ۵۷ ق، باب تقلید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعہ، ج ۱ ص ۱۳۔

(۳۳) صبحی محمصانی، فلسفۃ التشریع فی الاسلام، بیروت ۱۹۷۵ء، ص ۳۰۶۔

(۳۴) مقدمہ ابن خلدون، مقدمہ، ص ۵۔

(۳۵) محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، لاہور، بزم اقبال لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۳۔ ۲۳۱۔

(36) N.J. Coulsen, A History of Islamic Law, Edinburgh, University Press, P.P 80-81, 1964.

(۳۷) عبد الوہاب، خلاف، خلاصہ التشریع الاسلامی، مصر، بحوالہ رسالہ ماہنامہ فکر ونظر، مارچ ۱۹۸۳ء۔

(۳۸) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۵۹ اق، ج ۱ ص ۳۲۵۔

(۳۹) الانصاف فی بیان سبب اختلاف، ص ۱۲۔

(۴۰) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۲۳۔

(۴۱) عقد الجید، ص ۵۶ ق، باب تقلید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعہ، ج ۱ ص ۱۳۔

(۴۲) الانصاف، ص ۶۳۔

(۴۳) فیوض الحرمین، ص ۶۴،۶۵۔

(۴۴) عقد الجید، ص ۵۳، ۵۴۔

(۴۵) عقد الجید، ص ۵۶۔

(۴۶) عقد الجید، ص ۵۶۔ ۵۷ ق، باب تقلید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعہ، ج ۱ ص ۱۴۔

(۴۷) حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۵۹ اق، ج ۱ ص ۳۲۴۔

(۴۸) خیر التقلید، ص ۴۸۔

(۴۹) الکلام الفرید فی التزام التقلید، ص ۹۵۔

(۱۰) المصفیٰ، ج ا،ص ۱۰۔
(۱۱) مکتوبات، باب ابواب حدیث بخاری۔
(۱۲) المصفیٰ، ج ا،ص ۱۰۔
(۱۳) تفہیمات الٰہیہ، ج ا،ص ۲۱۱۔
(۱۴) سطعات، شاہ ولی اللہؒ، ترجمہ سید متین ہاشمی، ص ۲۰۔
(۱۵) ارمغان شاہ ولی اللہؒ ص ۱۷۴، ۱۷۵۔
(۱۶) تفہیمات الٰہیہ، ج ا،ص ۸۲، ۸۳۔
(۱۷) الجزء اللطیف، شاہ ولی اللہؒ ص ۳۔
(۱۸) الجزء اللطیف، شاہ ولی اللہؒ ص ۵۔
(۱۹) الجزء اللطیف، شاہ ولی اللہؒ ص ۵۔
(۲۰) تفہیمات الٰہیہ، ج ۲،ص ۲۰۲۔
(۲۱) حیات ولی، ص ۴۹۶، ۴۹۷۔
(۲۲) الانصاف فی بیان سبب اختلاف، شاہ ولی اللہؒ، ترجمہ مولانا صدرالدین اصلاحی، ص ۱۳۷، ۱۳۸، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور۔
(۲۳) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، ص ۱۴۱، ۱۴۲۔
(۲۴) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، مترجم مولانا صدرالدین، ص ۱۴۴۔
(۲۵) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، مترجم مولانا صدرالدین، ص ۱۷۳، ۱۷۴۔
(۲۶) الخیر الکثیر، شیخ محمد عاشق، دیباچہ، ص ۵۔
(۲۷) عبقات، شاہ اسماعیل شہیدؒ، ص ۴۵۔
(۲۸) سیرت سید احمد شہید، سید ابوالحسن ندوی، ج ا،ص ۳۶، لاہور۔
(۲۹) الجزء اللطیف، ص ۷، انفاس العارفین، ص ۴۰۶۔
(۳۰) سطعات، شاہ ولی اللہؒ، مترجم سید متین ہاشمی، ص ۵۰۔
(۳۱) تفہیمات الٰہیہ، ج ۲،ص ۱۴۵۔
(۳۲) سطعات، شاہ ولی اللہؒ، مترجم سید متین ہاشمی، ص ۴۷۔
(۳۳) سطعات، شاہ ولی اللہؒ، مترجم سید متین ہاشمی، ص ۱۸۔

(۳۳) علم الکلام، شبلی نعمانی، ص ۱۸۷، بحوالہ سطعات، ص ۴۷۔

باب ۱۰

(۱) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، لاہور، پاکستان، باب ۹، ص ۱۸۳۔

(۲) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، لاہور، پاکستان، باب ۹، ص ۱۸۹۔

(۳) غلام حسین طباطبائی، سیر المتاخرین، ج ۲، ص ۲۷۹۔

(۴) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، باب ۹، ص ۲۲۸۔

(۵) محمد اکرام، رود کوثر، ص ۲۲۹۔

(۶) ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مطبع المکتبۃ العلمیہ، لاہور، ص (ابتدائیہ)۔ ج ۱ ص ۱۴۔

(۷) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، باب نہم، ص ۲۳۷۔

(۸) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۵۰۔

(۹) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۹، باب اذکار الصلوٰۃ وھیئاتھا المندوب الیھا۔ ج ۱ ص ۲۳۱۔

(۱۰) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۹۔

(۱۱) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۱۔

(۱۲) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۸۔

(۱۳) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۱۳۔

(۱۴) الانصاف فی بیان سبب اختلاف، ص ۳۶۔

(۱۵) تفہیمات، ج ۱، ص ۲۱۲۔۲۱۱۔

(۱۶) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۴۰۔

(۱۷) تفہیمات، ج ۲، ص ۲۰۲۔

(۱۸) تفہیمات، ج ۱، ص ۲۱۴۔

(۱۹) تفہیمات، ج ۱، ص ۲۱۸۔

(۲۰) عطاء اللہ حنیف، مکتوبات شاہ ولی اللہ، دہلوی، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ص ۴۸۔

(۲۱) تفہیمات، ج ۱، ص ۲۰۹۔

(۲۲) القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۹۔

(۲۳) حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص ۳۷۷، ترجمہ مولانا محمد منظور الوجیدی۔

(۲۴) فیصلہ وحدت الوجود والشہود، ص ۶۔

(۲۵) ملاحظہ ہو آپ کی تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔

(۲۶) حجۃ اللہ البالغہ، (ترجمہ وتلخیص) ابواب متعلقہ معاشی، ص ۶۲۔

(۲۷) حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص ۱۲۱۔۱۲۲، ترجمہ مولانا محمد منظور الوجیدی۔

(۲۸) حجۃ اللہ البالغہ، ج۱،ص ۵۲۰۔۵۲۱۔

مصادر و مراجع معہ اسمائے مؤلفین

القرآن الحکیم

مصنف کا نام	کتاب کا نام	مطبع و ناشر و سن اشاعت
الرازی، فخر الدین، محمد	مفاتح الغیب الشتہر الکبیر	مطبع عامرہ شرفیہ، مصر ۱۳۲۴ھ، آٹھ اجزا
الزمخشری، محمود	تفسیر الکشاف	مطبع مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۴ھ، چار اجزاء
الزنجانی، ابو عبداللہ	تاریخ القرآن	" " قاہرہ، ۱۹۳۵ء
سلیمان شیخ محمد	حدث الاحداث الاقدام علی ترجمۃ القرآن	" " مصر ۱۳۵۵ھ
السیوطی، جلال الدین	الاتقان فی علوم القرآن	مطبع معاہد، مصر ۱۹۳۵ء، دو اجزاء
الطبری، محمد بن جریر	جامع البیان فی تفسیر القرآن	مصر، مطبع جلی، ۱۳۲۱ھ، تیس اجزاء
المحلی، جلال الدین، و سیوطی	تفسیر الجلالین	مطبع حلبی، مصر ۱۳۵۲ھ، دو اجزاء
الواحدی نیشاپوری، ابو الحسن، علی بن احمد	اسباب النزول	مطبع ہندیہ، مصر ۱۳۱۵ھ
الوجدی، محمد فرید	الادلۃ العلمیۃ علی ترجمۃ و معانی القرآن	مطبع عامرہ شرقیہ، مصر ۱۹۳۶ء
	الحدیث	
مصنف کا نام	کتاب کا نام	مطبع و ناشر و سن اشاعت
ابن حنبلؒ، احمد	مسند	مطبع میمنیہ ۱۳۱۳ھ، چھ اجزاء
ابن قتیبہ	تاویل مختلف الحدیث	مطبع حلبی، مصر ۱۳۲۶ھ
ابو داؤد، السجستانی سلیمان	السنن ابی داؤد	مطبع مصطفیٰ محمد، چار اجزاء
البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل	الجامع الصحیح	مطبع حلبی، مصر ۱۳۱۳ھ، نو اجزاء
البغوی، حسین بن مسعود	مصابیح السنۃ	مطبع صبیح، مصر، دو اجزاء
الترمذی، ابو عیسیٰ	الجامع الصحیح الترمذی	المطبع المصریۃ، الازہر، ۱۳۵۰ھ، ۱۹۲۱ء
الزرقانی	شرح المؤطا	مطبع مصطفیٰ محمد، مصر ۱۹۳۶ء، چار اجزاء
السیوطی، جلال الدین، امام مالک	تنویر الحوالک شرح مؤطا	مطبع مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۴۸ھ، دو اجزاء
//	الجامع الصغیر من حدیث المشیر ـ النذیر	مطبع مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۲ھ، دو اجزاء
//	الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر	مطبع حلبی مصر ۱۳۵۰ھ، تین اجزاء
الشوکانی، محمد بن علی	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	مطبع حلبی، مصر ۱۳۴۸ھ، آٹھ اجزا

العینی، بدرالدین	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	مطبع منیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، پچیس اجزاء
مسلم، ابوالحسن النیشاپوری	صحیح مسلم	مطبع صبیح مصر، ۱۳۳۴ھ، آٹھ اجزاء
النسائی	السنن بشرح السیوطی	مطبع مصریہ، مصر، ۱۹۳۰ء، آٹھ اجزاء
الموصلی	رسالۃ المغنی عن الحفظ الکتاب	مطبع منیریہ مصر، ۱۳۴۲ھ
النوری، محی الدین	شرح صحیح مسلم	مطبع حجازی قاہرہ مصر، ۱۳۴۹ھ، اٹھارہ اجزاء

مصادر و مراجع دیگر تصانیف مع اسمائے مؤلفین حروف تہجی کے لحاظ سے

	(الف)	
مصنف کا نام	کتاب کا نام	مطبع و ناشرین اشاعت
ابن الاصلاح، تقی الدین	علوم الحدیث	المطبعۃ العلمیہ حلب، ۱۳۵۰ھ، ۱۹۳۱ء
ابن امیر الحاج	التقریر والتحبیر	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ
ابن الجوزی، جمال الدین	صفۃ الصفوۃ	دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۸ھ
ابن حیان، اثیر الدین، ابوعبداللہ	البحر المحیط	مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۸ھ
ابن حاجب، ابوعمرو	منتہی الاصول	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر ۱۳۱۶ھ
ابن حجر	الفتاوی الحدیثہ	مطبع التقدم
ابن خلکان، ابوالعباس، احمد	وفیات الاعیان	المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۳۵۰ھ
ابن خلدون	المقدمہ	المطبع الخیریہ مصر ۱۳۲۲ھ
ابن السبکی، عبدالوہاب، تاج الدین	جمع الجوامع	مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۷ء
ابن عابدین، محمد امین	رسم المفتی (شرح)	شرکت صحافت عثمانیہ سی چیزی جو آسدہ ۱۳۲۵ھ
ابن العربی، ابوبکر محمد المعافری (ابن العربی)	احکام القرآن	مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ
ابن القیم، الجوزی شمس الدین	اعلام الموقعین	اشرف المطابع، دہلی۔
ابن کثیر، عماد الدین، الحافظ	تفسیر ابن کثیر	مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۹۷ھ، ۱۹۳۸ء
ابن ماجہ القزوینی، محمد بن یزید	سنن ابن ماجہ	المطبعۃ التازیہ مصر، ۱۳۴۳ھ
ابن نجیم، زین الدین، ابراہیم	فتح الغفار (شرح المنار)	مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۹۷ھ، ۱۹۳۸ء

؍؍ ؍؍	الاشباہ	نولکشور لکھنو ۱۳۳۳ھ، ۱۹۱۵ء
ابوالفضل، شہاب الدین	روح المعانی	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر
ابوزہرہ محمد	اصول الفقہ	دارالفکر العربی مصر ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء
؍؍	ابوحنیفہ	؍؍ ؍؍ ۱۹۵۵ء
ابوالحسن	اصول کرخی	نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
ابوزہرہ محمد	الشافعی	دارالفکر العربی مصر ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۹ء
ابوعلی الفضل	مجمع البیان فی تفسیر القرآن	مطبعۃ سوریا، ۱۳۵۵ھ، ۱۹۳۷ء
احمد فہمی ابوسنہ	الصرف والعادۃ فی دائی الفقہاء	مطبعۃ الازہر قاہرہ، ۱۹۴۷ء
الاسنوی، جمال الدین	اسنوی	المکتبہ المحمودیہ البخاریۃ مصر، ۱۳۴۰ھ
؍؍	ثقافت ماہنامہ	ماہنامہ ثقافت لاہور، جنوری، ۱۹۶۷ء
امام خان نوشہروی	ہندوستان میں علم حدیث	رسالہ معارف اعظم گڑھ، شمارہ نومبر ۵، ۶، ۱۹۴۷ء
ابوالاعلیٰ مودودی (مولانا)	**تجدید واحیائے دین**	مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

(ب)

بدرالدین، محمد	البرہان فی علوم القرآن	عیسی البابی مصر، ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۷ء
برکات احمد، حکیم	تنویر المنار	قلمی مملوکہ حکیم محمود احمد کبرماتی، (سن نا معلوم)
البزدوی، فخر الاسلام علی بن محمد۔	اصول فقہ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، (سن نامعلوم)
البانی۔ المغربی عبدالرحمٰن	حاشیہ شرح محلی للجمع	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۷ء

(ت)

ترکی الدین، عبدالعظیم	الترغیب والترہیب	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء
التفتازانی، سعدالدین مسعود	التلویح علی التوضیح	مطبع محمد علی الصبیح مصر، ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء
؍؍ ؍؍	حاشیہ شرح عضد	مطبع الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ
تقی الدین، قاضی القضاۃ	الابہاج	المکتبہ المحمودیہ التجاریۃ مصر، ۱۳۴۰ھ

(ج)

جادالمولی، سلیمان	فصول فی اصول	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۶۹ھ، ۱۹۴۹ء
الجرجانی، السید الشریف	حاشیۃ السعید (علی شرح العضد)	المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ

الجصاص، ابوبکر رازی	اصول فقہ	کراچی یونیورسٹی لائبریری (سن نامعلوم)
،،	احکام القرآن	مطبعۃ البہیۃ المصریۃ ۱۳۴۷ھ
جیلانی، غلام حسین	شاہ ولی اللہ کی تعلیم	شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ ۱۹۶۳ء
جمال الدین ڈاکٹر	محاضرات	جامعۃ الدول العربیۃ ۱۹۵۷ء
الجوینی، ابوالمعالی عبدالملک القول الحق	مغیث الخلق فی ترجیح	المطبعۃ المصریۃ محمد لطیف، ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء

(ح)

الحسنی، عبدالحی	نزہۃ الخواطر	دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۶ھ
الحسینی، امیر بادشاہ، محمد امین	تیسیر التحریر	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۱ھ
الحنبلی، عبدالحی بن عماد	شذرات الذہب	مکتبۃ القدسی مصر ۱۳۵۱ھ

(خ)

الخضری، محمد، بک	اصول الفقہ	مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۳۵۸ھ، ۱۹۳۸ء

(د)

دہلوی، عبدالوہاب	الحجۃ الدہلویہ	مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۱ھ
راغب اصفہانی، ابوالقاسم الحسینی	المفردات فی غریب القرآن	نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۹۶۱ء
رحمٰن علی	تذکرہ علماء ہند	ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء
رحیم بخش دہلوی	حیات ولی	مکتبہ سلفیہ لاہور، ۱۹۵۵ء
رشید احمد پروفیسر	مسلمانوں کے سیاسی افکار	ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۶۱ء

(ز)

الزرکشی، بدرالدین محمد	البرہان فی علوم القرآن	داراحیاء الکتب عیسی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۷ء
الزرقانی، محمد عبدالعظیم	مناہل العرفان فی علوم القرآن	داراحیاء الکتب العربیہ ۱۹۵۳ء
الزنجانی، ابویحییٰ زکریا	شیخ الاسلام غایۃ الوصول (مع لب الاصول) الانصاری	عیسی البابی الحلبی مصر، (سن نامعلوم)

(س)

السجستانی، ابوبکر محمد	نزہۃ القلوب فی تفسیر غریب القرآن	بولاق، مصر، ۱۲۹۵ھ

السرخسی، ابوبکر محمد	اصول الفقہ	دار الکتاب العربی مصر، لجنۃ احیاء المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۲ھ
السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل	المبسوط	مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۳۲۴ھ
سرکیس، یوسف الیاد	معجم المطبوعات	مطبعۃ سرکیس مصر، ۱۹۲۸ء
سعید احمد	مسلمانوں کا عروج وزوال	جید برقی پریس، دہلی، اکبرآبادی ندوۃ المصنفین، ۱۹۴۲ء
سندھی، عبید اللہ مولانا	شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ	سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۹ء
سندھی، عبید اللہ مولانا	شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک	دین محمدی پریس، لاہور، ۱۹۴۲ء
السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمٰن	الاتقان فی علوم القرآن	مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۱ء
//	الاشباہ والنظائر	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۷۸ھ، ۱۹۵۹ء //

(ش)

الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم	الاعتصام	مکتبۃ التجارۃ الکبری مصر
//	الموافقات	مکتبۃ التجارۃ الکبری مصر
الشافعی، الامام، محمد بن ادریس	الام	مطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، ۱۳۲۵ھ
//	الرسالہ	مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۸ھ،
شاکر الحنبلی	اصول الفقہ اسلامی	مطبعۃ الجامعۃ السوریۃ، ۱۳۵۸ھ
شاہ عبد العزیز	عجالۂ نافعہ	مجتبائی پریس دہلی، ۱۸۲۳ء
شاہ عبد العزیز	فتاویٰ عزیزی	مجتبائی پریس دہلی، ۱۳۱۱ھ
شاہ ولی اللہ دہلوی	الارشاد الی مہمات علم الاسناد	سجاد پبلشرز، لاہور
// //	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	مجتبائی پریس دہلی، ۱۹۳۵ء
// //	الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	آرمی برقی پریس دہلی، ۱۹۴۳ء
// //	انفاس العارفین	مطبع احمدی دہلی
// //	البدور البازغۃ	مدینہ برقی پریس بجنور مجلس، ۱۳۵۴ھ
// //	تاویل الاحادیث	شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، دکن، ۱۳۸۵ھ
// //	تراجم وشرح تراجم	دائرۃ المعارف، حیدرآباد، دکن، (ابواب بخاری) ۱۳۵۸ھ، ۱۹۳۹ء
// //	التفہیمات الالٰہیہ	مدینہ برقی پریس بجنور مجلس علمی ڈابھیل، ۱۹۳۹ء
// //	حجۃ اللہ البالغہ	المطبعۃ المنیریہ مصر، جلد اول ۱۳۵۲ھ، جلد دوم ۱۳۵۵ھ

// //	حسن العقیدہ	مطبع احمد دہلی
// //	الخیر الکثیر مع مقدمہ	مدنیہ پریس بجنور مجلس علمی، ڈابھیل، ارشاد محمد عاشق ۱۹۳۵ء
// //	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	ہندوستان الیکٹرک پریس، دہلی
// //	عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	مجتبائی پریس دہلی، ۱۳۴۴ھ
// //	فتح الرحمٰن فی ترجمہ القرآن	مطبع ہاشمی میرٹھ، ۱۲۸۵ھ
// //	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مع فتح الخبیر)	مطبع علمی لاہور
// //	فیوض الحرمین	مطبع احمدی دہلی
// //	قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین	مجتبائی، دہلی، ۱۳۱۰ھ
// //	القول الجمیل	اعزازیہ دیوبند
// //	مسلسلات	مطبع احمدی دہلی
// //	مسوّیٰ	رحیمیہ دہلی، مکتبہ سلفیہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۵۱ھ
// //	مصفیٰ	رحیمیہ دہلی
// //	مکتوبات مع مناقب بخاری وفضیلت ابن تیمیہ	مطبع احمدی دہلی
// //	مکتوبات کلمات طیبات	مجتبائی ۱۸۹۱ء
// //	شاہ ولی اللہ کے سیاسی خلیف	احمد نظامی مجتبائی پریس مکتوبات
// //	ہمعات	شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد
// //	وصیت نامہ (المقالہ الوصیۃ فی النصیحہ والوصیۃ)	مطبع احمدی دہلوی، ۱۸۹۹ء
// //	سرور المحزون	دار الاشاعت کراچی ۱۳۵۸
// //	اردو ترجمہ خلیفہ محمد عاقل	// //
// //	المقدمہ فی قوانین الترجمہ	ماہنامہ برہان دہلی، ۱۹۴۵ء
شربنی، عبدالرحمٰن شیخ الاسلام	تقریر شیخ الاسلام	مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۷ء
الشوکانی، محمد القاضی	ارشاد	مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۷ء
الشیرازی، ابواسحٰق الاستاد	اللمع فی اصول الفقہ	// //
	(ص)	
صبحی صالح، ڈاکٹر	علوم الحدیث	مطبعۃ جامعۃ دمشق، ۱۹۶۳ء
صدر الشریعۃ، عبیداللہ المحبوبی	تنقیح وتوضیح	مطبعۃ محمد علی الصبیح مصر ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء

	(ص)	
صدیق حسن خان ابوالطیب، محمد	اتحاف النبلاء	مطبع نظامی کانپور، [illegible]
	(ط)	
طاش کبری زادہ، عصام الدین	طبقات الفقہاء	مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ، موصل، ۱۳۹۰ھ، ۱۹۶۱ء
طباطبائی، غلام حسین	سیر المتأخرین	نولکشور [illegible]، ۱۳۱۴ھ
الطبرسی، ابوعلی الفضل	مجمع البیان (فی تفسیر القرآن)	مطبع سوریہ، ۱۳۵۵ھ، ۱۹۳۷ء
الطبری ابوجعفر محمد	جامع البیان	مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۴ء

(ع)

عاشق الٰہی میرٹھی	تذکرۃ الرشید	محبوب المطابع دہلی، (س ن-م)
عبدالرحیم ضیاء	مقالات طریقت	مطبع مشین کرنان، حیدرآباد دکن، ۱۲۹۲ھ
عبدالحلیم، محمد الکھنوی	قمر الاقمار (حاشیہ نور الانوار)	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۲۹۶ھ
عبدالحی، الحسنی	الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند	المجمع العلمی دمشق، ۱۹۵۸ء
عطاء اللہ، حنیف	مکتوب عطاء اللہ حنیف	ناظم مکتبہ سلفیہ لاہور، ۱۹۷۲ء
علی حسب اللہ	اصول التشریع الاسلامی	دار المعارف مصر، ۱۹۶۴ء
عماد الدین، القرشی الدمشقی الحافظ	تفسیر ابن کثیر	مصطفی البابی الحلبی مصر، ۱۹۲۸ء

(غ)

الغزالی، ابوحامد محمد	المستصفی من علم الاصول	المطبعۃ الامیریہ بولاق، مصر، ۱۳۲۵ھ
،،	الوجیز	مطبع المؤیدہ، الاداب مصر، ۱۳۱۷ھ

(ف)

الفراء، ابوزکریا یحیٰ بن زیاد	معانی القرآن	مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۷۴ھ
الفقی، محمد حامد	اثر الدعوۃ الوہابیہ	مطبع مصطفی محمد، مصر، ۱۳۵۴ھ

(ق)

قادری، محمد ایوب	مجموعہ وصایا اربعہ	شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ، س ن (ن-م)
قاسمی، غلام مصطفی	(مقدمہ لمحات)	،، ،،
القرافی، احمد بن ادریس	مختصر تنقیح الفصول	مطبع ہاشمیہ دمشق (ن-م)
،، ،،	انوار البروق فی انواء الفروق	دار احیاء الکتب العربیہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۴۴ھ
القرطبی، ابوعبداللہ	الجامع لاحکام القرآن	دار الکتب مصر، المطبع الثانیہ، ۱۳۸۵ھ

(ک)

الکوی البہنوی محمد	الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ	مصر ۱۳۲۴ھ
الکوثری زاہد محمد حسن	حسن التقاضی سیرۃ الاماشی	دارالانوار الطباعۃ والنشر، مصر، ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۸ء

(م)

محب اللہ بہاری	مسلم الثبوت	المطبعۃ المنیریہ بولاق، مصر، ۱۳۲۵ھ
محمصانی صبحی	فلسفۃ التشریع فی الاسلام	دار الکتاب بیروت، ۱۳۷۱ھ
محمد اسماعیل، ابوالعلاء	ولی اللہ	جامعۃ ملیہ پریس، دہلی
محمد منظور نعمانی	الفرقان شاہ ولی اللہ	مکتبہ الفرقان بریلی، ۱۳۶۰ھ (رسالہ)
محمد یحیی امان شیخ امان	نزھۃ المشتاق اللمع لابی اسحاق	مکتبہ علمیہ مکہ مکرمہ، ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۱ء
المرغینانی، برھان الدین، شیخ الاسلام	ہدایہ	مجتبائی پریس دہلی
ملاجیون شیخ احمد	نورالانوار	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ
مہدی حسن، مفتی دارالعلوم دیوبند	مکتوب مہدی حسن	مکتبہ سلفیہ لاہور

(ن)

نجار، عبدالوہاب	قصص الانبیاء	مکتبہ التجارۃ الکبری مصر، المطبقۃ امرابعہ، ۱۹۵۶ء
نسفی ابوالبرکات عبداللہ	کشف الاسرار شرح المنار	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ
// //	المنار	// //
نوشہروی امام خان ابو یحیٰی	تذکرہ علمائے حدیث ہند	جید برقی پریس دہلی، ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۸ء
نووی ابو زکریا محی الدین	شرح المہذب	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر
// //	شرح صحیح مسلم	مطبع حجازی قاہرہ

(و)

ابواسماعیل حسن عبداللہ	حاشیہ ہروی الہروی	المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۶ھ
ہمدانی ابوبکر	کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ	دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، دکن، ۱۳۵۹ھ

(ی)

یوسف، السید محمد، ڈاکٹر	تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند	انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۳ء
یوسف موسیٰ محمد، ڈاکٹر	تاریخ الفقہ الاسلامی	دارالمعرفۃ قاہرہ، ۱۹۶۳ء

1- Abdur Rahim, Muhammadan Jruisprudence, London, 1911, A.D.

2- Ali Sayyid Ameer, The Spirit of Islam, London, 1949.

3- Anderson, J.N.D. Islamic Law in the Modern World, London, 1959.

4- Coulsen N.J. A History of Islamic Law, Edinburg, 1964.

5- Iqbal, Allama Mohammad, The reconstruction of the Religious Thought in Islam, Lahore, 1930.

6- Mahmud, Dr. Fazle, A Study of Life and Works of Shah Waliullah, Lahore, 1972.

7- Schacht, J. The Origins of Muhamman Jurisprudence, Oxford, 1950.

8- Smith W.C. Islam in Modern History, London, 1959.

9- Thomas, Patrich, A Dictionary of Islam, Premier Book House, Lahore, N.D.

10- Ullah, Dr. Hamid, Introduction to Islam, Lahore, 1974.

ڈاکٹر نجم الدین سراج علمی حلقوں میں بلند پایہ محقق کے طور پر معروف ہیں۔ آپ نے 1984ء میں اسلامک سٹڈیز میں ڈاکٹریٹ کیا۔ اس سے قبل درس نظامی امتیازی حیثیت میں مکمل کیا۔ آپ چیئر مین ڈیپارٹمنٹ آف عربیک اینڈ اسلامک سٹڈیز گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے طور پر خدمات بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کے تحقیقی و علمی مقالہ جات اہم جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان سے دس سال اہم موضوعات، مسائل کی تفہیم اور دینی شعور عام کرنے کے لیے آپ کی تقاریر نشر ہوتی رہیں۔ آپ کی تصنیف **'شاہ ولی اللہ ؒ کا نظریہ اجتہاد و تقلید** موضوع، اسلوب اور فقہی اعتبار سے علمی سرمایہ ہے۔ آپ نے اجتہاد و تقلید کے بارے میں جدید ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا جواب شاہ ولی اللہؒ کے افکار و عمل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

***

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''فک کل نظام'' کا نعرہ اس وقت لگایا جب مسلمان معاشرہ بحیثیت مجموعی تنزل اور انتشار کا شکار ہو چکا تھا اور مسلمانوں کو دنیا میں سیاسی معاشرتی اور معاشی شکست ہو چکی تھی۔ ایسی صورت میں اسلامی نظام حیات کو دوبارہ سے اجاگر کرنا اور اسلام کو نظریہ زندگی کا عملی نمونہ بنانا ایک بہت بڑا کارنامہ اور بہت بڑا اجہاد تھا۔ آپؒ ہر معاملہ میں اسلامی فکر کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ امت کو درست سمت میں لانے کے لیے فقہ اسلامی اور قوانین کی بھی نئی انداز سے بنیاد سازی کے لیے خاکہ مہیا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مفتی رشید احمد علوی (صدر مدرس درجہ تخصص جامعہ مظاہر العلوم آرائے بازار، لاہور)

***

اسلاف اور محققین کے علمی مطالعہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف میں ادبی رنگ بھی اس قدر نمایاں ہے کہ بقول سید ابوالحسن علی ندویؒ ''حضرت شاہ صاحبؒ پہلے ہندوستانی مصنف ہیں جن کی عربی تصانیف ادبی اغلاط سے پاک ہیں۔ ان میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت بیان اور ادباء عرب کی سی عربیت ہے۔ وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریر میں پائی جاتی ہیں''۔
(الفرقان، ماہنامہ شاہ ولی اللہ ص ٣٦٦)

ابوالحسن مفتی امداد اللہ محمود فرید (خطیب جامع مسجد ثنیان الغانم، کویت)

Price: Rs. 850/-